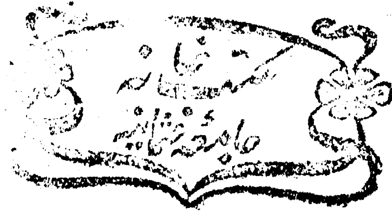
شرح غزلیات نظیری

مع متن



حصہ دوم

مرتبہ

جناب مولانا حافظ عبدالمجید صاحب بی۔ اے (علیگ) منشی فاضل) مؤلف مہبطِ انوار شرح مخزن اسرار و جہاں نمائے جہانکشائے خلاصہ جہانکشائے نادری +

ناشر

ملک بشیر احمد تاجر کتب کشمیری بازار لاہور

 قیمت عمار طبع اول

نصاب کتب امتحانات علوم مشرقی پنجاب یونیورسٹی سنہ ۱۹۳۸ء

نام کتاب	قیمت
منشی سنہ ۱۹۳۸ء	
۱۔ احسن القواعد	عـہ
شعر العجم حصہ اول	۸
۲۔ سبد گل حصہ نثر	۱۲
وقائع عالمگیر	عـہ
تعلیم نباتات	۴ر
گلستان باب پنجم خارج	۱۰ر
۳۔ سبد گل حصہ نظم	۱۲
تحفۃ الاحرار جامی مقالہ ۷ و ۱۰ خارج	۶ر
رباعیات عمر خیام	۴ر
۴۔ اخلاق محسنی	۸ر
۵۔ ترجمتین یعنی فارسی سے اردو	
اور اردو سے فارسی میں	
۶۔ قواعد عربی مبیر احمد شاہ رضوانی	۲ر
(یا) نحو میر ۳ر سلم الادب	۰
منشی عالم	
۱۔ رسالہ عبد الواسع رصنعت	
ہجا خارج	۳ر
عروض سیفی	۳ر
شعر العجم حصہ دوم	عـ ۲ر
" " سوم	عـ ۴ر

نام کتاب	قیمت
۲۔ گلشن معانی (نثر)	۱۲
سرگذشت وزیر خان لنکران	۴ر
تذکرہ دولت شاہ سمرقندی	
(طبقہ اول تا پنجم)	عـ
صرف ادبی سوالات ہونگے	
لسان العجم حصہ اول	۱۰ر
مہر نیمروز غالب	۸ر
۳۔ گلشن معانی (نظم)	۱۲
مطلع الانوار مقالہ ۵ و ۱۰ خارج	۱۲ر
قصائد عرفی	۹ر
۴۔ اخلاق ناصری	عـ ۲ر
۵۔ ترجمتین و جواب مضمون فارسی	
۶۔ کتاب الصرف ۱۲ر کتاب النحو	۸ر
عربی الف۔ اے کورس جدید حصہ نثر	عـ ۱ر
منشی فاضل ۳۸ء	
۱۔ دبیر عجم	۴ر
جواہر البحور جدید عربی کورس	
بی۔ اے حصہ نثر	۱۲
شعر العجم چہارم عـہ پنجم	عـ ۴ر
۲۔ چہار مقالہ تصحیح و انتظام	
مقدمہ مولوی رشید احمد صاحب بی اے	

نام کتاب	قیمت
منشی فاضل۔ ادیب فاضل	۶ر
حاجی بابا اصفہانی	۴ر
سیاحت نامہ ابراہیم بیگ دوم	۱۲ر
ابو الفضل اول و سوم	۱۰ر
وکلائے مرافعہ	۳ر
۳۔ قصائد قاآنی مع حالات	۸ر
غزلیات نظیری (تا ردیف را)	۱۰ر
دیوان فرخی (حصہ داخل نصاب)	عـ
منطق الطیر عطار	۲ر
رباعیات بابا طاہر مع ترجمہ و	
شرح از ملک احمد یار خاں بی اے	۴ر
رباعیات ابو سعید ابو الخیر	۶ر
تاریخ وصاف تا اختتام جلد ۱	
ارغون	عـ
سیر المتاخرین از بابر تا جہانگیر	عـہ
(نوٹ) اس پرچہ کے سوالات عبارتی	
و تاریخی دونوں طرز پر ہوں گے	
۵۔ اخلاق جلالی رجحت النغمہ خارج	عـ ۲ر
رموز حکمت	عـ
درۃ اخبار مطبوعہ یونیورسٹی کشف المحجوب	
از ابتدا تا اختتام احوال صوفیہ کرام	عـ ۱ر

ملنے کا پتہ۔ ملک بشیر احمد تاجر کتب کشمیری بازار لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ردیف الدّال

غزل نمبر ۱

بحرِ رمل مثمن مخبون آخری رکن مخبون مسکن مقصور

تقطیع

پرد برد	شَ تَ اَ م از	غمِ پن ہا	نے چند
فاعلاتن	فعلاتن	فعلاتن	فعلان
بزیامے	رَوَدِ م رُد	زگریبا	نے چند

۱ پردہ برداشتہ ام از غمِ پنہانے چند ۔ بزیاں میرود امروز گریبانے چند

۲ زاں ضعیفاں کہ وفا داشت دریں شہر اسیر ۔ قفسے چند بجا ماندہ و زندانے چند

۳ سر و سامانِ سخن کردنِ ایں جمع نیست ۔ پہلوئے من بنشانید پریشانے چند

۴ بس خرابی کہ زیکدیگر شاں نشناسند ۔ ماندہ ایم از دہِ غارت زدہ ویرانے چند

۵ کشتہ از بسکہ فتادند کفن نتواں کرد ۔ فکرِ خورشیدِ قیامت کن و عریانے چند

۶ ہیچ دل را ستمِ حادثہ مجروح نکرد ۔ کہ نہ لعلِ تو براں ریخت نمکدانے چند

۷ ہیچکس را سرِ پائے نزد ایام کہ ما ۔ پشتِ دستے نگزیدیم بدندانے چند

۸ بہرِ عشرت طلبی لختِ دل آرم بیروں ۔ چیدہ ام از گلِ ایں بادیہ دامانے چند

۹ چشم بر فیضِ نظیری ہمہ خوباں دارند
کاسہ در پیشِ گدا داشتہ سلطانے چند

(۱) میں نے اپنے بعض پوشیدہ غموں کو آج ظاہر کر دیا ہے۔ (درد عشق کی مصیبتوں کو بیان کر دیا ہے) اس لئے آج کئی گریبانوں کا نقصان ہو رہا ہے۔ (میری داستانِ درد کو سنکر لذت آشنایانِ درد تابِ ضبط نہیں لا سکتے۔ مطلب یہ ہے کہ میں نے عشق کی تکلیفیں سب سے بڑھ کر برداشت کی ہیں)

(۲) اُن بیچارے دلی یادگار ہے جنہیں وفا نے اس شہر میں مقید کر رکھا تھا۔ صرف چند قفس اور چند قید خانے باقی رہ گئے ہیں۔ (عشق میں وفا کے دامن کو کبھی نہ چھوڑنے والے چل بسے۔ اُن کی یادگار میں اُن کی گرفتاری، اور قید و بند کے سامانوں کی صورت

میں باقی رہ گئی ہیں۔ اب صرف ہوس پرست اور خام کار لوگ ہی باقی رہ گئے ہیں)

(۳) (جمع اور پریشان میں تضاد ہے۔ جمع سے مراد دُنیا کے ساز و سامان سے مطمئن ہو جانے والے لوگ۔ پریشان۔ عشاق۔ راہِ عشق میں سرگردان) مجھے ان دنیادار لوگوں سے باتیں کرنے کا سلیقہ نہیں۔ (اگر میری باتیں سُننی ہیں تو میرے پاس چند پریشان حالوں کو بٹھلا دو۔ (کہ کند ہم جنس با ہم جنس پرواز ۔ خوب گذرے گی جو مل بیٹھیں گے دیوانے چند)

(۴) (ہم پر) کس قدر بربادی آئی ہے۔ کہ لوگ ہمیں (بربادی میں مساوی ہونے کی وجہ سے) ایک دوسرے سے تمیز نہیں کر سکتے۔ (ہماری مثال ایسی ہے گویا ہم) ایک لٹے ہوئے گاؤں کے کچھ کھنڈر باقی رہ گئے ہیں (ویرانے چند سے ظاہر ہے کہ شکست و ریخت کے بعد کھنڈر میں تمیز دشوار ہو جاتی ہے)

(۵) مقتول اس کثرت سے پڑے ہیں کہ اُن (سب) کو کفنایا نہیں جا سکتا یوں سمجھو کہ عرصۂ محشر میں مردے پڑے ہیں۔ اور آفتاب محشر کی نورانی کرنیں ان کی کفن پوشی کا سامان کر رہی ہیں ۔ چند۔ ایک سے پانچ یا نو تک کے لئے بولا جاتا ہے۔ اور معتد بہ کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے جیسے یہاں)

(۶) کوئی دل ایسا نہیں جسے حادثہ کے ستم نے زخمی کیا ہو اور تیرے لعل (جیسے سُرخ) لبوں نے اس پر کئی نمکدان نہ چھڑک دیئے ہوں (نمکدان یعنی معروف اور نیز کنایہ از دہن معشوق۔ عشاق کے دل جو ستمہائے عشق سے مجروح ہو رہے ہیں معشوق اُن پر طعن بیوفائی وغیرہ کے کچوکے لگا کر اور نمک پاشی کرتا ہے)

(۷) زمانے نے کسی شخص کو ٹھوکر نہ ماری کہ ہم نے اس پر اپنے دانتوں سے اپنی پُشت دست کو نہ کاٹا۔ (جب کسی شخص پر مصیبت آئی تو ہمارے دل میں اُس کے لئے ہمدردی کے جذبات پیدا ہو گئے ؎ خنجر چلے کسی پہ تڑپتے ہیں ہم امیرؔ سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے

(۸) (تجھ میں اور مجھ میں بہت فرق ہے) تو عیش و طرب کے پھل (یا پہلو) کا خواہشمند ہے (بوالہوس ہے) اور میں دل کے ٹکڑے کر کے نکال رہا ہوں۔ (یہ اشعارِ عشقیہ جو میرے وارداتِ قلب ہیں۔ بہت کاوش سے نکالتا ہوں) میں نے اس جنگل کے پھولوں سے کئی دامن بھر لئے ہیں ؎

(۹) تمام حسین (معشوق) نظیریؔ کے فیضِ عشق کے اُمیدوار ہیں۔ (چشم داشتن۔ اُمید اور توقع رکھنا) گویا چند سلاطین نے ایک گدا کے سامنے کاسۂ گدائی پھیلا رکھا ہے۔ (نظیریؔ گدا ہے اور معشوق سلاطینِ حُسن ہیں جو نظیری کے ذوق و نیاز سے اپنے حسن کی آرائش کرتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ بغیر عشق نظارہ باز کے حسن کی تمام زینتیں بے سود ہیں حسرتؔ ؎

انہیں خود ناز ہے اب اپنی صورت پر کہ برسوں سے ۔ پرستش کر رہا ہے حسرتِ رنگیں بیاں میری

غزل نمبر ۲

بحرِ رمل مثمن مخبون استبر ارکان

تقطیع

شمعِ رازن	دلی در	شب تارا	خر شد
فاعلاتن	فعلاتن	فعلاتن	فعلن
روزِ عشرت	ہمہ خوا	بِ خمارا	خر شد

شمع رازندہ دلی در شبِ تار آخر شد ۱ روزِ عشرت ہمہ در خواب و خمار آخر شد

شاخ سرکش شد و دستِ ہمہ کوتاہ بماند ۲ جورِ گل چین و نزاعِ سرِ خار آخر شد

عندلیب ارنسراید بقفس معذور است ۳ گل بیازار نیرزند و بہار آخر شد

خلعتِ دہر باندازۂ حال اکنوں نیست ۴ چرخ را رشتہ بہم رفت و مدار آخر شد

ہمچو دینار کہ در پائے کریماں اُفتد ۵ کس نگفت از چہ شماریم و شمار آخر شد

کمتر از رنگِ حنا بود بما لطفِ جہاں ۶ سرِ دستے نفشاندیم و نگار آخر شد

فکرِ تا آمدہ اینست کہ امسال گذشت ۷ غمِ آئندہ ہماں بود کہ پار آخر شد

نقشِ رخسارِ تو بر صفحۂ جاں گشت رقم ۸ پردہ بر یک طرف انداز کہ کار آخر شد

۹ شاہدان گوشۂ چشمے بنظیری دارند

ہر چہ دل صید ہمیکرد شکار آخر شد

(۱) شمع کی زندہ دلی اندھیری رات میں ختم ہو گئی اور عیش کا دن تمام خواب و خمار میں گذر گیا ؛

(۲) شاخ بلند ہو گئی اور تمام (خواہشمندوں) کا ہاتھ کوتاہ رہ گیا۔ (چونکہ اب ہاتھ شاخ بلند تک پہنچ ہی نہیں سکتا اس لئے گلچیں کے ستم اور کانٹے کی نوک کا جھگڑا ختم ہو گیا ہے۔ (بلند مقاصد یا عشق کی کٹھن منزلوں میں ہر کس و ناکس استقلال سے کام نہیں لے سکتا بے شمار لوگ یہاں ہمت ہار بیٹھتے ہیں) ؛

(۳) بلبل اگر قفس میں نہیں گاتی۔ تو وہ معذور ہے۔ پھولوں کو لوگ ابھی بازار میں بھی نہیں لیجانے پائے تھے۔ کہ بہار ختم ہو گئی (بلبل کی نغمہ سرائی کا ذریعہ گل ہے جو بہار میں کھلتا ہے۔ مگر بہار اس قدر ناپائدار ہے کہ پھول بازار میں پہنچنے سے پہلے ہی ختم ہو چکی۔ پھر وہ بلبل جو اسیرِ قفس ہے۔ نغمہ سرائی کا موقعہ کیسے پا سکتی ہے)

(۴) اب زمانے کا خلعت (ہمارے) حال کے مطابق نہیں رہا۔ (کیونکہ) چرخہ کا دھاگا اُلجھ کر رہ گیا ہے۔ اور اُس کی حرکت ختم ہو چکی ہے۔ زمانے نے جو پیراہن بنایا تھا وہ ہمارے پیکر حالات کے مطابق نہیں دو چرخ۔ چرخہ)

(۵) اُس دینار کی طرح جو سخی لوگوں کے پیروں میں (سخاوت کے وقت) گر پڑتا ہے۔ (قابل ذکر لوگوں کی) گنتی ختم ہو گئی اور (ہمارے متعلق) کسی نے یہ نہ کہا کہ ہم کس شمار میں ہیں۔ (ہم بالکل بے وقعت ہیں) +

(۶) ہمارے لئے دنیا کا لطف مہندی کے رنگ سے بھی زیادہ ناپائدار تھا کہ ابھی ہم نے ہاتھ پھیلا کے رقص (مستی) شروع بھی نہ کیا تھا۔ کہ رنگ اُڑ گیا۔ (درحقیقت عیش کا زمانہ جو ہمیں نصیب ہوا نہایت مختصر تھا یا یہ کہ عیش کا زمانہ باوجود امتداد کے بھی مختصر معلوم ہوا کرتا ہے) ؛

(۷) جو فکر کبھی پیدا نہیں ہوا وہ یہ ہے کہ "یہ سال" بھی گذر گیا۔ (سالِ رواں کے ہاتھ سے نکل جانے کا غم ابھی ہم نے محسوس نہیں کیا) اور آئندہ کا غم یہی رہا ہے کہ "پار سال" گذر گیا۔ (مستقبل کی فکر پہلے سے نہیں کرتے بلکہ وقت ہاتھ سے نکل جانے پر افسوس کرتے ہیں) ؛

(۸) تیرے رخسار کے نقش تو میری جان کے صفحے پر ثبت ہو چکے ہیں۔ اب پردہ اُٹھا دے کہ (میرا) کام تمام ہوا جاتا ہے۔ (مزید تابِ انتظار نہیں رکھتا) (اہلِ تصوف کا مطلب یہ کہ خدا کی صفات جمالی کے مطالعہ سے مجھ پر حالت انبساط طاری ہو چکی ہے۔

(۹) اب معشوق لوگ بھی نظیری کی طرف چشمِ التفات (مبذول) کئے ہوئے ہیں۔ جو چیز (چشمِ معشوق) پہلے میرے دل کو شکار کیا کرتی تھی۔ آخر وہ خود شکار ہو گئی)۔ (ہرچہ کی جگہ اگر ہرکہ ہو تو مراد خود معشوق ہوگا۔ مگر میرے خیال میں ہرچہ سیاق و سباق کے لحاظ سے بہتر اور موزوں تر ہے۔ پہلے مصرعہ میں "گوشۂ چشمے بنظیری دارند" کے الفاظ اس کی تائید کرتے ہیں دیکھو ردیف دال پہلی غزل کا مقطع)

غزل نمبر ۳

بحر مضارع مثمن اخرب مکفوف محذوف ارکان: مفعول فاعلات مفاعیل فاعلن

تقطیع

ذوقے ز	مے نزاد	کہ صد شور	شر نہ شد
مفعول	فاع لات	مفاعیل	فاعلن
بے باکِ	یز مذاق	خُمِ مے ب	در نہ شد

ذوقے ز مے نزاد کہ صد شور و شر نشد ۱ بیباکی از مذاق خُمِ مے بدر نشد

ایں رسمہائے تازہ ز حرمانِ عہدِ ماست ۲ عنقا بروزگار کسے نامہ بر نشد

یازایں چہ آفت ست درختِ اُمید را ۳ امسال ہم شگوفہ فشاند و ثمر نشد

بیہودہ بر گذرگہِ آفت نشستہ ایم ۴ شد کاروان و مردِ رہے جلوہ گر نشد

رُسوا منم وگرنہ تو صد بار در دلم ۵ رفتی و آمدی کہ کسے را خبر نشد

دستارِ مارِ گنج، گرہ در گلو شود ۶ خُم را کہ خشتِ میکدہ تاجِ سر نشد

شب زندہ دار باش کہ تا پیرِ بُت تراش ۷ بیدار بود بتکدہ زیر و زبر نشد

در صدر چوں حضور نبود آستاں گزید ۸ ہرگز گدائے کوئے مغاں معتبر نشد

۹ بس نغمہا بگوشِ **نظیری** ہوس کشید

در از دروں ببست و بہ بیروں در نشد

(۱) شراب سے کوئی ذوق ایسا پیدا نہ ہؤا کہ جس سے آخر سینکڑوں شور و شر نہ پیدا ہوئے ہوں۔ شراب کے مٹکے کے مذاق سے بیباکی دُور نہ ہو سکی۔ (بے باکی اور شور و شر شراب کا خاصہ ہے) ؛

(۲) یہ نئے نئے طریقے ہمارے زمانے کی محرومیوں میں سے ہیں۔ (کہ ہمارا نامہ بر عنقا ہے) ورنہ عنقا کو کسی (عاشق) کے زمانے میں بھی نامہ بر نہیں بنایا گیا۔ (ہم ایسے محروم القسمت ہیں کہ ہمیں ہمارا نامہ بر عنقا یعنی معدوم ہے۔ اس سے زیادہ حرماں نصیبی کیا ہو گی کہ قاصد ہی نہیں ملتا) ؛

(۳) یہ اُمید کے درخت پر پھر کیا آفت آئی ہے۔ کہ اس سال بھی شگوفے ہی جھڑ گئے۔ اور پھل نہ آنے پایا۔ (ہمیشہ کی طرح پھر اُمیدیں دل کی دل ہی میں رہ گئیں) ؛

(۴) ہم بیکار اس آفت کے راستے (دُنیا) میں بیٹھے ہیں۔ قافلہ جا چکا اور کوئی مردِ راہ نمودار نہ ہوا۔ (دنیا میں ہم نے کسی مردِ کامل کی تلاش میں بہت سرگردانی اٹھائی مگر بے سود۔ رہبرِ کامل ملتا ہی نہیں) سے

چلتا ہوں تھوڑی دور ہر اک تیز رَو کیساتھ پہچانتا نہیں ہوں ابھی رہبر کو میں

(۵) رسوا میں ہو گیا ہوں حالانکہ کبھی تیرے دل میں آیا نہ گیا۔ ورنہ تو تو سینکڑوں مرتبہ میرے دل میں آیا اور گیا اور کسی کو خبر تک نہ ہوئی (مطلب یہ کہ معاملاتِ عشق میں رسوائی بغیر حصول کے عاشق کا حصہ ہے) ؛

(۶) (خدا کرے) اُس مٹکے کے گلے میں خزانے کے سانپ کی پگڑی گرہ بن کر رہ جائے۔ جس کے سر کا تاج میکدہ کی اینٹ نہ بنی ہو (وہ مٹکا کسی کام کا نہیں جسے میکدہ میں بار نہیں ملا۔ اور جس کو میکدہ کی اینٹ کا ڈھکنا نصیب نہیں ہوا) ؛

(۷) راتوں کو بیدار رہا کر (راتوں کو عبادت و ریاضت کیا کر) کیونکہ جب تک بوڑھا بُت تراش (آذر) بیدار رہا بتکدہ زیر و زبر نہ ہؤا۔ (آذر۔ حضرت ابراہیم کے بت تراش اور بت پرست والد۔ جونہی وہ اپنے بُتوں کی طرف سے غافل ہوئے وہ توڑ دیئے گئے۔ مطلب یہ کہ شاعری ایک قسم کی صورت گری ہے اس کے لئے شب بیداری اور محنت کی ضرورت ہے) ؛

(۸) چونکہ مسند پر جگہ نہ تھی۔ اس لئے اُس نے دہلیز ہی کو پسند کر لیا۔ پیرِ مغاں کے کوچے کے گدا کے امتحان لینے کی نوبت ہی نہ آئی (طالبِ راہِ معرفت اُس کے دروازے کو چھوڑ کر کبھی نہیں جاتے۔ خواہ اُن کو حضوری نصیب ہو یا نہ ہو۔ اور اُس کی چوکھٹ پر رکھنے کی کرم فرمائی کو بھی اپنی حیثیت سے بڑھ کر خیال کرتے ہیں) ؛

(۹) ہوس نے نظیری کے کان میں بہت سے (دلکش) نغمے ڈالے۔ مگر اُس نے اندر سے دروازے کو بند کر لیا۔ اور باہر نہ نکلا۔ (ہوس کے نغموں سے متاثر نہ ہؤا بلکہ قناعت گزیں رہا) ؛

 م نظیری آورد کا بہت معتقد ہے۔ الفاظ کی صنعت گری کو لازمِ شعر تصور کرتا ہے اس اعتبار سے اچھے شعر کہنے کیلئے شب بیداری کو ضروری تصور کیا۔ م

غزل نمبر ۴

بحر ہزج مثمن اخرب مکفوف محذوف — ارکان مفعول مفاعیل مفاعیل فعولن

تقطیع

قاصد	لیا زرد	تر ز آب	ل دارد
مفعول	مفاعیل	مفاعیل	فعولن
مے آی	دزاکوئے	ز رفتن گِ	ل دارد

قاصد دلے آزردہ تر از آبلہ دارد ۱ مے آید ازاں کوئے و زرفتن گلہ دارد

کس خیمہ نیفراخت بسر چشمۂ حیواں ۲ گاہے گذرے خضر بریں مرحلہ دارد

شاید کہ شود جلوہ گر از غیب جمالے ۳ چشمے ہمہ کس بر رہِ ایں قافلہ دارد

معشوق جمیل ست و غیور ار نہ بگویم ۴ مجنوں نسب از لیلی ایں سلسلہ دارد

ہوئے بفراغت نکند در ہمہ صحرا ۵ دیوانہ کہ آہوئے رماں در گلہ دارد

دریاش ہمے باید و در ظرف نگنجد ۶ صد گونہ الم طایرِ کم حوصلہ دارد

فارغ نشوم یک نفس از بندگیِ عشق ۷ شکرانۂ فرضے کہ کنم نافلہ دارد

بے بادہ کنم مستی و بے نغمہ زنم ذوق ۸ اینک مے و نے ہر کہ سرِ مشغلہ دارد

۹ چوں گفتہ و ناگفتہ بسنجیدن بخت است

شعرے کہ نگفتست نظیری صلہ دارد

(۱) قاصد (جسے میں نے معشوق کے پاس بھیجا تھا) آبلہ سے زیادہ آزردہ دل ہو رہا ہے۔ (پھوٹ بہنے کو ہے) وہ اُس (معشوق) کے کوچہ سے آ رہا ہے۔ اور وہاں جانے کے متعلق گلہ کر رہا ہے۔ (معشوق نے اس سے ناگفتہ بہ سلوک کیا ہے وہ افسوس کر رہا ہے کہ کاش جاتا ہی نہیں)۔

(۲) کسی شخص نے کبھی آبِ حیات کے چشمہ پر خیمہ کھڑا نہ کیا۔ (کسی کو وہاں جم کر بیٹھنا نصیب نہ ہوا) ہاں! کبھی کبھار خضر کا گذر اس منزل پر ہوتا ہے۔

(۳) شاید غیب سے کوئی جمال (صاحب جمال) جلوہ گر ہو۔ ہر شخص اس قافلہ کی راہ پہ نظریں جمائے ہوئے ہے۔

(۴) (میرا) معشوق حسین بھی ہے اور غیرت مند بھی ورنہ میں کہہ دیتا کہ مجنوں اس خاندان کی لیلیٰ سے تعلق رکھتا ہے۔ (شاعر اپنے کو مجنوں قرار دیتا ہے مگر معشوقہ کو لیلیٰ سے تشبیہ دیتے ہوئے اُس کی غیرت اور حسن کی وجہ سے کتراتا ہے)۔

(۵) وہ دیوانہ جس کے گلے میں بدکنے والا ہرن موجود ہے۔ (باوجود اس وسعت کے) تمام صحرا میں باطمینان ہُو (نعرہ لگانا) نہیں کر سکتا (نظیری اس عاشق کا حال بیان کر رہا ہے جس کا محبوب اپنی نزاکت خیال کے باعث اظہار تمنا کی تاب نہیں لا سکتا گویا اس کیلئے اظہار عشق آواز ہوہے)

(۶) (ہمارا) کم حوصلہ پرندہ سینکڑوں قسم کے رنجوں میں مبتلا ہے۔ کہ اُسے دریا چاہیئے۔ حالانکہ وہ اسکے ظرف میں نہیں سما سکتا۔ (عاشق کی خواہشیں بہت بلند ہیں جو اُسکے حوصلہ سے بڑھکر ہیں)۔

(۷) عشق کی بندگی سے مجھے ایک پل بھی فرصت نہیں ملتی۔ جس فرض کا شکرانہ ادا کرتا ہوں اس کے نفل باقی رہتے ہیں۔

(۸) میں بغیر شراب کے مست ہو جاتا ہوں۔ اور بغیر نغمہ کے ذوق کا اظہار کرتا ہوں۔ جو شخص اس مشغلہ کی خواہش رکھتا ہو (جس کے لئے) یہ شراب اور بانسری حاضر ہے (اصطلاحات تصوف کے مطابق ہیں گو بانسری بجنے کے بغیر حالت وجد میں ہوں سے ۵ ہیں گیت نہیں کے رنگ بھرے اور بھاؤ انہیں کے سلجھے ہیں جو بے گت سب بے سر تال ہوئے بن تال کھادج ناچے ہیں

(۹) چونکہ کہے اور ان کہے (اشعار کا قدر پانا) قسمت کے وزن کرنے پر موقوف ہے۔ اس لئے وہ اشعار جو نظیری نے ابھی نہیں کہے اُن کا صلہ بھی اُسے مل جائیگا۔ (قسمت نے یاوری کی تو جو معانی دلآویز الفاظ موزوں کے میسر نہ آنے سے دل کے دل ہی میں رہ گئے ان کا بھی صلہ مل جائیگا۔)

غزل نمبر ۵

بحر ہزج مثمن سالم ارکان:- مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن

تقطیع	کمالے عا	شقی حیرا	نیِ دیدا	رمے آرد
	مفاعیلن	مفاعیلن	مفاعیلن	مفاعیلن
	چو آتش د	رمے ماند	سمندر یا	رمے آرد

کمالِ عاشقی حیرانیٔ دیدار مے آرد ۱ چو آتش دیر مے ماند سمندر یار مے آرد

نہ رشکِ خود فروشاں میگشد نے نازِ کم سنجاں ۲ فریبِ حسن غوغا از سرِ بازار مے آرد

تو در خواہ از قضا چندانکہ فیروزی شود روزی ۳ بجنت ار در بلندی اختر از دیوار مے آرد

بہ ہندو خط جمالِ یار سودائے عجب دارد ۴ ہمہ اقرار و ایماں بُردہ و انکار مے آرد

مُسلماں عاشقِ رخسار و ہندو والۂ زلفش ۵ موحّد بیں کہ با ہم مصحف و زنار مے آرد

مبارک فالِ صبحِ دولتِ دیدارِ میخواراں ۶ کہ دست و پائے بختِ خفتہ را در کار مے آرد

ز خود بیناں چہ میگوئی ببزمِ بیخوداں بنشیں ۷ کہ آبِ خضر اگر حاجت شود خمار مے آرد

۸ نظیری از نوازشہائے دردِ دوست در ذوقم
کہ چوں چنگم بضربت بر سرِ اسرار مے آرد

(۱) جب عشق کمال کو پہنچ جاتا ہے تو پھر (عاشق پر) حیرت طاری ہو جایا کرتی ہے۔ (مَنْ عَرَفَ رَبَّهٗ فَقَدْ كَلَّ لِسَانُهٗ۔ جس نے معرفت خالق پالی اُس کی زبان گنگ ہو کر رہ گئی) جیسے جب آگ عرصے تک (جلتی) رہتی ہے تو اس میں سمندر پیدا ہو جاتا ہے (سمندر۔ سام بمعنی آگ اور اندر کلمۂ ظرف۔ وہ کیڑا جس کے متعلق خیال کیا جاتا ہے کہ جب عرصے تک کسی مقام پر آگ جلتی رہے تو اس میں پیدا ہو جاتا ہے)۔

(۲) مجھے نہ تو خود فروشوں (مغروروں) کا رشک مارتا ہے (تکلیف دیتا ہے) اور نہ کم عقل لوگوں کا ناز ہی بلکہ فریب حسن بازار سے شور و شر اکھٹا کر لاتا ہے۔

(۳) تو بے شک طلب کر کے دیکھ لے تیری کوشش سے نہ تو تجھے مقدر سے زیادہ مل سکتا ہے۔ اور نہ تیرے عدم طلب سے اُس میں کچھ کمی آسکتی ہے (جس قدر کامیابی تیری قسمت میں لکھی ہے۔ (اس کے لئے) اگر تو اپنی قسمت پر دروازہ بند کر دیگا تو تیرا ستارہ اُس (مقسوم) کو دیوار پر سے پھاند کر لے آئیگا۔

(۴) معشوق کا حُسن رخ اس کے ہندو خط میں محصور یہ عجب سودا کر رہا ہے۔ کہ اقرار و ایمان کو تو لے جاتا ہے۔ اور اس کی جگہ کفر و انکار کو لے آتا ہے۔ (شعر کا یہ ترجمہ اس صورت میں ہو گا کہ پہلا مصرعہ بہ ہندو خط جمال یار الخ ہو۔ اس صورت میں سودا کے معنی معاملہ اور لین دین کے ہونگے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ پہلا مصرعہ شہید خط و خال یار الخ ہو۔ اس صورت میں ترجمہ یہ ہو گا کہ خط و خال محبوب کا شہید کسی عجیب سودا (دیوانگی) میں مبتلا ہے کہ اقرار و ایمان کو چھوڑ کر کفر و انکار کو اختیار کئے جاتا ہے۔ اس صورت میں بھی سودا کے معنی معاملہ کے ہو سکتے ہیں۔ فتأمل)۔

(۵) مسلمان اسکے رخسار کا عاشق ہے اور ہندو اس کی زلف کا شیدا۔ ذرا اس موحد کو دیکھو جو مصحف اور زنار دونو کو اکھٹا کئے ہوئے

ہے۔ (رخسار کو مصحف (قرآن مجید) سے تشبیہہ دیا کرتے ہیں۔ زلف اور ہندو میں سیاہ رنگ مناسبت ہے۔ معشوق کی وحدت پرستی یہ ہے کہ اُس نے ہندو اور مسلم دونو کو (اپنے عشق میں) یکجہت کر دیا ہے۔ مصحف اور زنار سے مراد اہل مصحف اور اہل زنار) ÷

(۶) میخواروں کے دیدار کی صبح دولت کیسی مبارک فال ہے۔ (میخواروں کے دیدار کو صبح دولت قرار دیا ہے) کیونکہ وہ بختِ خفتہ کے ہاتھ پاؤں کو حرکت میں لے آتی ہے۔ (بختِ خفتہ اُن کے دیدار سے بیدار ہو جاتا ہے)

(۷) ان خود بین (مغرور) لوگوں کا کیا ذکر کرتا ہے۔ بیخود لوگوں کی محفل میں جا بیٹھ کیونکہ اگر آبِ حیات کی بھی ضرورت پڑیگی تو مے فروش لے آئیگا۔ (شرابِ معرفت جن لوگوں نے پی رکھی ہے۔ وہ زندہ جاوید ہیں۔ تجھے بھی یہ جاودانی زندگی وہیں ملے گی) ÷

(۸) اے نظیری! میں عشقِ محبوب کی مہربانیوں سے وجد میں آرہا ہوں۔ کیونکہ وہ (درد دوست) مجھے چنگ کی طرح ضرب سے اسرار (کے اظہار) پر آمادہ کر رہا ہے۔ (جس طرح ضرب سے چنگ سے نغمے نکلتے ہیں۔ اسی طرح ذوقِ محبت نے میرے منہ سے الہامی نغمے یعنی اشعار تازہ و بدیع نکلوا دیئے ہیں) ÷

غزل نمبر ۶

بحر ہزج مثمن اخرب مکفوف محذوف — ارکان: مفعول مفاعیل و مفاعیل فعولن

تقطیع				
	چو ابر	بہاری ب	سرم سای	فگن شد
	مفعول	مفاعیل	مفاعیل	فعولن
	بر ہر ب	ر بوم ک	نظر کرد	چمن شد

چوں ابرِ بہاری بسرم سایہ فگن شد ۱ بر ہر بر و بوم کہ نظر کرد چمن شد

چوں شمع کہ شد رہبرِ پروانہ زتابش ۲ دلسوزیِ او باعثِ جاں بازیِ من شد

میخواست شود قابلِ نظمم ببلاغت ۳ صد پایہ نشیب آمد و بر اوج سخن شد

بے جام ہمہ میکش و بے بادہ ہمہ مست ۴ از نظمِ من آئینِ مغاں رسمِ کہن شد

شک نیست کہ از نیم نظر کار بر آید ۵ آنرا کہ دلیل آصفِ اعجازِ سخن شد

ہمسایگیش را اثرِ ابرِ بہار ست ۶ ہم خانہ گلستان شد و ہم خار سمن شد

از یار و دیار ار نکنم یاد عجب نیست ۷ از رشکِ من امسال غریبی بوطن شد

بر خاکِ درش جائے شہیداں ندہد کس ۸ لطفیست کہ کافورِ تن و عطرِ کفن شد

۹ مہمانِ بہشتی مخور اندوہ نظیری
نزہتگہِ حورانِ چمن بیتِ حزن شد

(۱) جب وہ ابرِ بہار میرے سر پر سایہ انداز ہوا تو اُس نے میرے جس قطعۂ زمین پر بھی نظر ڈالی وُہی چمن (کی طرح سرسبز و شاداب) ہو گیا۔ (معشوق کی توجہ عشاق کی کامرانیوں اور کامیابیوں کی ضامن ہے) ÷

(۲) شمع کی مانند جو اپنی چمک (اور جلنے کے باعث پروانے کی (اپنی طرف) رہنمائی کرتی ہے۔ اُس (معشوق) کی دلسوزی میری جانسپاری کا سبب بن گئی۔ (جس طرح شمع جلتی ہے تو پروانہ آکر اُس پر قربان ہو جاتا ہے۔ محبوب کی دلسوزی دیکھکر میں اپنی جان کو اُس پر نثار کر دیتا ہوں) ÷

(۳) سخن (شاعری) کی خواہش تھی کہ وہ بلاغت میں میری نظم کے قابل ہو سکے اس لئے وہ (میری بلاغت) سو درجے نیچے اُتری اور پھر سخن اپنی بلندی کو پہنچا۔ (میری نظم اپنی بلندیوں سے سو درجہ نیچے اُتری۔ پھر بھی اس کی بلندی اتنی ہے کہ شاعری کا انتہائی

مقام وہی ہے) ؛

(۴) میری نظم کے سبب میفروشوں کا آئین ایک رسم کہن (متروک) ہو چکا ہے۔ کیونکہ (اس کے باعث) تمام لوگ بغیر جام کے میخوار اور بغیر شراب کے مست ہو رہے ہیں۔ (میرے اشعار میں شراب سے زیادہ مستی ہے) ؛

(۵) جس شخص کا رہنما معجزہ جیسے کلام والا آصف* ہو گیا۔ کوئی شک نہیں کہ اُس کا کام ایک نیم نظر (ممدوح کی ذرا سی توجہ) سے حل ہو جائیگا (آصف اعجاز سخن بظاہر اشارہ ہے عبدالرحیم خانخاناں کیطرف جو نظیری کا ممدوح خاص تھا اور اکبر کا وزیر ہونے کی حیثیت سے

(۶) اُس کی ہمسائگی میں ابرِ بہار کا اثر ہے۔ کہ (اُسکی ہمسائگی میں) گھر باغ بن گئے ہیں اور کانٹے چنبیلی ؛

(۷) اگر میں اپنے دوست احباب اور وطن کو یاد نہیں کرتا۔ تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔ کیونکہ اس سال میرے رشک کے باعث مسافرت وطن میں چلی گئی ہے۔ (ممدوح کی بدولت مسافرت میں وطن کی سی آسائشیں مجھے حاصل ہیں) ؛

(۸) اُس کے دروازے کی خاک پر کوئی شہیدوں کو بھی جگہ نہیں دیتا۔ کیونکہ (اُس خاک میں) ایک ایسی لطافت ہے جو جسم کے لئے کافور اور کفن کے لئے عطر (کا حکم رکھتی) ہے۔ (شہید کو غسل اور کفن نہیں دیا جاتا۔ کافور غسلِ میت میں جسم کو اور عطر کفن کو ملا کرتے ہیں۔ جب شہید کو ان چیزوں کی ضرورت نہیں تو اُسے وہاں جگہ کیوں ملے) ؛

(۹) اے نظیری تو مہمانِ بہشتی ہے غم نہ کھا۔ تیرا غم خانہ تو باغ کی حوروں کی تفریح گاہ بنا ہوا ہے ؛

* گویا سلیمانِ ہندوستان کا آصف۔ آصف حضرت سلیمان کے وزیر کا نام تھا۔

غزل نمبر ۲

بحر ہزج مثمن سالم — ارکان:- مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن

تقطیع

بگوشم از	پریدن ہا	چشما دا	زمے آید
مفاعیلن	مفاعیلن	مفاعیلن	مفاعیلن
کِ از غربت	دری زودی	عزیزے با	زمے آید

بگوشم از پریدن ہائے چشم آواز مے آید ۱ کہ از غربت دریں زودی عزیزے باز مے آید

مبارک پے ہوائے کز دیارِ دوستے خیزد ۲ کہ بے بال و پر آنجا مُرغ در پرواز مے آید

بغل بکشائے پُر کن از غنیمت ہائے ایمانی ۳ کہ از تاراجِ حُسنِ مملکت پرداز مے آید

بساطِ جادوئے برہم خورد جادو نگاہاں را ۴ کہ لب با حجت و رخسار با اعجاز مے آید

محالست اینکہ بر دامِ نگاہِ من گذر اُفتد ۵ غزالے را کہ از پے صد کمند انداز مے آید

سپہ را بوح در پروانہ و شہ را بخت در نازست ۶ کہ از بالا ہما در چنگِ آں شہباز مے آید

بترتیبِ صبُوحی صبحدم دیدم کہ دولت را ۷ کمر مے بست دوراں خانخاناں باز مے آید

سعادت ہائے گوناگونست دوراں را کہ حسنِ او ۸ بہ انجامِ فصلے بر سرِ آغاز مے آید

نباشد محرمِ آہنگِ دولت قدرِ ہر سمعے ۹ نوا نازک بروں زیں پردہائے راز مے آید

چو شد تسخیرِ دِل مشتاق را درماں شکیبائیست ۱۰ کہ دل میناز دو دلبر زروئے ناز مے آید

نظیری دوستاں را رازِ دل ناگفتہ مے ماند

" تحمل کن کہ او خود بر سرِ ایں راز مے آید

(۱) میرے کانوں میں آنکھوں کے پھڑکنے کی (خوشخبری کی علامت) آواز آرہی ہے۔ کیونکہ جلدی ہی ایک دوست سفر سے واپس آرہا ہے (غالباً عبدالرحیم خانخاناں کی سفر سے واپسی کی طرف اشارہ ہے)۔

(۲) مرا ایک قدم ہے۔ وہ ہوا جو کسی دوست کے شہر (کی طرف) سے اٹھ کر آئے۔ کیونکہ وہاں بے بال و پر پرندہ بھی اُڑنے لگتا ہے۔ (دوستے یائے مجہول کی جگہ اگر دوستی یلمئے معروف سے ہو تو معنی میں عمومیت اور خوبی پیدا ہو جاتی ہے۔ اُس صورت میں دیار دوستی کا ترجمہ عشق و محبت کا شہر کیا جائیگا)۔

(۳) بغل کھول اور ایمان کی غنیمتوں (کے مال) سے بھر لے۔ کیونکہ مملکت پرداز (مملکت کو سنوارنے اور آراستہ کرنے والا) حُسن لوٹ مار سے (واپس) آرہا ہے۔

(۴) بڑے بڑے جادو نگاہوں (معشوق جن کی نگاہوں میں جادو کا سا اثر ہے) کی جادوگری کی بساط اُلٹی جا رہی ہے۔ کیونکہ (اُس کا) لب (ایک زبردست) دلیل اور اُس کا رُخسار (ایک معجزے کے ساتھ (ساتھ) آرہا ہے۔ (معشوق یا ممدوح کے لب لعلیں ایک دلیل اور اُس کا رُخسار معجزہ ہے۔ اور ان ہر دو کے سامنے بڑے بڑے جادو نگاہ معشوقوں کے حسن و غمزہ کا جادو بیکار ہو کر رہ جاتا ہے۔ جادو معجزہ کا مقابلہ نہیں کر سکتا)۔

(۵) جس ہرن کے پیچھے سینکڑوں کمند انداز (شکاری) آرہے ہوں۔ (جس کے بے شمار چاہنے والے ہوں) ناممکن ہے کہ اس کا گذر میری نگاہ کے جال میں ہو۔ (اُس کا میری طرف ملتفت ہونا ممکن نہیں)۔

(۶) فوج کی سوج (وفور انبساط سے) پرواز کر رہی ہے اور بادشاہ کا بخت ناز کر رہا ہے۔ کیونکہ بلندی پرست ایک ہما اُس شاہباز کے پیچھے میں آرہا ہے۔

(۷) میں نے صبح ہی صبح دیکھا کہ زمانہ حکومت کو صبوحی کی (مجلس) ترتیب دینے کے لئے کمربستہ کر رہا تھا۔ کیونکہ خانخاناں واپس آرہا ہے۔ (اُس کی آمد کی خوشی میں صبوحی کا جشن ترتیب دیا جا رہا ہے)۔

(۸) زمانے کو طرح طرح کی خوش بختیاں میسر ہیں۔ کیونکہ اُس کا حُسن ہر موسم کے اختتام پر پھر پہلی سی حالت پر آجاتا ہے۔ (اُس کا حُسن زوال پذیر نہیں)۔

(۹) ہر کان کا مقدور نہیں ہے کہ وہ نوائے حکومت کا رازدان ہو۔ کیونکہ ان پردہائے راز سے نہایت نازک اثر نکلتے ہیں۔ (ان کو سننا اور سمجھنا ہر کس و ناکس کا کام نہیں۔ کہ ع رموزِ مملکتِ خویش خسرواں دانند)۔

(۱۰) جب (عشق میں) عاشق کا دل (کسی دلبر کے) قبضے میں چلا جائے۔ تو پھر (اُس کا) علاج صرف صبر ہے۔ کیونکہ دل بھی (اس تسخیرِ عشق پر) نازاں ہوتا ہے اور دلبر بھی ناز سے پیش آتا ہے۔ (جب دل آزارہائے عشق کو لذائذ سمجھ کر نازاں ہے۔ تو پھر تسخیرِ دل کا علاج سوائے صبر کے کچھ نہیں)۔

(۱۱) اے نظیری! دوستوں کے دل کا راز ناگفتہ رہا جاتا ہے۔ (لیکن اس پر گھبرا نہیں بلکہ) صبر اور تحمل سے کام لے۔ کہ وہ (محبوب) خود ہی اس راز کو افشا کیا چاہتا ہے۔ (رازِ عشق کو اگر عاشق ظاہر کرنے نہیں پایا تو وہ یہ نہ سمجھے کہ محبوب اُس کی عشق پرستی سے ناواقف ہے۔ بلکہ بفحوائے ع "عشق اول در دلِ معشوق پیدا مے شود" خود ہی اس راز کو ظاہر کرنے پر مجبور ہوگا)۔

غزل نمبر ۸

بحر مضارع مثمن مقبوض مخبون اخری رکن مقصور ارکان:- مفاعلن فعلاتن مفاعلن فعلان

تقطیع

بہوش سے	چمن کُن	کہ شاہدا	مستند
مفاعلن	فعلاتن	مفاعلن	فعلان
قرابہ بر	سرابرے	بہار بش	کنند

بہوشِ سیرِ چمن کن کہ شاہداں مستند ۱ قرابہ بر سرِ ابرِ بہار بشکنند

چمن پیالہ کش است و صبا قدح پیمائے ۲ معاشرانِ صبوحی ز خواب برجستند

بزیرِ خرقہ نہاں بادہ میخورد صوفی ۳ حکیم و عارف و زاہد ہمہ ازیں دستند

جہانِ عیشِ جہاں حرفِ قاف و سیمرغ است ۴ درِ حریمِ فنا زن کہ نیستاں ہستند

تو نخلِ خوش ثمرِ کیستی که باغ و چمن ۵ ہمہ ز خویش بریدند و در تو پیوستند

بضربتِ تو چناں تشنہ ام کہ صبرم نیست ۶ بقدرِ فرصتِ آں ماہیاں کہ در شستند

ز بیقراریِ افلاک داغہا دارم ۷ کہ تا ز شوقِ تو برخاستند ننشستند

نوا فزون ست ز اندازۂ بریشمِ عود ۸ غزل بزمزمہ خوانم کہ پردہا پستند

ن بکشاد برمز نکتہ ادا میکنم کہ غلوتیاں ۹ سرِ سبو نکشادند و در فرو بستند

تو نخلِ میوہ فشاں باش در حدیقۂ دہر ۱۰ کہ کم درختِ قوی خشک شد کہ نشکستند

۱۱ ز کاہلی تو نظیری تہی زانِ ایں چمنی
گہے بباغ شدی کز نشاط وارستند ؟

(۱) ہوش سے سیرِ چمن کر۔ کیونکہ حسینانِ چمن مست ہو رہے ہیں۔ اور انہوں نے شراب کی صراحی کو ابرِ بہار کے سر پر توڑ دیا ہے (یعنی ابرِ بہار کی موجودگی میں شراب کی ضرورت نہیں رہی کہ بہار خود سرور انگیز ہے) ؛

(۲) باغ شراب پی رہا ہے اور صبا پیالے (بھر بھر کر) ناپ رہی ہے۔ (بادِ بہار میں شراب کی سی مستی ہے کہ چمن اُس کے سبب مست ہو رہا ہے۔) اور صبح کے وقت مل کے شراب پینے والے دوست نیند سے اُٹھ بیٹھے ہیں ؛

(۳) صوفی بھی اپنی گدڑی میں چھپا کر شراب پی رہا ہے۔ حکیم۔ عارف اور زاہد سب اسی جنس سے (تعلق رکھتے) ہیں ؛

(۴) دنیا اور دنیا کا عیش کوہ قاف اور سیمرغ (کی مانند مفقود اور صرف نام کو موجود) ہے۔ فنا کی چار دیواری کا دروازہ کھٹکھٹا (فنا فی اللہ ہو جا) کیونکہ جو لوگ اپنے آپ کو مٹا ڈالتے ہیں (حقیقت میں زندہ وہی ہوتے ہیں) ؛

(۵) تو عمدہ پھل والا درخت کس کا ہے۔ کیونکہ باغ و چمن سب اپنے سے کٹ کر تجھ سے آملے ہیں۔ (سب بے اختیار تیری طرف کھنچے چلے آتے ہیں) ؛

(۶) میں تیری (عشق کی) ضرب کا اسقدر پیاسا (خواہشمند) ہوں۔ کہ مجھے اس قدر (یارائے) صبر بھی نہیں رہا جتنا اُن مچھلیوں کو جو کنڈی میں (پھنس چکی) ہوں۔ (بے صبر ہو رہا ہوں کہ تیرے عشق کی تکلیفیں برداشت کرنے کا بے حد تمنی ہوں) ؛

(۷) میں آسمانوں کی بے قراری کے باعث (اپنے دل پر رشک کے) بے شمار داغ رکھتا ہوں۔ کہ جب سے وہ تیرے شوقِ طلب میں کھڑے ہوئے ہیں۔ بیٹھے ہی نہیں (آسمان کی گردش اُسی کی جستجو میں ہے۔ مجھے رشک آتا ہے کہ مجھے یہ مرتبہ حاصل نہیں) ؛

(۸) نغمہ بربط کی تاروں کے اندازے سے بڑھ کر ہے۔ (بربط کی تاریں جوشِ نغمہ کو برداشت نہیں کر سکتیں) میں غزل کو گنگنا کر پڑھتا ہوں اس لئے کہ پردے پست ہیں۔ (نغمہ ہائے معرفت کو سننے کا اہل ہر شخص نہیں ہے۔ عود۔ بربط۔ ابریشم بربط کی تاریں جو ابریشم سے بنائی جاتی ہیں) ؛

(۹) میں بھی نکتہ اشارے اور کنائے سے بیان کرتا ہوں کیونکہ غلوتیوں (اہلِ معرفت) نے (شراب کے) مٹکے کا منہ کھولنے سے پہلے ہی دروازے کو بند کر لیا۔ (رازِ حقیقت کو انہوں نے افشا نہیں ہونے دیا۔ میں بھی اسے بالفاظ صریح نہیں بلکہ اشارہ و کنایے میں بیان کر رہا ہوں) ؛

(۱۰) تو باغِ دنیا میں میوہ فشاں درخت بن جا (مخلوقِ خدا کو فیض پہنچا) کیونکہ یہ بہت کم دیکھنے میں آتا ہے (کہ ایک مضبوط درخت سوکھ گیا ہو اور لوگوں نے اُسے کاٹ نہ ڈالا ہو۔ بے ثمر درخت کو کاٹ دیا جاتا ہے۔ بے فیض انسان بے ثمر درخت کے مشابہ ہے) ؛

(۱۱) اے نظیری! تو اپنے گوناگوں مضامین کی وجہ سے درحقیقت بہار سے مشابہ ہے مگر کاہلی کے سبب اس باغ کی

خزاں بنا ہُؤا ہے۔ کیا کبھی ایسا ہؤا ہے کہ تو باغ میں گیا ہو۔ اور (اہلِ چمن) مسرت سے فارغ ہو گئے ہوں۔ (یعنی ایسا کبھی نہیں ہؤا۔ کہ تو کسی انجمن میں گیا ہو اور اہلِ انجمن کی افسردگی کا ذریعہ بنا ہو)؛

غزل نمبر ۹

بحر ہزج مثمن اخرب مکفوف اضری رکن محذوف مسبغ ارکان: مفعول مفاعیل مفاعیل فعولان

	تقطیع			
ای جاں	بہر سنگ	سیہ نور	فروشند	
مفعول	مفاعیل	مفاعیل	فعولان	
اینجا ی	ہ بینش ن	بہر کور	فروشند	

اینجا نہ بہرِ سنگِ سیہ نور فروشند ۱ این پایۂ بینش نہ بہر کور فروشند

فریاد کہ ہر کس باسیری فتد او را ۲ شرط است کہ از خویش و وطن دور فروشند

غیرت نگذارد کہ بچشم و دلِ منکر ۳ یک ذرہ ز خاکسترِ منصور فروشند

زیبندہ بود دعویِ مستوریِ خوباں ۴ ہر چند کہ جولاں بسرِ طور فروشند

سردست چناں خانقہ و دیر کہ آتش ۵ در وادیِ دوری شبِ دیجور فروشند

آں دُرد کشانے کہ شناسائے عیارند ۶ فردوس بیک توشۂ انگور فروشند

اخراجِ مغل خواہم و تاراجِ قزلباش ۷ کز ہند بر تدم بہ نشاپور فروشند

در عشقِ تو با قدر و بہایم کہ عزیز است ۸ ویرانہ کہ در کشورِ معمور فروشند

قرباں شدگانِ تو بقصّابِ سر کوے ۹ یک سینہ بصد ضربتِ ساطور فروشند

۱۰ باریشِ دل و سینۂ ناسور نظیری
خوش باش کہ کم بندۂ رنجور فروشند

(۱) یہاں (عشق میں) ہر سیاہ پتھر کو نور نہیں بخش دیتے (ہر پتھر آئینہ نہیں بن سکتا یا ہر پتھر اُس کے جلوۂ نور کے پرتو کی قابلیت نہیں رکھتا) ہر اندھے کو عقل و بینش کا یہ مرتبہ نہیں دیا جاتا؛

(۲) فریاد ہے کہ جو شخص بھی اُس (عشق) کی قید میں پھنس جاتا ہے۔ اُس کے لئے ضروری ہے کہ (اُسے) عزیز و اقارب اور وطن سے دُور جا بیچتے ہیں۔ (عشق میں برادری۔ وطنیت اور دوسرے تمام تعلقات کو ترک کرنا پڑتا ہے)؛

(۳) غیرت (عشق کی) اجازت نہیں دیتی کہ منکرِ (عشقِ حقیقی کی لذت سے نا آشنا) کے چشم و دل کو منصور کی خاکستر کا ایک ذرہ بھی دیں؛

(۴) ہر چند کہ وہ اپنے جلووں کو طور پر ظاہر کرتے پھریں۔ پھر بھی معشوقوں کو پردہ نشینی کا دعوے زیب دیتا ہے؛

(۵) خانقاہ اور آتشکدہ ایسے سرد ہو چکے ہیں۔ کہ (اب) آگ اندھیری رات میں دُور دراز کی وادی میں ہی جلاتے ہیں۔ (عشقِ حقیقی کی لذت سے خانقاہ نشین اور پرستارانِ آتش سب محروم ہیں۔ اس فیض سے صرف وہی مستفیض ہیں جو آبادیوں سے دور اندھیری راتوں میں اُس معشوقِ حقیقی سے لَو لگائے بیٹھے ہیں۔ "وادیِ دور" اور "شبِ دیجور" میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وادیِ ایمن کے قصہ کی طرف تلمیح ہو سکتی ہے)؛

(۶) وہ تلچھٹ پینے والے جو خاص (شراب) کو پہچاننے والے ہیں وہ فردوس کو انگور کے ایک خوشے کے عوض دیدیتے ہیں۔ (عشق حقیقی کی شراب سے سرشار لوگ معشوق حقیقی کے طلبگار ہیں۔ اور بہشت کی ذرہ بھر بھی پرواہ نہیں کرتے)۔

(۷) میں مغلوں کا اخراج چاہتا ہوں اور قزلباشوں کی تباہی و بربادی۔ تاکہ مجھے ہندوستان سے لیجاکر نیشاپور (وطن) میں پہنچادیں (وطن میں بے قراری کا اظہار کیا ہے)۔

(۸) تیرے عشق میں باقدر و قیمت ہوں (تیرے عشق کی وجہ سے معزز ہوں) کیونکہ وہ ویرانہ جو آباد علاقہ میں ہوتا ہے۔ قیمتی ہوتا ہے (میں عشق میں منفرد ہوں اور سب کچھ ترک کرچکا ہوں)۔

(۹) وہ جو تجھ پر قربان ہو چلے ہیں کوچے کے قصاب کے سامنے اپنے ایک سینہ کو چھری کی سو ضرب کے لئے پیش کر دیتے ہیں (عاشقانِ صادق عشق میں ہر قسم کے رنج و ایذا کو نہایت کشادہ پیشانی سے قبول کرتے بلکہ لبیک کہتے ہیں)۔

(۱۰) اے نظیری تو دل کے زخم اور سینے کے ناسور سے خوش رہ۔ کیونکہ بیمار غلام کو نہیں بیچا کرتے۔ (تو عشق کا بیمار ہے اس لئے تجھے نہیں بیچیں گے)۔

غزل نمبر ۱

بحر مضارع مثمن اخرب — ارکان: مفعول فاعلاتن مفعول فاعلاتن

تقطیع

ما بید	بوستانی	م ارات	مر نباشد
مفعول	فاعلاتن	مفعول	فاعلاتن
مردود	دوستانے	م ز ماہ	ہنر نباشد

ما بیدِ بوستانیم مارا ثمر نباشد ۱ مردودِ دوستانیم از ما ہنر نباشد

از لب بروں نیاید آوازِ عشقبازاں ۲ پرواز مرغِ بسمل جز زیرِ پر نباشد

تاراج دیدگان ند آوارگانِ معشوق ۳ راہے نمیرود عشق کانجا خطر نباشد

ن جلوہ صد در اگر کشایند بر خلق گاہِ دیدار ۴ آنرا کہ چشم بستند راہش بدر نباشد

اوّل نشانِ مردی اخفائے کارِ خویست ۵ بہتر ازیں کہ گفتی دیگر ہنر نباشد

فیروزیٔ ضعیفاں در عجز و انکسارست ۶ تا نشکند صفِ ما مارا ظفر نباشد

تا دل بجائے خویشست دارد عنانِ دیدہ ۷ عاشق کہ شد پریشاں صاحب نظر نباشد

از تیغ کے ہراسم دیدار مُزدِ قتلست ۸ خونے کہ عشق ریزد ہرگز ہدر نباشد

در گوشۂ قناعت سبزِ گلست و نسریں ۹ زیں خوبتر نظر را ہرگز سفر نباشد

ہر جا رود مسافر حرفِ تو ارمغانست ۱۰ یک خانہ نیست کز تو پُر از شکر نباشد

قاصد کہ میفرستی رطلِ گرانش دردہ ۱۱ کز ما خبر نیابد تا بے خبر نباشد

۱۲ - از شاخِ لہو برگے حاصل نشد نظیری
لب تشنہ باد کشتے کز گریہ تر نباشد

(۱) ہم (ایسے ہیں جیسے) باغ میں بید ہیں کہ ہمیں کہیں پھل نہیں لگتا۔ ہم دوستوں (کی بارگاہ) کے مردود ہیں۔ ہم سے بدتر کوئی نہیں (بید کو پھل نہیں لگتا۔ ہم سے کسی کو ہماری فلاکت کے سبب فائدہ نہیں پہنچتا۔ اس لئے سب ہم سے کنارہ کش ہو چکے ہیں) ❊

(۲) عاشقوں کی آواز (فریاد) لبوں سے باہر نہیں نکلا کرتی (جیسے) نیم جان پرندہ کی پرواز پروں کے نیچے ہی رہتی ہے۔ (عاشق نیم جان ہوتا ہے۔ اور اونچی آواز سے فریاد کبھی نہیں کرتا۔ جیسے مرغ بسمل پر پھڑپھڑا کر رہ جاتا ہے اور اڑ نہیں سکتا) ❊

(۳) وہ لوگ جو معشوق کے عشق میں آوارہ ہیں وہ برباد ہو چکے ہیں۔ کیونکہ عشق کبھی وہ راہ نہیں چلتا۔ جس میں خطرہ نہ ہو (عشق کی راہ نہایت خطرناک ہے۔ کہ یہاں نام و ننگ عزت و جاہ اور مال و دولت سب کچھ قربان کر دینا پڑتا ہے) ❊

(۴) اگر مخلوق پر دیدار (معشوق) کے وقت سو دروازے بھی کھول دیں تو جس شخص کی آنکھ کارکنانِ قضا و قدر نے) بند کر رکھی ہے اُس کو (اُس جمال کے دیکھنے کا) راستہ نہیں ملے گا۔ (اُس کے جمال کا نظارہ صرف آنکھ والے ہی کر سکتے ہیں) ❊

(۵) بہادری کی سب سے بڑی علامت (اپنے) اچھے کام کو پوشیدہ رکھنا ہے یہ بات جو تم نے کہی (اخلاق کا خوب) اس سے بہتر کوئی ہنر نہیں ❊

(۶) کمزوروں کی کامیابی عاجزی اور انکسار میں ہے۔ جب تک ہماری صف ٹوٹ نہیں جاتی۔ ہمیں فتحمندی (نصیب) نہیں ہو سکتی (عشق میں کامیاب ہی ہے جو عجز و انکسار اختیار کرلے) ❊

(۷) جب تک دل اپنی جگہ قائم رہتا ہے وہ آنکھوں کو قابو میں رکھتا ہے۔ (کیونکہ) جو عاشق پریشان ہو جاتا ہے وہ صاحب نظر نہیں ہو سکتا ❊

(۸) میں تلوار سے نہیں ڈرتا۔ کیونکہ قتل کی مزدوری (بدلہ) معشوق کا دیدار ہے۔ اس لئے عشق جو خون کرتا ہے وہ رائگاں نہیں جاتا۔ (معشوق کا دیدار قتل عاشق کا کافی صلہ ہے۔ ہدر۔ وہ خون جس کا بدلہ یا معاوضہ نہ ہو۔ عاشق کا خون ضائع نہیں گیا۔ کیونکہ اُسے معشوق کا دیدار حاصل ہو گیا ہے) ❊

(۹) تیرے گوشۂ نقاب میں گلاب اور نسترن کی سیر (کا لطف) ہے۔ (رُخِ معشوق گل و نسترن سے بڑھ کر ہے) نظر کے لئے اس سے بہتر کوئی سفر نہیں ہو سکتا ❊

(۱۰) (یہ) مسافر جہاں کہیں جاتا ہے۔ تیری باتوں کو (بطور) تحفہ لے جاتا ہے۔ (ہر جگہ تیرے عشق کی داستان بیان کرتا پھرتا ہوں) کوئی بھی گھر ایسا نہیں جو تیری بدولت شکر سے نہ بھر رہا ہو۔ دوسرا ترجمہ یوں بھی ہو سکتا ہے۔ کہ جہاں کوئی مسافر جاتا ہے وہیں تیرا ذکر بطور ارمغان موجود ہوتا ہے۔ ہر مقام تیری شیریں یاد سے پُر شکر ہو رہا ہے ❊

(۱۱) اگر تو (ہماری خبر لینے کو) کسی قاصد کو بھیج رہا ہے۔ (تو بے شک بھیج دے مگر) اُسے ایک وزنی پیالۂ شراب پلا دے۔ کیونکہ (ہم حالت بیخودی میں ہیں) جب تک وہ بیخود نہ ہوگا ہماری خبر نہ پا سکے گا ❊

(۱۲) اے نظیری لہو و بازی کی شاخ سے تو ایک پتہ بھی حاصل نہ ہوا (کچھ بھی نہ ملا) خدا کرے۔ وہ کھیتی پیاسی رہے۔ جو گریہ (کے پانی) سے سیراب نہ ہوئی ہو۔ (عشق اور گریۂ عشق ہی حاصل عمر ہیں۔ باقی تمام مصروفیتیں بے نتیجہ اور دور از کار ہیں) ❊

غزل نمبر ۱

بحر ہزج مثمن سالم — ارکان:۔ مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن

تقطیع

ز گرد شہا	ئے چشمِ مس	تی پیما	نہ مے خیزد
مفاعیلن	مفاعیلن	مفاعیلن	مفاعیلن
گرہ کز تاب	روا مے خے	زد دش مس تا	نہ مے خیزد

۱ ز گردشہائے چشمِ مستیٔ پیمانہ مے خیزد — گرہ کز ابرواں میخیزد ش مستانہ مے خیزد

۲ چو در روزِ قیامت ہر کسے خیزد بسودائے — شہیدِ نرگس او از لحد دیوانہ مے خیزد

۳ مہیائے فنایم جلوۂ درکار مے خواہم — مہم بر بام تا بد آتشم از خانہ مے خیزد

۴ چراغِ اہلِ عشق از کلبۂ من میشود روشن — نشیند ذرّہ گر بر روزنم پروانہ مے خیزد

۵ زبس محوِ تصور کردنِ یارم نمیدانم — کہ در کاشانہ مے آید کہ از کاشانہ مے خیزد

لب تبسّم

سبق از یک ورق لیلیٰ و مجنوں را چہ حالست ایں ۶ یکے دیوانہ میگردد یکے فرزانہ مے خیزد

زشرحِ قصۂ ما رفتہ خواب از چشم خاصاں را ۷ شب آخر گشتہ و افسانہ از افسانہ مے خیزد

برِ دنیا و دیں خواہی سرشکے بر جراحت ریز ۸ کزیں آب و زمیں صد خرمن از یک دانہ مے خیزد

۹ نگر گاہے نظیری میکند آرامگاہ اینجا

جنوں از سایۂ دیوارِ ایں ویرانہ مے خیزد

(۱) اُس کی آنکھوں کی گردش سے (شراب کے) پیالہ کی (سی) مستی پیدا ہوتی ہے۔ وہ گرہ (بل) جو اُس کے ابروؤں سے پیدا ہوتی ہے مستوں کی طرح اُٹھتی ہے۔ (اُس کی آنکھ میں شراب کی سی مستی اور گرہ ابرو میں مستانہ پن موجود ہے)؛

(۲) جب قیامت کے دن ہر شخص اپنے (کسی خاص) خیال میں (منہمک) اُٹھے گا۔ تو اُس (معشوق) کی نرگس (جیسی آنکھ) کا شہید قبر سے دیوانہ (ہوکر) اُٹھے گا۔ (قبر سے اُٹھے گا تو وہ جس نرگسِ معشوق کا شہید ہوکر دفن کیا گیا تھا۔ اُسی خیال کو لے کر اُٹھے گا)؛

(۳) میں فنا ہونے کو بالکل مستعد ہوں۔ صرف ایک جلوے کی ضرورت ہے (کیونکہ) چاند میری چھت پر چمک رہا ہے۔ اور آگ میرے گھر سے اُٹھ رہی ہے۔ (عشق نے گھر میں آگ لگا دی ہے۔ ایک جلوۂ معشوق کا منتظر ہوں کہ دیکھوں اور دیکھتے ہی نقدِ جان حوالہ کر دوں)؛

(۴) اہلِ عشق کا چراغ میری ہی جھونپڑی سے روشن ہوتا ہے۔ (عشق میں لوگ مجھ سے اکتسابِ فیض کرتے ہیں) اگر کوئی ذرہ بھی میرے روزنِ دیوار پر بیٹھ جاتا ہے تو وہ پروانہ بن کر اُٹھتا ہے (لذت نا آشنایانِ عشق میرے فیضِ صحبت سے عاشقانِ کامل و صادق بن جاتے ہیں)؛

(۵) میں چونکہ اپنے دوست کے تصور میں محو ہوں۔ اس لئے میں نہیں جانتا کہ کون گھر میں آتا ہے۔ اور کون گھر سے اُٹھ (کر چلا) جاتا ہے؛

(۶) لیلیٰ و مجنوں کا سبق تو ایک ہی ورق (عشق) سے ہے۔ پھر یہ کیا بات ہے کہ ایک دیوانہ ہو جاتا ہے اور دوسرا ہوشیار اور سمجھدار بن جاتا ہے؛

(۷) ہمارے قصے کی تفصیل سے خاصوں (خاصانِ سرا پردۂ محبوب یا دوستانِ خاص) کی آنکھ سے نیند اُڑ گئی ہے۔ (حالت یہ ہے کہ) رات ختم ہونے کو آئی ہے اور بات میں سے بات پیدا ہوتی چلی جاتی ہے؛

(۸) اگر دین و دنیا کا پھل حاصل کیا چاہتا ہے تو اپنے (عشق کے) زخموں پر آنسو ٹپکا۔ کیونکہ اس پانی (آنسو) اور زمین (جراحت) سے تو ایک دانہ سے سینکڑوں خرمن پیدا ہو سکتے ہیں۔ (جراحت و اشکِ عشق دینی و دنیوی مقصد برآری کے کفیل ہیں)

(۹) شاید کبھی نظیری اس جگہ کو اپنی آرام گاہ بناتا ہے۔ (یہی وجہ ہے) کہ اس ویرانے کی دیواروں کے سائے سے دیوانگی پیدا ہو رہی ہے۔ (نظیری کا جنون انتہا کو پہنچ چکا ہے۔ اور اُس کا اثر یہ ہے کہ جہاں سے وہ گذرتا ہے یا جہاں وہ کچھ دیر آرام کرتا ہے وہاں آثارِ جنون نمایاں نظر آتے ہیں)؛

غزل نمبر ۱۲

بحر رمل مثمن مخبون اخری رکن مخبون مسکن مقصور ارکان:- فاعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلان

تقطیع

دوش برسو	زورِ بی	نَ براتم	داد ند
فاعلاتن	فعلاتن	فعلاتن	فعلان
سرِ چو شمع	ببریدن	دُ حیاتم	دادند

دوش بر سوزِ دل و سینہ براتم دادند ۱ سرِ چو شمع ببریدند و حیاتم دادند

نالہ کردم بنہاں عشوہ خموشم کردند ۲ گریہ کردم ز شکر خندہ نباتم دادند

دُرد و صافِ غم و شادی بمن ارزانی شد ۳ تا خُم و خمکدۂ عشق براتم دادند

پارہ پارہ جگرِ طور زغیرت خوں شد ۴ کہ کہے بودم و چوں کوہ ثباتم دادند

گرسنہ دیدہ تر از مفلسِ کنعاں بودم ۵ خواجہ گشتم کہ ازاں حسن زکاتم دادند

تا بمقصد سپرم کشتیِ مشتاقاں را ۶ از خضر ہمت و از نوح نجاتم دادند

۷ اخترم شعشعہ بر چرخ نظیری زدہ ست
کس چہ داند کہ چہ عالی درجاتم دادند

(۱) کل (روزِ ازل میں) مجھے (کارکنانِ قضا و قدر) نے دل اور سینہ کی سوزش کا حصہ دیدیا۔ (میری قسمت میں ازل ہی سے عشق کا آزار لکھدیا گیا) میرے سر کو شمع کی طرح کاٹ ڈالا۔ اور مجھے زندگی بخش دی (جس طرح شمع کا گل کاٹ دینے سے وہ زیادہ روشن ہو جاتی ہے۔ اسی طرح عشق میں جل جل کر میں حیاتِ تازہ پاتا ہوں)۔

(۲) میں نے نالہ (کرنا شروع) کیا۔ تو انہوں نے ایک نازِ پوشیدہ سے مجھے خاموش کر دیا۔ میں رونے لگا۔ تو انہوں نے شکر خند سے مجھے مصری دیدی۔ (اُس کے عشوہ کو دیکھکر میں نے نالہ اور اُس کے شکر خند کو دیکھ کر گریہ موقوف کر دیا)۔

(۳) (دوسرا مصرعہ پہلے) جب سے (قضا و قدر نے) عشق (کی شراب) کا خم اور خمکدہ میری قسمت میں کر دیا ہے۔ اُسی وقت سے رنج و مسرت کی تلچھٹ اور شرابِ صاف مجھے بخش دی گئی ہیں۔ (دُرد و صافِ غم و شادی میں لف و نشر مرتب ہے۔ غم کو دُرد اور شادی کو صاف سے تعبیر کیا ہے)۔

(۴) طور کا جگر ٹکڑے ٹکڑے ہو کر غیرت کے مارے خون ہو گیا۔ کہ میں (انسان) ایک تنکا (سا حقیر) تھا اور مجھے پہاڑ جیسا ثباتِ استقلال بخشدیا گیا (طور اُس کے جلوۂ سرمدی کی تاب نہ لا سکا۔ اور انسانِ ضعیف البنیان کا قلب اُس کے انوار و تجلیات کا جلوہ گاہ بنا ہوا ہے)۔

(۵) میں کبھی مفلسِ کنعان (حضرت یعقوبؑ) سے بھی زیادہ دیدار کا بھوکا تھا۔ (مگر اب) میں مالدار ہو چکا ہوں۔ کیونکہ مجھے اُس حسن کی زکوٰۃ مل گئی ہے۔ (اُس کے حسن نے مجھے تمام ضروریات سے مستغنی کر دیا ہے)۔

(۶) (دوسرا مصرعہ پہلے) مجھے (قدرت نے) خضر کی سی ہمت اور نوح کی سی نجات دیدی ہے۔ تاکہ میں مشتاقوں کی کشتی کو مقصد تک پہنچا دوں۔ (عشق کے طوفان میں خامکارانِ عشق کو منزلِ مقصود پہنچانا آسان نہیں۔ مجھے قدرت نے حضرت خضر کی سی ہمت رہنمائی اور حضرت نوح کی طرح اس طوفان سے خود بچ نکلنے اور دوسروں کو بچا لے جانے کا یقین واثق بخش رکھا ہے)۔

(۷) اے نظیری! میرے ستارے نے آسمان پر شعاعیں پھیلا رکھی ہیں۔ کسی کو کیا معلوم کہ مجھے قدرت نے کیسے کیسے اونچے مرتبے دیئے ہیں۔

غزل نمبر ۱۳

بحر ہزج مثمن اخرب مکفوف محذوف — ارکان: مفعول مفاعیل مفاعیل فعولن

تقطیع	گلزار	بشہر آم	د بازار	چمن شد
	مفعول	مفاعیل	مفاعیل	فعولن
	گوشے ہ	مہ کس محوِ	غزل خوا	نیِ من شد

گلزار بشہر آمد و بازار چمن شد ۱ گوشِ ہمہ کس محوِ غزل خوانیِ من شد

تا جیب کشادم کہ ازاں نامہ بر آرم ۲ دیدم کہ صبا فاتحۂ صد بیتہ ختم شد

هر دخل که میخواست کند دشمنِ حاسد ۳ آمد بزبانش ز دل و مُهرِ دهن شد

از ظلمتِ شب مرغ خروشاں نشد امشب ۴ هر چند که در بندِ پر و بال زدن شد

پُر زور تر از بادۂ تلخ ست محبّت ۵ عشقے که برو سال گذر کرد کهن شد

الفت دهِ هجران و وصال است صبوری ۶ مخموریِ من توبه ده و توبه شکن شد

تا مے شنوم حُسن و وفا هر دو غریب اند ۷ عاشق نشنیدم که ز غربت بوطن شد

تا همسفرِ اشکِ خودم کار خراب ست ۸ هر جا که شدم درپئے ویرانیِ من شد

۹ هر زخم که برداشت ز ایّام نظیری
نے چاکِ گریبان شد و نے چاکِ کفن شد

(۱) باغ شہر میں آگیا اور بازار چمن بن گیا۔ (کیونکہ) ہر شخص کے کان میری غزلخوانی میں محو ہیں۔ (شہر میں میری غزلخوانی کے باعث بلبل کے نغموں اور چمن کی سی کیفیت پیدا ہو رہی ہے) ؛

(۲) جب میں نے جیب کھولی کہ اس میں سے خط نکالوں تو میں نے دیکھا کہ صبا سینکڑوں غمخانوں کی قاصد بن گئی ہے۔ (میرا نامہ اس قدر پُر از قصۂ غم تھا کہ ہوا جو اس سے ٹکرائی۔ جہاں جہاں پہنچی غم کا اثر ساتھ لیتی گئی) ؛

(۳) میرا حاسد دشمن (میرے کلام پر) جو اعتراض بھی کرنا چاہتا تھا۔ وہ اُس کے دل سے زبان پر تو آیا۔ لیکن اُس کے منہ پر مہر بن کر رہ گیا۔ (اوّل تو اعتراض ہی پوچ تھا۔ پھر ہیبت اور عدم استطاعت و قدرتِ بیان کی وجہ سے دشمن اسے ظاہر بھی نہ کر سکا) ؛

(۴) آج رات کی تاریکی کی وجہ سے مُرغ نے بانگ نہیں دی۔ (رات بہت اندھیری تھی اس لئے مرغ نے بانگ نہ دی) ہر چند کہ اُس نے پر پھڑپھڑائے۔ (در بندِ چیزے یا کارے شدن۔ کسی کام کے لئے آمادہ و مستعد ہونا) ؛

(۵) محبت (عشق) شرابِ تلخ سے بھی زیادہ تیز اور زبردست ہے۔ کیونکہ جس عشق پر ایک سال گذر جاتا ہے۔ وہ پُرانا ہو جاتا ہے۔ (شرابِ کہن تیز ہوتی ہے۔ عشق جس پر ایک سال گذر چکا ہو۔ شاعر اُسے پُرانی شراب سے بھی زیادہ تیز قرار دیتا ہے) ؛

(۶) صبر وصال اور ہجر دونوں کو باہم ملا دینے والا ہے۔ (ہر دو میں صبر کی ضرورت ہے) اسی طرح میری مخموری توبہ کرانے والی اور توبہ تڑوانے والی بن گئی ہے۔ (خمار کی تکلیف توبہ آموز بھی ہے اور پھر اس لئے کہ خمار کا علاج شراب ہے توبہ شکن بھی ہے) ؛

(۷) جب سے مجھے سُننے کا موقعہ ملا ہے (میں تو یہی سُنتا آیا ہوں) کہ حُسن اور وفا دونوں مسافر (بے ثبات) ہیں۔ اس لئے میں نے نہیں سُنا کہ کوئی عاشق سفر سے وطن میں آیا ہو ("وفا" سے یہاں میرے خیال میں حسن کی طرف سے وفا مراد ہے نہ کہ عاشق کی طرف سے) ؛

(۸) جب سے میں اپنے آنسوؤں کا ہمسفر ہوں (عشق میں آنسو بہانا اختیار کیا ہے) میرا کام بگڑ گیا ہے۔ کیونکہ میں جہاں کہیں بھی گیا۔ وہ میری بربادی کے درپے رہا۔ (آنسو افشائے رازِ عشق کا سبب بن کر میری بربادی کا ذریعہ بنتے رہے) ؛

(۹) نظیری نے زمانے کی طرف سے جو زخم بھی برداشت کیا۔ وہ نہ تو چاک گریبان ہی بنا اور نہ چاک کفن ہی ؛

غزل نمبر ۱۴

بحر ہزج مثمن اخرب مکفوف محذوف — ارکان: مفعول مفاعیل مفاعیل فعولن

تقطیع

آخر ب	منا مغ ب	چہ ہم کیش	بر آمد
مفعول	مفاعیل	مفاعیل	فعولن
وا کاف	ر بیگان	بمن خویش	بر آمد

آخر بمن آں مغبچہ ہم کیش بر آمد ۱ واں کافرِ بیگانہ بمن خویش بر آمد

نیشِ سیہم گرچہ نمود از صفِ مژگاں ۲ نوشیں نگہے از عقبِ نیشش بر آمد

چشمش ز کماں خانۂ ابرو بمن انداخت ۳ ہر تیر کہ چالاک تر از کیشش بر آمد

اقبالِ دو گیتی بکلاہِ نمدی بود ۴ دیہیم شہ از خانۂ درویش بر آمد

کامے کہ بشمشیر و سناں دیر بر آید ۵ از دیدۂ خونین و دلِ ریش بر آمد

بر خلق نگردید گراں ہر کہ دریں بزم ۶ پس از ہمہ رفت و ز ہمہ پیش بر آمد

دیدیم ز سر تا قدمش حسن و شمائل ۷ لیک از ہمہ خوبیش وفا بیش بر آمد

دادیم بجاں منصبِ ہمرازیِ جاناں ۸ دل نیز دو رُوئے و غرض اندیش بر آمد

۹ ساماں نشد از سعیِ خرد کارِ نظیری

دیوانہ شد و از خود و از خویش بر آمد

(۱) وہ مغبچہ آخر میرا ہم مذہب نکلا۔ اور وہ بیگانہ وحشی کافر میرا اپنا (عزیز) ہی نکلا۔

(۲) اگرچہ اس نے مجھے پلکوں کی قطار کے کالے کالے ڈنک دکھلائے۔ لیکن اس ڈنک کے پیچھے سے نوش بھری نگاہ بھی نکل آئی (یعنی جہاں عشق میں تکلیفیں ہیں وہاں لطف اور راحتیں بھی ہیں)۔

(۳) (دوسرا مصرعہ مقدم) ہر وہ تیر جو اس کے ترکش میں سے سب سے تیز نکلا۔ اس کی آنکھ نے ابرو کے کمان خانے سے مجھ ہی پر پھینکا۔ (معشوق سب سے زیادہ نگاہوں کے تیز تیر مجھی پر برساتا ہے)۔

(۴) دونوں جہان کا اقبال اس نمدی (نمدے کی) ٹوپی میں تھا (یہ عجیب بات ہے کہ) بادشاہی تاج درویش کے گھر سے نکل آیا۔ (حقیقی اقبالمندی فقر و درویشی ہی میں ہے)۔

(۵) جو کام تلوار اور نیزے سے مشکل سے نکل سکتا ہے۔ وہ خونیں آنکھ اور زخمی دل کی بدولت (بہ آسانی) پورا ہو گیا۔ (عشق میں گریہ و زاری اور عجز و انکساری سے کام چلتا ہے۔ نہ زور آوری اور زبردستی سے)۔

(۶) جو شخص اس مجلس (دنیا) میں سب سے بعد گیا اور سب سے پہلے نکل گیا۔ وہ لوگوں کو گراں نہیں گذرتا۔ (کم عمر اشخاص سے لوگ بیزار نہیں ہوا کرتے)۔

(۷) ہم نے سر سے پاؤں تک اس کے حسن و شمائل کو دیکھا۔ لیکن اس کی وفا تمام خوبیوں سے بڑھ کر نکلی۔ (حسن و خوبی کے علاوہ معشوق میں وفا کی صفت بھی موجود ہے۔ شمائل = خصائل و عادات نیز شکل و صورت اور وضع قطع)۔

(۸) ہم نے معشوق کی ہمرازی کا منصب جان کو دیا [illegible] کیونکہ دل بھی منافق اور خود غرض نکلا۔ [illegible] دل بھی رازِ عشق چھپا نہ سکا)۔

(۹) نظیری کی خردکار (عقلمندانہ) کوشش سے کچھ بھی حاصل نہ ہوا (عقل سے عشق میں کام نہیں چلتا) اس لئے وہ دیوانہ ہوگیا اور خودی وخود پرستی کو چھوڑ دیا ؛

غزل نمبر ۱۵

بحر ہزج مثمن اخرب مکفوف آخری رکن محذوف مسبغ ارکان: مفعول مفاعیل مفاعیل فعولان

تقطیع { یغما ئے | تُ دستے ب | کم و بیش | برآورد
مفعول | مفاعیل | مفاعیل | فعولان
تاراج | تُ دلق ز ب | ر درویش | براورد }

یغمائے تو دستے بکم و بیش برآورد ۱ تاراجِ تو دلق از برِ درویش برآورد
عشقِ تو شک انداخت بہفتاد و دو ملت ۲ حقیتِ آئینِ تو از کیش برآورد
حُسنِ تو بقیدِ دو جہاں سلسلہ افراشت ۳ آوازۂ آزادگیِ خویش برآورد
از پیلکِ مژگانِ تو شد کشتہ جہانے ۴ با آنکہ ندیدیم کے از کیش برآورد
چوں از تو رہد صید کہ کعبینِ غزالت ۵ چوں پنجۂ شیراں بغضب نیش برآورد
خط نیست کہ بر عکسِ رُخت سایہ فگندست ۶ از صیقلِ تیغ آئینہ ام ریش برآورد
در مصلحتِ کس نزنم چنگ کہ عشقم ۷ از کشمکشِ عقلِ کج اندیش برآورد

۸ عشق از خردم خوب رہانید نظیری
خون گرمیِ بیگانہ ام از خویش برآورد

(۱) تیری لوٹ نے کم اور زیادہ سب پر ہاتھ ڈالا (یعنی امیر اور فقیر کسی کو نہیں چھوڑا) اور تیری غارتگری نے درویش کے جسم پر سے گدڑی تک اُتار لی ؛
(۲) تیرے عشق نے بہتر فرقوں میں شک ڈال دیا۔ (کہ ان میں سے کوئی بھی راستی پر نہیں ہے) اور اپنے طریق کی سچائی کو مذہب سے ثابت کر دیا۔ (کہ حدیث شریف میں آیا ہے۔ تمام فرقوں میں سے صرف ایک ناجی ہوگا۔ شاعر کہتا ہے کہ وہ طریق عشق ہی ہے جو راہ نجات ہے) ؛
(۳) تیرے حسن نے دونوں جہان کو اپنی قید میں لانے کے لئے سلسلہ پھیلا دیا۔ (دونوں جہان تیرے حسن کی قید میں ہیں) اور اپنی آزادی کی شہرت کو عام کر دیا۔ (حسن خود آزاد ہے) ؛
(۴) تیری مژگان کے تیروں سے ایک جہان قتل ہو چکا ہے۔ حالانکہ ہم نے دیکھا ہی نہیں کہ وہ (تیر مژگاں) کب ترکش سے نکلا (نگاہ دل کے تیر سے ایک دنیا گھائل ہو رہی ہے۔ حالانکہ اس تیر کو کبھی کسی نے کسی کو زخمی کرتے دیکھا نہیں) ؛
(۵) (کعب۔ ٹخنہ۔ کعبین۔ دو ٹخنے) شکار تجھ سے چھوٹ کر کہاں جا سکتا ہے۔ کہ تیرے ہرن (آنکھوں) کے کعبین نے اس طرح نیش نکال لئے ہیں جس طرح غضب کی حالت میں شیروں کے پنجے ہوں ؛
(۶) یہ جو تیرے چہرے کے مقابل سایہ افگن ہے۔ یہ (تیرے چہرے کا) خط نہیں ہے۔ (بلکہ) تلوار کے صیقل کرنے میں میرے آئینہ (دل) میں زخم ہو گیا ہے ؛
(۷) میں کسی کی مصلحت میں کبھی دست اندازی نہیں کرتا۔ کیونکہ عشق نے مجھے کج اندیش عقل کی کشمکش سے نکال دیا ہے (عشق نے مخلوق آزاری اور مفاد ذاتی کے خیالات کو جن کا منبع عقل ہے۔ میرے دل سے نکال دیا ہے) ؛
(۸) اے نظیری! عشق نے مجھے عقل (کے پنجے) سے خوب چھڑا دیا۔ ایک بیگانے (معشوق) کی محبت نے مجھے اپنے (خودی) سے آزاد کر دیا۔ (عشق کی بدولت خودی ترک ہو گئی) ؛

غزل نمبر ۱۶

بحرِ مضارع مثمن اخرب — ارکان: مفعول فاعلات مفاعیل فاعلات

تقطیع

درد و غ	مت کہ ہم چُ	ہما اُست	خانند
مفعول	فاعلات	مفاعیل	فاعلات
برمن م	بارکند	گرم مغز	جا خورند

دردو غمت کہ ہمچو ہما اُستخواں خورند ۱ برمن مبارک اند گرم مغزِ جاں خورند

برنامہ ام مخند کہ آشفتہ خاطراں ۲ موکز قلم کشند نے اندر بناں خورند

مست آیئم بصلح اگر نکہتے بری ۳ زاں مے کہ در محبتِ ہم دوستاں خورند

نیشکر آنچناں نخورد کس ز دستِ دوست ۴ کازادگاں ز دستِ مبارز سناں خورند

جانے و صد کرشمۂ مژگاں چہ مے کنم ۵ ایں تیرہا تمام اگر بر نشاں خورند

چشمِ ہزار تشنہ جگر در کمینِ تست ۶ ترسم کہ خام میوۂ ایں بوستاں خورند

آزادگاں بجائے رسیدند ما ہماں ۷ زاں رہرواں کہ گردِ پسِ کارواں خورند

۸ ہر جا گلیست بہرِ نظیریؔ طرب گیست
کے بلبلانِ مست غمِ آشیاں خورند

(۱) تیرا درد و غم (عشق) جو ہما کی طرح میری ہڈیاں کھائے جا رہا ہے۔ (رشتہ ہو رہے کہ ہما ہڈیاں کھاتا ہے) وہ میرے لئے مبارک ہیں۔ اگرچہ میرا مغزِ جان تک کھا جائیں ؛

(۲) میرے خط (کو پڑھ کر اُس) پر ہنسو نہیں۔ کیونکہ پریشان خاطر لوگ (عشاق) قلم بنانے میں ہزار تکلیفیں برداشت کرتے ہیں (خط لکھنے میں اُنہیں کیا کچھ عذاب برداشت نہیں کرنا پڑتے ہونگے۔ مو از قلم کشیدن۔ قلم سے تنکا نکالنا۔ قلم بنانا اور نے اندر بناں یا ناخن خوردن۔ تکلیف و اذیت برداشت کرنا۔ مجرموں کو سزا دینے کا ایک طریق کرنے کا سر باریک اور تیز بنا کر ناخنوں میں چبھوتے اور توڑتے ہیں) ؛

(۳) اگر تو اُس شراب کی ذراسی خوشبو بھی پالے جو دوست ایک دوسرے کی محبت میں پیتے ہیں۔ تو تو (اُس بوئے شراب محبت سے) مست ہو کر میرے پاس صلح کی غرض سے آ جائے۔ (محبت میں جو لطف ہے اگر تجھے اس کی ذرہ برابر بھی خبر ہو تو تو کبھی مجھ سے کھچا کھچا نہ رہے) ؛

(۴) کوئی شخص دوست کے ہاتھ سے اس طرح (شوق سے) گنّا لے کر بھی نہیں کھاتا۔ جس طرح (شوق سے) کہ (راہِ عشق کے) آزادہ مرد اپنے حریفِ مقابل کے ہاتھ سے خنجر کھاتے ہیں ؛

(۵) (میری) ایک جان ہے اور (معشوق کی) پلکوں کے سینکڑوں کرشمے۔ اگر یہ تمام تیر نشانے پر بیٹھیں تو میں کیا کرونگا ؛

(۶) ہزاروں تشنہ جگر حریص (عشاق) لوگوں کی آنکھ تیری تاک میں ہے۔ مجھے خوف ہے کہ وہ اس باغ کے کچے ہی پھل کو نہ کھا جائیں (جوان ہونے سے پہلے ہی تجھے اپنی حرص و ہوس پرستی کی آماجگاہ بنا لیں) ؛

(۷) آزاد لوگ تو کسی مقام (منزلِ مقصود) پر پہنچ گئے اور ہم اُسی طرح اُن مسافروں میں سے ہیں جو قافلے کے پیچھے کی گرد کھاتے ہیں۔ یعنی ؎

یارانِ تیزگام نے محمل کو جا لیا — ہم محوِ نالۂ جرسِ کارواں رہے

(۹) جہاں کہیں پھول ہے وہی جگہ نظیری کے لئے مقام طرب ہے مست بلبلیں آشیانے کا غم کب کھاتی ہیں۔ (بلبل کو آشیانے سے نہیں اس سے عشق ہے۔ نظیری کو بھی کسی خاص مقام سے اُلفت نہیں۔ جہاں کوئی حسین صورت نظر آجاتی ہے وہیں ڈیرے ڈال دیتا ہے) ؛

غزل نمبر ۱۷

بحر ہزج مثمن اخرب مکفوف آخری رکن محذوف مبلغ ارکان : مفعول فاعلات مفاعیل فاعلات

تقطیع

مجلس چ	بشکست	تماشا ب	رسید
مفعول	فاع لات	مفاعیل	فاعلات
در بزم	چو نماند	کسے جا ب	ما رسید

مجلس چو برشکست تماشا بما رسید ۱ در بزم چوں نماند کسے جا بما رسید

دلال عشق بود و خریدار دلستاں ۲ خود را فروختیم چو سودا بما رسید

دی خندہ بر بضاعت درویش زد لبش ۳ صد کارواں شکر بہ نئے بوریا رسید

بال و پر از درازیٔ منزل بسوختیم ۴ پیغام بے نیازی عنقا بما رسید

آموخت ہر چہ عشوہ زکبری بما فروخت ۵ اندوخت ہر چہ غمزہ ز یغما بما رسید

گر گمرہیم تیرہ شب از خواب جستہ ایم ۶ حسنِ تو شور کرد کہ غوغا بما رسید

بعد از ہزار سعیِ ثواب و مجاہدت ۷ زنّار راہب و بتِ ترسا بما رسید

مارا کجاست ارزشِ زخمِ التفات تو ۸ شد عام آنچناں کہ تمنّا بما رسید

رحمے نما و مستیِ مارا زیادہ کن ۹ زاں خم کہ یک پیالۂ صہبا بما رسید

۱۰ مشکل عناں نالۂ نظیری تواں گرفت
بادِ بہار و نکہتِ صحرا بما رسید

(۱) جب مجلس درہم برہم ہوگئی تو ہماری باری آئی۔ (اب ہمیں کیا حاصل ؟) جب مجلس میں کوئی بھی باقی نہ رہا۔ (سب اُٹھ گئے) تو ہمیں جگہ ملی۔ (اکیلے کیا کریں کہ لطفِ صحبت نہیں رہا) ؛

(۲) عشق دلال (سودا کروانے والا) تھا۔ اور خریدار معشوق (جیسا دل لینے والا) تھا۔ (جب ایسا دلال اور ایسا خریدار موجود تھا تو پھر) جب ہماری سودے کی باری آئی۔ تو ہم نے اپنے آپ کو (عشق کے ذریعہ معشوق کے ہاتھ) بیچ ڈالا ؛

(۳) کل اُس کے لبوں نے درویش کے سامان کی ہنسی اُڑائی تو (درویش کی متاعِ حقیر کا طعن آمیز ہنسی سے مذاق اُڑایا) بوریے کے تنکوں میں مٹھاس کے سینکڑوں قافلے پہنچ گئے (اُس کے شکر خندہ کے اثر سے بے حد شیرینی حاصل ہوئی) ؛

(۴) منزل کی دوری کے سبب ہم نے اپنے بال و پر جلا ڈالے (مایوس ہوکر کہ ہم منزل پر پہنچ ہی نہیں سکتے) کیونکہ ہمیں عنقا کی بے نیازی کا پیغام پہنچ چکا ہے ؛

(۵) عشوہ نے جو کچھ کفر سے سیکھا ہمارے پاس بیچ دیا اور غمزے نے جو کچھ لوٹ مار میں جمع کیا وہ ہمیں مل گیا (اُس کے عشوے اور غمزے مجھے اپنی آماجگاہ بنائے ہوئے ہیں) ؛

(۶) اگر ہم گمراہ ہیں (تو اس کی وجہ یہ ہے کہ) ہم اندھیری رات میں نیند سے اُٹھے ہیں۔ کیونکہ تیرے حُسن نے ایک شور مچا دیا جس

کی آواز ہم تک پہنچی۔ (راہِ معرفت بہت دشوار گذار ہے۔ اس راہ پر ہمیشہ یکسانیت اور اطمینان سے چلے جانا مشکل ہے۔ جیسے اندھیری رات ہو اور کوئی شخص شورِ غل سنکر گہری نیند سے بیدار ہو تو ناممکن ہے کہ وہ راستے کے نشیب و فراز سے پوری طرح آگاہ ہو کر حقیقتِ حال معلوم کرنے کے لئے راہ طے کر سکے)؛

(۷) ثواب اور مجاہدۂ نفس کی ہزاروں کوششوں کے بعد ہمیں راہب کی زنّار اور ترسا کا بُت ملا۔ (راہِ معرفت ضروری نہیں کہ مجاہدات و ریاضات سے طے ہو سکتا ہے۔ کہ عبادت و ریاضتِ شاقہ کے باوجود کسی شخص اور مقصودِ حقیقی کے درمیان پھر بھی اُتنا ہی بُعد ہو جتنا کفر اور اسلام میں)؛

(۸) ہم میں تیرے زخم (عشق) کی قابلیت کہاں تھی (ہمیں جرأتِ عشق یوں ہوئی کہ) تیری مہربانی اور توجہ اس قدر عام ہوگئی (تو ہر شخص پر مہربانی کرنے لگا) کہ ہمارے دل میں بھی تمنّا پیدا ہوگئی (کہ ہم بھی عشق کے زخم کو برداشت کرنے پر آمادہ ہو گئے)؛

(۹) (ہم پر) رحم کر اور (شراب کے) اُس مٹکے سے (اور شراب دے کر) جس کا ایک پیالہ شراب ہمیں (پہلے) مل چکا ہے۔ ہماری مستی کو اور بھی بڑھا دے۔ (شرابِ محبت جس کے ایک جرعہ سے ہم پہلے ہی مست ہو رہے ہیں۔ اور دے کر ہمیں اور زیادہ مست کر دے)؛

(۱۰) اے نظیری! (اب جبکہ) بہار کی ہوا اور صحرا کی خوشبوئیں آ رہی ہے۔ (موسمِ بہار آگیا ہے) نالہ و فریاد کو روکنا مشکل ہے (عنانِ نالہ گرفتن۔ نالہ کو روکنا۔ موسمِ بہار میں عشق بھی جوش پر ہوتا ہے)؛

غزل نمبر ۱۸

بحرِ رمل مثمن مخبون آخری رکن مجبون مسکن مقصور — ارکان:- فاعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلان

تقطیع

ہر سحر سل	سل از پا	ءِ صبا بک	شا یند
فاعلاتن	فعلاتن	فعلاتن	فعلان
کز کشادش	گرہے از	دلِ ما بک	شا یند

هر سحر سلسله از پائے صبا بکشایند ۱ کز کشادش گرہے از دلِ ما بکشایند

دردِ نایافتنم سوخت ندانم ز کجا ۲ بلبلاں را چمن راہِ نوا بکشایند

کارم از زلفِ گرہ گیرِ تو پیچیدہ تر است ۳ سرِ ایں رشتہ ندانم ز کجا بکشایند

آخر اے گل گذرے کن بگلستاں تا کے ۴ چشمِ نرگس برہِ بادِ صبا بکشایند

برہم افتادہ دل و دیدہ برانداز نقاب ۵ تا ہمہ عقدِ گہر روئے نما بکشایند

ہر کجا فتنۂ آں چشمِ سیہ در کار است ۶ کفر باشد کہ زباں را بدعا بکشایند

سیرِ ایں دائرہ بد نیست ولے مے ترسم ۷ چشم از خویش ببندند چو پا بکشایند

۸ گر بمیخانہ نظیری بزمِ ایں زمزمہ را
مطربانم گرہ از بندِ قبا بکشایند

(۱) ہر صبح بادِ صبا کے پاؤں سے زنجیر (اس لیے) کھول دیتے ہیں۔ تاکہ اُس کے کُھلنے سے ہمارے دل کی ایک گرہ بھی کھول ڈالیں (صبا کے چلنے سے ہمارے دل کی کلی کھِل جاتی ہے۔ گویا قدرت نے ہوا بنائی ہی ہمارے رنج و غم کو دُور کرنے کے لئے ہے)؛

(۲) مجھے "نو نایافتن" (ناکامیِ مقاصد) کے درد نے جلا ڈالا ہے۔ (کُڑھتا رہتا ہوں) میں نہیں جانتا کہ بلبلوں کے لئے باغ میں

چھپانے کا راستہ کہاں سے کھول دیتے ہیں (مجھے تو کبھی مسرت کا کوئی موقعہ حاصل نہیں ہوتا۔ یہ بلبلیں جو مسرت سے چہچہاتی رہتی ہیں۔ ان کو یہ موقع کہاں سے حاصل ہو جاتا ہے)۔

(۳) میرا کام تو تیری گرہگیر زلفوں سے بھی زیادہ پیچیدہ اور اُلجھا ہوا ہے۔ میں نہیں سمجھ سکتا کہ اس دھاگے (یعنی کارِ مشکل) کے سرے کو کہاں سے کھولیں گے (میری مشکل بظاہر لاینحل ہے)۔

(۴) اے گل! آخر تو باغ میں سے گذر۔ کب تک نرگس جیسی آنکھوں کو لوگ بادِ صبا کے راستے پر کھولے (بیٹھے) رہیں گے۔

(۵) (ہمارے) دل اور آنکھیں درہم و پریشان ہو رہے ہیں۔ ذرا نقاب اُلٹ دے۔ تاکہ تمام لوگ موتیوں کی لڑی (آنسو) بطور رونمائی پیش کر دیں۔

(۶) جہاں کہیں اُس سیاہ آنکھ کا فتنہ برسرِکار ہو۔ وہاں زبان کو دُعا کے لئے کھولنا کفر ہے۔ (اُس کی چشمِ فتنہ زا کا مبتلا نہ ہونا کفر میں داخل ہے)۔

(۷) اس دائرہ کی سیر بُری نہیں لیکن مجھے ڈر ہے کہ اگر میرے پاؤں کو (سیر کے لئے) کھول دیں تو میری آنکھیں اپنے آپ کی طرف سے بند نہ کر دیں۔ (دنیا کی الفت میں مبتلا ہو کر بالکل بے خبر نہ ہو جاؤں)۔

(۸) اے نظیری اگر میں اس زمزمہ (غزل) کو سنانے میں لے جاؤں تو مطرب میرے بندِ قبا کی گرہیں کھولنے لگیں (بندِ قبائے کسے کشادن۔ اُس کی خدمت بجا لانا۔ نوکری کرنا)۔

غزل نمبر ۱۹

بحر مضارع مثمن مقبوض مخبون آخری رکن مشعث مقصور ارکان:۔ مفاعلن فعلاتن مفاعلن فعلان

تقطیع } مفاعلن: نے توا / کِ دائی زہ — فعلاتن: بگزندز / زِبطفلی — مفاعلن: مَن اِن تقام / مرا بکا — فعلان: م کشید / م کشید

نے تواں بگزند از من انتقام کشید ۱ کہ دایہ زہر بطفلی مرا بکام کشید

زمانہ یک نفسم بر مرادِ تو د نگذاشت ۲ بہر کہ داد مراد، از من انتقام کشید

ہزار نقش خوشم داد چرخ تا دیدم ۳ قلم گرفت و خطِ سہو بر تمام کشید

مرا فریب نبرد از رہ ارنہ این جادو ۴ عنانِ خاص گرفت و کمندِ عام کشید

بآہ و نالہ حریفم ز جام و نغمہ مگو ۵ کہ کارم از مئے و مطرب باین مقام کشید

شراب دَور بجز آں بے تفاوتے نگرفت ۶ کہ گر حلال رسید و اگر حرام کشید

چہ جائے من کہ بجامِ شراب و طرہ حُور ۷ فرشتہ راز فلک میتواں بدام کشید

چناں نزار فتادم بعشق نیم منظر ۸ کہ سایہ از سر کویم بزیرِ بام کشید

۹ بساطِ عافیت اے عقل و ہوش بر چینید
دگر نظیریؔ بے ظرف یکدو جام کشید

(۱) مجھے دُکھ اور نقصان پہنچا کر مجھ سے بدلہ نہیں لیا جا سکتا۔ کیونکہ دایہ نے بچپن ہی میں میرے حلق میں زہر ٹپکا دیا تھا (ابتدائے ولادت سے دُکھ درد برداشت کرنے کا عادی ہوں۔ دُکھ اور نقصان سے مجھے تکلیف نہیں پہنچتی۔ ع
رنج سے خوگر ہوا انساں تو مٹ جاتا ہے رنج

(۲) زمانے نے مجھے ایک منٹ بھی بامراد نہ رہنے دیا جس کسی کی مراد کو بھی (زمانے نے) پورا کیا اُس کا بدلہ مجھ سے لے لیا۔ (لوگ مرادیں پاتے ہیں اور میں ہر لحظہ نئی مصیبت میں مبتلا ہوتا ہوں)

(۳) آسمان نے مجھے ہزاروں دلکش اُمیدیں دلائیں۔ مگر سپہر جو دیکھا تو اُس نے قلم پکڑ کر اُن سب پر خطِ سہو کھینچ دیا۔ (سب اُمیدوں کو مٹا ڈالا)۔

(۴) مجھے یہ فریب (حُسن) گمراہ نہ کر سکا۔ ورنہ اس جادو نے خاص لوگوں کی بھی باگ تھام لی اور عام لوگوں کو بھی کمند میں جکڑ لیا۔ (خواص عوام سب اُس کے فریبِ حُسن میں مبتلا ہیں)۔

(۵) میں تو آہ و نالہ کا حریف ہوں (ہر وقت آہ و نالہ کرتا رہتا ہوں) مجھ سے جام شراب اور نغمہ و سرود کی باتیں مت کرو کہ میرا کام مے و مطرب سے گذر کر اس مقام پر پہنچ چکا ہے (آز نجاوز کے معنوں میں)۔

(۶) زمانے کی شراب کو اُس بے تمیز کے سوا کسی نے نہ لیا۔ (مرغوباتِ زمانہ کی اُلفت میں پھنسکر مخمور ہو جانا بے تمیزوں کا کام ہے) کہ خواہ حلال تھی خواہ حرام وہ چڑھا گیا (جائز اور ناجائز کا مطلق خیال نہ کیا)۔

(۷) میں کیا ہوں (میری کیا بساط ہے) کیونکہ جام شراب اور حور کی زلف کے ساتھ تو آسمان پر سے فرشتے کو بھی جال میں کھینچ سکتے ہیں ("مئے دو سالہ" اور "معشوقِ چاردہ سالہ" کو پاکر توبہ کو قائم رکھنا قریباً ناممکن ہے۔ شعر میں غالباً ہاروت و ماروت اور چاہ بابل کے مشہور افسانہ کی طرف تلمیح ہے)۔

(۸) میں اُس نیم نظر کے عشق میں ایسا لاغر ہو گیا ہوں کہ سائے نے مجھے کوچے کے سرے سے چھت کے نیچے گھسیٹ لیا (سائے کا گھسیٹ لانا کمزوری اور ضعف میں مبالغہ کی انتہا ہے۔ "نیم نظر" معشوق کو بوجہ مخموری چشم کہا ہے)۔

(۹) اے عقل و ہوش تم اپنا عافیت کا بوریا بستر سمیٹو رہتے بنو) کیونکہ بے ظرف نظیری نے پھر ایک دو جام چڑھا لئے ہیں (نظیری کم ظرف ہے کہ تھوڑی سی پی کر مست ہو جاتا ہے)۔

غزل نمبر ۲۰

مثمن اخرب مکفوف محذوف — ارکان: مفعول فاع لات مفاعیل فاعلن

تقطیع

رشکے ب	من گہے ز	ادائے س	خن رسد
مفعول	فاع لات	مفاعیل	فاعلن
صد جان	گہ مقام	کند تا ب	من رسد

رشکے بمن گہے ز ادائے سخن رسد ۱ صد جانگہ مقام کند تا بمن رسد

من بردر از تجلیِ ایں نور سوختم ۲ پروانہ چوں بعرصۂ آں انجمن رسد؟

در راہِ تو شمال و صبا در نبرد وند ۳ تا بو کرا دہی کہ بہ بیت الحزن رسد!

گر زیرِ گلبنے قفسم را نمے نہی ۴ جائے بہست کہ نالہ بگوشِ چمن رسد

گفتند کم لطافت سمن عندلیب گفت ۵ اے کاش عمرِ گل بحیات سمن رسد!

جیبے کہ پارہ شد بملامت رفو نشد ۶ دستِ جنوں مباد باین پیرہن رسد

زاہد ز سرِّ نکتۂ صوفی چہ آگہست ۷ در شیوہ ہائے چشم صنم برہمن رسد

بازیچۂ تو معجزِ عیسے بباد داد ۸ در نرگس تو کس بچہ افسون و فن رسد؟

۹ اے جاں بسعی درد نظیری نمیرد و
مرگے نگر بداد دلِ زیستن رسد

ترک کر دیتا ہے)۔

(۲) کفر میرے عشق کی صلاح و خوبی بن گیا ہے۔ اور ایمان سے انکار میرا یقین ہو چکا ہے۔ (عشق میں کفر اختیار کر چکا ہوں کہ عشق کی خوبی اسی میں ہے۔ اور یقین کی جگہ ایمان سے انکار نے لے لی ہے) محبت کعبہ کو ویران کرتی ہے اور بتخانے کو آباد۔

(۳) قلم اُس (قادرِ مطلق) کے ہاتھ میں ہے۔ میں تو ایک موہوم (جس کا کہیں وجود نہ ہو) نقش کی طرح ہوں۔ اگر وہ چاہتا ہے تو مجھے عقلمند بنا دیتا ہے اور چاہتا ہے تو مجھے دیوانہ کر دیتا ہے۔

(۴) میں ناخنوں سے اپنی جان کے رگ و ریشوں کو چیرتا رہتا ہوں۔ (از ہم سکنم۔ ایک دوسرے سے جدا کر دیتا ہوں)۔ کیا ہی مبارک ہے وہ ہاتھ جو کبھی اپنے پنجے کو کسی معشوق کی زلف میں کنگھی بناتا ہے۔ (معشوق کے بالوں کو انگلیوں سے سلجھاتا ہے۔ مراد یہ ہے کہ میں تو ہجر میں تڑپتا ہوں۔ وہ شخص خوش قسمت ہے جسے دولتِ وصال حاصل ہے)۔

(۵) مجلس (والوں) کے ردّ و قبول سے میرا دل خون ہو چکا ہے۔ کیا ہی خوش قسمت ہے وہ مندجو (مجلس اور اہلِ مجلس سے بے نیاز) رات کو تو کسی بھاڑ کے کونے میں اور دن کو کسی ویرانے میں گذار دیتا ہے۔ (شاعر لوگوں کے بے جا اعتراضات اور تحسین ناشناس سے تنگ ہے)۔

(۶) اُس چڑیا کی طرح جو ایک بچے کے ہاتھ میں کھیل کی غرض سے (پکڑی ہوئی) ہوتی ہے۔ میں بھی (محبوب کو) عزیز ہوں۔ وہ اپنی زلفوں سے میرے لئے جال بنتا ہے اور خال کو دانہ بناتا ہے۔ (محبوب مجھے اپنے عشق میں پھنسائے ہوئے ہے لیکن محض بطور مشغلہ و تفریحِ طبع۔ اُسے مجھ سے دلی لگاؤ نہیں ہے)۔

(۷) نظیری کو بیگانوں کی طرح اپنی مجلس سے مت نکال دے۔ اگر شراب نہیں ہے۔ تو وہ بھی وہ بیگانہ تھوڑا ہی ہے کہ اس کا خیال کریگا، وہ پیالۂ شراب کی تہہ کی تلچھٹ پر ہی قناعت کر لیگا۔

غزل نمبر ۲۲

بحر ہزج مثمن سالم — ارکان:- مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن

تقطیع

چو عریا شد	چمن مرغ	ضرورت خا	نہ مے سازد
مفاعیلن	مفاعیلن	مفاعیلن	مفاعیلن
چو قحطے گل	بُرد بلبل	بآب و دا	نہ مے سازد

چو عریاں شد چمن مرغ از ضرورت خانہ میسازد ۱ چو قحطِ گل بود بلبل بآب و دانہ میسازد

چو بر بام و درِ مردم نشیند جغد ناسازست ۲ مبارک پے بود آندم کہ با ویرانہ میسازد

ز دشمن خیل در خیل از محبت گوشۂ چشمے ۳ فسونِ جادو اثرا معجزم افسانہ میسازد

محبت جزو جزوم را ز ہم بے تاب تر دارد ۴ تجلّی ذرّہ ذرّہ کوہ را پروانہ میسازد

پیامِ نو بہاری لالہ گو نم ابرِ نوروزی ۵ کلیدِ باغ را کے شاخِ گل دندانہ میسازد

بچشمِ کم نباید دید قدرِ زیردستاں را ۶ فلک صد جا سبو گل میکند پیمانہ میسازد

بجز زلفِ پریشاں در خیالم نگذرد چیزے ۷ پری را گوشۂ ویرانہ ام دیوانہ میسازد

مبادا برگ بارم کم اگر افشاندہ ام تلخی ۸ کہ شکّر خندہ آنرا نقلِ صد کاشانہ میسازد

۹ نظیری لازمِ عشق و جنوں جنگست و ناسازی

تو معذوری بمردم مردمِ فرزانہ میسازد

(۱) جب باغ عریاں ہو جاتا ہے۔ (خزاں آجاتی ہے) تو پرندہ مجبوراً (از ضرورت۔ ضرورت سے مجبور ہو کر) گھر بنا لیتا ہے۔ جب پھولوں کا قحط پڑ جاتا ہے۔ تو بلبل آب و دانہ پر قناعت کر لیتی ہے۔ (عیش و تنعم کے سامان کھو جانے پر معمولی طریق زندگی اختیار کر لینا دانشمندی ہے)

(۲) اُلّو جب لوگوں کے در و بام پر بیٹھتا ہے۔ تو وہ منحوس (خیال کیا جاتا) ہے۔ لیکن جب وہ ویرانے میں رہتا ہے۔ تو اُس وقت وہ مبارک قدم (سمجھا جاتا) ہے۔ (ہر شخص اور ہر چیز کسی خاص مقصد اور غرض سے وجود میں آئی ہے۔ اور وہی اُس کے لئے مناسب ہے) ✦

(۳) دشمنوں کی فوج در فوج (میرے مقابلے میں جمع) ہے۔ (تو) محبت کا گوشۂ چشم میری طرف کر دے۔ (پھر مجھے گروہ در گروہ دشمنوں کا مطلق خوف نہ ہوگا) پھر جادوگروں کے جادو کو میرا معجزہ ایک داستان (بے حقیقت فرضی قصہ) بنا دیگا۔ (میں دشمنوں پر غالب آؤنگا۔ جس طرح موسیٰ علیہ السلام فرعون کے جادوگروں پر غالب آئے) ✦

(۴) محبت میرے (جسم کے) ایک ایک جزو کو ایک دوسرے سے بڑھ کر بے قرار اور مضطرب رکھتی ہے۔ (میں کوہ ثبات تھا مگر محبت نے میرے ثبات و استقلال کو بالکل فنا کر دیا۔ گویا) تجلی پہاڑ کے ایک ایک ذرہ کو پروانہ بنا رہی ہے ✦

(۵) بہار کے زمانہ میں جنون کچھ بڑھ جاتا ہے (ابر نوروزی) بہار کے زمانہ میں بارش خوب ہوتی ہے ابر نوروزی سے مراد گریۂ کثیر میم مضاف الیہ اسی کا ہے یعنی ابر نوروز یم لالہ گون سرخ رنگ لالہ گون ابر نوروزی سے مراد گریۂ خونین دندانہ کلید کنجی کی جھیر قفل انہی دندانوں سے کھلتا ہے ترجمہ مطلب تیز میرا گریۂ خونیں تو بہار آئینہ کا پیام لا رہا ہے دیکھنا چاہیئے کہ شاخ گل باغ کی کنجی میں کب دندانہ پیدا کرتی ہے تا کہ باغ جو خزاں کی وجہ سے منہ بند تھا کھلا رہے ہم اپنے گریۂ خونیں کا تقابل گلہائے سرخ گلزار سے کریں۔ کہ ہمارا گریۂ خونیں زیادہ ہے یا گلہائے سرخ بہار۔

(۶) زیر دستوں (کمزوروں) کے مرتبے کو حقارت کی نظر سے نہیں دیکھنا چاہیئے۔ آسمان سینکڑوں دفعہ مٹکے کو (توڑ پھوڑ کر) کیچڑ بنا ڈالتا ہے اور (پھر اُس سے) پیمانہ بنا دیتا ہے۔ (ہو سکتا ہے کہ جو تمہیں حقیر نظر آتے ہیں دراصل وہ معزز و باوقار ہوں ؎

خاکساران جہاں را بحقارت منگر   تو چہ دانی کہ درین گرد سوارے باشد

(۷) اُس کی پریشان (بکھری ہوئی) زلفوں کے بغیر میرے خیال میں اور کوئی چیز آتی ہی نہیں (ہر وقت انہیں کے خیال میں محو رہتا ہوں) میرے ویرانے کا گوشہ (خیال جہاں زلف پریشان کے تصور کے سوا اور کچھ نہیں گویا ویرانہ ہے) پری کو بھی دیوانہ بنا ڈالتا ہے۔ (حالانکہ پری ویرانے میں ہوتی ہے) ✦

(۸) اگر میں نے رنج اور ناراضگی کا اظہار کیا ہے۔ (معشوق سے بیزاری یا غصہ رنج ظاہر کیا ہے) تو خدا کرے میرے ساز و سامان (عشق) میں (اس سے) کوئی کمی نہ آئے۔ کیونکہ (معشوق کا) شکر خندہ اُس کو سینکڑوں گھروں میں بیان کر رہا ہے۔ (میں نے معشوق سے بیزاری کا اظہار کیا۔ وہ اُس پر تعریضاً ہنسا کہ واہ یہ بھی اس قابل ہوا ہے کہ ہم سے اظہار بیزاری کرے۔ اور اس امر کا ہر جگہ چرچا ہو رہا ہے۔ افشاندہ ام تلخی سے گریۂ تلخ بھی مراد ہو سکتا ہے۔ اور نقل بمعنی حکایت و بیان کی جگہ نقل بضم اول بھی ہو سکتا ہے) ✦

(۹) اے نظیری! جنگ اور ناموافقت، عشق اور جنون کو لازم ہیں (چونکہ تو عاشق ہے۔ اور اس لئے دیوانہ) اس لئے تو معذور ہے کیونکہ غفلت پیشہ لوگ ہی (دوسرے) انسانوں سے (صلح اور امن سے) نباہ کر سکتے ہیں ✦

غزل نمبر ۲۴

بحر ہزج مثمن اخرب مکفوف آخری رکن مسبغ   ارکان مفعول مفاعیل مفاعیل فعولان

تقطیع ﴿ امشب ان | مفعول | بر ہم زن
زنگری | مفاعیل | رخسارے ہم
ہا تا ز | مفاعیل | ز لختے ز
تر بود | فعولان | جگر بود

امشب چمن از گریۂ ما تازہ و تر بود ۱ بر ہم زن رخسارۂ مژہ لختے ز جگر بود

مے رست رگ و ریشۂ جاں از بن ناخن ۲ صد لالہ ستاں کاشتہ در سینہ دبر بود

در زیر لبم گاہ طرب زمزمہ مے سفت ۳ بر دو در رخش گاہ ہوس حلقۂ گہر بود

تا روز بخلوت گہہ مقصود اجابت ۴ در پیرہن نالہ ہم آغوش اثر بود

از کثرت آمد شدن دزد خیالی ۵ پیرایۂ خوابم ہمہ شب زیر و زبر بود

وز بہر نثار قدمے چشم ترم را ۶ تا گوش گریبان نظر پر ز گہر بود

گفتنم بدعائے سحری وصلِ تو خواہم ۷ بیہوش شدم بوئے تو یا بادِ سحر بود

قاصد جگرم سوخت چہ پیغام و چہ نامہ ۸ دل بود ہماں خوش کہ بامیدِ خبر بود

۹ یکذشت گریباں نزدی چاک نظیری

پیشش چہ بلا دست دعائے تو بسر بود

(۱) آج رات باغ (عاشق کا چہرہ) ہمارے گریہ کے باعث سرسبز و شاداب تھا۔ پلکوں کے ہر ایک کانٹے کی نوک پر (میرے) جگر کا ایک ٹکڑا (چمک رہا) تھا۔ (جگر کو خون کر کے آنسوؤں کے ذریعہ آنکھوں سے بہا دیا تھا۔ اور اس سے چہرے پر رونق آ رہی تھی)۔

(۲) میرے ناخنوں کی جڑوں سے جان کے رگ و ریشے اُگ رہے تھے۔ (ناخنوں سے اپنی جان و جسم کے رگ و ریشے نوچ رہا تھا) اور میرے سینہ اور پہلو میں لالہ کے سینکڑوں باغ اُگ رہے تھے۔ (سینہ اور جسم کے زخموں کو خون آلود ہونے کی وجہ سے لالہ کے سرخ پھولوں سے استعارہ کیا ہے)۔

(۳) حلقۂ شعر شمار کنندۂ حلقہ ہائے زلف (ترجمہ مطلب خیز) انسان کو جب امید بندھتی ہے تو وہ بہت کچھ خیالات کو وسعت دیا کرتا ہے مثلاً مفلس آدمی جب سونے کو لیٹتا ہے تو خیالی پلاؤ پکاتا ہے کہ انشاء اللہ روپیہ پیدا کرے تو ایسا باغ بنائیں گے ایسی کوٹھی اور ایسا فرنیچر ہوگا یہ کریں گے وہ کریں گے یہی حال عاشق کا بھی ہے اس لئے کہتا ہے کہ معشوق گویا آ گیا ہے لہٰذا انشاط کے باعث کبھی خوشی میں گنگناتا ہے اور کبھی ان زلفوں کی آرزو سے

(۴) قبولیت کے مقصود کی خلوت گاہ میں (رات سے لے کر) صبح تک نالہ میرے پیرہن میں اثر سے ہم آغوش تھا۔ (قبولیت دعا کو مقصد قرار دے کر میں تنہائی اور خلوت میں رات بھر التجائیں اور نالہ و فریاد کرتا رہا اور وہ اثر سے ہم کنار ہوتے رہے)۔

(۵) (اُس) دزدِ خیالی کی آمد و رفت کی کثرت کے سبب کل تمام رات میری نیند کا لباس بالکل زیر و زبر رہا۔ (معشوق کا خیال رات بھر آتا رہا اور اُس نے مجھے سونے نہ دیا)۔

(۶) اور اُس کے قدموں پر نثار کرنے کے لئے میری چشمِ تر کا گریبانِ نظر کانوں تک موتیوں سے بھرا ہوا تھا (اُس کے قدموں پر نثار کرنے کے لئے آنسوؤں کے موتی گراتا رہا)۔

(۷) میں نے کہا کہ صبح کی دعا میں تیرا وصل چاہونگا (تیرے وصل کی دعا مانگونگا) کہ میں بے ہوش ہوگیا (معلوم نہیں کہ وہ) تیری خوشبو تھی یا بادِ سحر تھی۔ (تصور میں تیری خوشبو آ گئی یا بادِ سحر کی خوشبو پر تیری خوشبو کا گمان گذرا اور میں بے ہوش ہوگیا۔ پھر وصل کی تاب کیسے لا سکوں گا)۔

(۸) قاصد نے میرے جگر کو (جواب خط لاکر) جلا دیا۔ اب کیسا پیغام اور کیسا خط۔ دل اُسی وقت تک خوش تھا۔ جب تک (جواب نامہ کی) خبر کی اُمید میں تھا۔ (قاصد جو جواب لایا ہے۔ وہ مایوس کن ہے۔ قاصد منادیٰ بھی ہو سکتا ہے۔ اور اُس صورت میں ترجمہ یوں ہوگا۔ کہ اے قاصد! (تمہارے جواب سے) میرا جگر جل گیا۔ (اس صورت میں سوخت فعل لازم ہوگا اب مجھے پیغام اور خط سے کیا واسطہ)

(۹) اے نظیری! وہ (تیرے پاس سے ہوتا ہوا) گذر بھی گیا۔ اور تو نے اپنے گریبان کو چاک نہیں کیا۔ اُس کے سامنے تیرے دستِ دعا پر کیا آفت آ گئی۔ (کہ وہ گریبان چاک کرنے کو بھی نہیں اُٹھا۔ حالانکہ اس سے پہلے یہ اس کا معمول تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ عاشق محبوب کو دیکھکر رعبِ حسن میں مبہوت رہ گیا ہے۔ پیشش چہ بلا دستِ دعائے تو بسر بود۔ نثر یوں ہوگی کہ پیشش بہ سرِ دستِ دعائے تو چہ بلا بود یعنی تیرے دعا طلب ہاتھ کے سر پر کیا آفت نازل ہوگئی)۔

غزل نمبر ۲۵

بحر ہزج مثمن اخرب مکفوف محذوف ارکان:- مفعول مفاعیل مفاعیل فعولن

تقطیع				
	با آنکہ	ز مہرش بـ	دلم جور	نگنجد
	مفعول	مفاعیل	مفاعیل	فعولن
	در دید	ۂ او نقش	من از دور	نگنجد

با آنکہ ز مہرش بدلم جور نگنجد ۱ در دیدۂ او نقش من از دور نگنجد

پروانہ بمہتاب کند بال فشانی ۲ کز عیش بخلوت گہِ او نور نگنجد

از گریۂ من عشرتِ او تلخ مسازید ۳ در بزم گہِ خوش نمکاں شور نگنجد

سلطان و گدا بر درِ میخانہ خرابند ۴ در حلقۂ ما شوکتِ فغفور نگنجد

مارا چہ محل لیک عزیزاں نپسندند ۵ ہر دل کہ درو نالۂ رنجور نگنجد

نومیدی و آنگہ ز تو؟ ایں تیرگی بخت ۶ در روزِ سیاہ و شبِ دیجور نگنجد

ما و روشِ دَیر کہ دریائے خطا شوست ۷ در شرع غلط گوئۂ منصور نگنجد

از صدرہِ ویرانہ پری جلوہ کنانست ۸ زانست کہ دیوانہ بمعمور نگنجد

۹ گر مست نۂ دم مزن از عشق نظیری
کیں ذوق و ہوس در سرِ مخمور نگنجد

(۱) باوجودیکہ میرے دل میں اُس کی محبت کی وجہ سے نُور بھی نہیں سما سکتی۔ (ریڑھے سے بڑا حسین اُسکے مقابلے میں بے وقعت ہے) مگر اُسکی آنکھ میں میرا نقش دُور سے بھی نہیں جچتا (وہ مجھے پسند نہیں کرتا) ؛

(۲) بال افشاندن پر گرا دینا پروانے شعلۂ شمع پر آکے گرتے ہیں تو انکے پر جھڑ جاتے ہیں پھر شعلہ کے اثر سے دھر اودھر جلاتے اور تڑپتے پھرتے ہیں۔ (ترجمہ مطلب جبکہ خلوتگاہِ یار اسقدر عیش و نشاط سے پُر ہے کہ اسکی خلوت میں مطلق نور یا نورِ شمع کی بھی گنجایش نہیں خود نورِ رُخ سے اس کی مجلس منور ہو رہی ہے، جب نورِ شمع کو دخل نہیں تو پروانہ وہاں کیسے جاسکتا ہے (شمع ہی پر پروانہ آکر گرا کرتے ہیں اور جلنا اور تڑپنا لو بال افشانی کرنا پروانہ کی قسم

(۳) میرے گریہ سے اُسکی مسرت کو تلخ نہ بناؤ۔ کیونکہ خوش نمک (خوش دل) لوگوں کی محفل میں رنج و غم (شور۔ تلخی) کی گنجایش نہیں (کہ ع افسردہ دل افسردہ کند انجمنے را) ؛

(۴) شاہ و گدا (سبھی) میخانہ کے دروازے پر مست ہیں۔ ہماری مجلس میں فغفور (سلاطین چین کا لقب) کی شوکت کے لئے کوئی جگہ نہیں۔ (کہ یہاں "جنید و شبلی و عطار" سب مست ہیں اور شاہ و گدا کی کوئی تمیز نہیں) ؛

(۵) ہماری کیا حقیقت ہے (کہ ہم کچھ کہیں) لیکن محبوب لوگ اُس دل کو پسند ہی نہیں کرتے جس میں درد بھرا نالہ جگہ نہ رکھتا ہو۔ (دلِ دردمند ہی اُن کے نزدیک قابلِ قدر ہے۔ ورنہ وہ دل نہیں گوشت کا ایک لوتھڑا ہے بیکار) ؛

(۶) ناامیدی اور پھر تجھ سے! یہ سیاہ بختی تو روزِ سیاہ اور شبِ تاریک میں بھی نہیں سما سکتی (اُن سے بڑھ کر تاریک ہے کیونکہ ناامیدی کفر ہے۔ اِنّہٗ لایَیْئَسُ مِن رَّوْحِ اللہِ اِلّا القومُ الکٰفِرُون (قرآن مجید) خدا کی رحمت سے صرف کافر ہی ناامید ہوتے ہیں) ؛

(۷) ہم ہیں اور طریق دیر (ہم نے دَیر کا طریقہ اختیار کر لیا ہے) کیونکہ وہ گناہوں کو دھو ڈالنے والا ایک دریا ہے۔ (یہاں شریعت کی سی پابندیاں نہیں اسی لئے ہم نے شریعت کو چھوڑ دیا ہے۔ کیونکہ) شریعت میں منصور کا غلط طریقہ نہیں سما سکتا۔ (منصور نے انا الحق کہا۔ شریعت نے اُسے کشتنی ٹھیرایا۔ طریقت اُس کے نشۂ معرفت میں سرشار ہونے کی وجہ سے اُسے معذور سمجھتی ہے۔ غلط گوئۂ۔ گوئۂ غلط) ؛

(۸) ویرانے کی سینکڑوں راہوں سے پری جلوہ افگن ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دیوانہ آبادی میں نہیں ٹھیرتا۔ (دیوانہ کو پری دیدہ بھی کہا کرتے ہیں۔ دیوانہ آبادی سے بھاگتا ہے۔ شاعر کہتا ہے کہ اُسے ویرانے میں محبوب کا جلوہ نظر آتا ہے) ؛

(۹) اے نظیری! اگر تو مست نہیں ہے۔ تو عشق کا دعوےٰ مت کر (کہ عشق میں پوری بےخودی۔ محویت اور مستی کی ضرورت ہے) کیونکہ یہ (عشق کا) لطف اور ذوق مخمور سر میں نہیں سما سکتا ؛

غزل نمبر ۲۶

بحر مضارع مثمن اخرب — ارکان: مفعول فاع لات مفاعیل فاعلات

تقطیع

مفعول	فاع لات	مفاعیل	فاعلات
در آ شِ	یان ما پ	ر بالے ہ	ما رسید
ہر جار	سید سا ئ	ہ دولت ز	ما رسید

در آشیانِ ما پر و بالِ ہما رسید ۱ ہر جا رسید سایۂ دولت ز ما رسید

بلبل نمے شود کہ ننالد بہ بوستاں ۲ گلبن ز صوت و نغمہ بہ نشو و نما رسید

کس ماجرائے بلبل و پروانہ حل نکرد ۳ سرگشتہ ماند ہر کہ بایں ماجرا رسید

با غمزہ ایں معاملہ پیش از الست بود ۴ حرفِ بلیٰ نبود کہ زخمِ بلا رسید

ہر کس بقدرِ طاقتِ خود میکشد غمش ۵ آہن بقدرِ جذبہ با آہن ربا رسید

شب خندہ بر بضاعتِ درویش زد لبش ۶ صد کارواں شکر بہ تَے بوریا رسید

کردند تلخ عیش حریفاں ز حسرتم ۷ لذت نشد از طعام چو چشمِ گدا رسید

آزار از جراحتِ بیگانگاں رسد ۸ مرہم منہ کہ زخمِ دل از آشنا رسید

مے وہ کہ رفت نوبتِ مستوری و صلاح ۹ طرفِ نقابِ غنچہ بدستِ صبا رسید

۱۰ کس در جفا طریقِ رضا را بسر نبرد
در حیرتم کہ کارِ نظیریؔ کجا رسید

(۱) ہمارے آشیانے میں جاکے پر و بال پہنچے ہیں۔ (اور اُس کی برکت کا اثر ہے کہ) جہاں کہیں بھی دولت کا سایہ پہنچا ہے۔ وہ ہمیں سے پہنچا ہے ؛

(۲) یہ ہو نہیں سکتا کہ بلبل باغ میں نالہ و فریاد نہ کرے۔ کیونکہ گلاب کا پودا (اُسی کی) آواز اور نغمہ سے نشو و نما پاتا ہے۔ (نالۂ عاشق مرغوب معشوق ہے) ؛

(۳) کوئی شخص بھی بلبل اور پروانے کے قصہ کو حل نہ کرسکا۔ جو شخص بھی اس داستان تک پہنچا۔ وہ سرگرداں رہ گیا۔ (عشق کی داستان ایک لاینحل معمہ ہے) ؛

(۴) غمزے کے ساتھ ہمارا یہ (عشق کا) معاملہ روزِ الست سے بھی پہلے موجود تھا۔ ابھی "ہاں" کی بات بھی نہ ہوئی تھی کہ (ہمیں) اس بلا (عشق) کا زخم لگ گیا۔ (ہم ازل سے دردِ عشق میں مبتلا ہیں) ؛

(۵) ہر شخص اپنی طاقت کے مطابق اُس کا غمِ عشق برداشت کرتا ہے۔ (جس طرح) لوہا مقناطیس تک اُس کی کشش کے موافق کھنچتا ہے۔ (مقناطیس میں جس قدر قوت زیادہ ہوگی اُسی قدر وہ زیادہ سے زیادہ مقدار میں لوہے کو کھینچ سکے گا۔ عاشق میں جس قدر عشق کمال پر ہوگا وہ غمِ معشوق زیادہ برداشت کرسکے گا) ؛

(۶) یہی شعر غزل نمبر ۱۷ میں نمبر ۳ پر گذر چکا ہے ؛

(۷) میری حسرت کے سبب حریفوں نے اپنا عیش تلخ کرلیا۔ (جیسے اُس) کھانے کا لطف جاتا رہا جس پر گدا کی نظر پڑ گئی رہی نے

للچائی ہوئی اور حسرت بھری نگاہ سے حریفوں کی خوش عیشی کی طرف دیکھا تو وہ بھی مکدر ہو گئے) ۔

(۸) دکھ بیگانوں کے رنگڑے ہوئے) زخم سے پہنچا کرتا ہے۔ (مگر میرے) دل کا زخم ایک دوست کی طرف سے لگا ہے۔ اس پر مرہم مت رکھو۔ (کہ یہ مجھے محبوب ہے اور تکلیف نہیں دیتا) ۔

(۹) شراب پلا کہ خلوت و پرہیزگاری کا وقت گذر چکا۔ کیونکہ غنچے کے نقاب کا کونہ باد صبا کے ہاتھ آ گیا ہے۔ (صبا نے غنچوں کو کھلا دیا ہے صبح یا بہار ہے اور پینے پلانے کا لطف اسی وقت ہے) ۔

(۱۰) کسی شخص نے بھی جفا میں رضا کے طریق کو انجام تک نہ پہنچایا۔ (جفا کے مقابل آخر تک صبر و رضا اختیار کئے رکھنا بے حد مشکل ہے) مگر میں حیرت میں ہوں کہ نظیری کا معاملہ کہاں تک پہنچ چکا ہے۔ (کہ وہ جفا کے مقابل آخر تک طریق رضا اختیار کئے ہوئے ہے) ۔

غزل نمبر ۲

بحر رمل مثمن محذوف — فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلن

تقطیع

پائے مالم	فتنئہ را	ہر کہ در شو	ر آورد
فاعلاتن	فاعلاتن	فاعلاتن	فاعلن
بر سر سے را	ہم بلا از	ہر طرف زو	ر آورد

پائمالم فتنۂ را ہر کہ در شور آورد ۔ ۱ ۔ بر سر راہم بلا از ہر طرف زور آورد

تخم غم در آب و خاک من مگو بر میدہد ۔ ۲ ۔ خرمنے حاصل کنم گر دانۂ مور آورد

آنکہ شام زندگانی شمع بالینم نشد ۔ ۳ ۔ کے پس از مرگم چراغے بر سر گور آورد

عشق و تشریف ہم آغوشی محالست اینکہ کس ۔ ۴ ۔ خلعت سلطاں برائے مفلس و عور آورد

نے ہمیں ہنگامۂ رسوائی من شد بلند ۔ ۵ ۔ عشق دائم بر سر بازار مستور آورد

حسن گل برقے بہ بستاں زد کہ اکنوں شاخ گل ۔ ۶ ۔ بلبل و پروانہ را مجروح و رنجور آورد

۷ ۔ مجلس عشق از فروغ من نظیری روشن ست
موسیٰ از بہر چراغم آتش طور آورد

(۱) میں اس فتنے سے پامال ہو رہا ہوں کہ جس وقت وہ شورش برپا کرتا ہے۔ تو میرے راستے میں مصیبتیں ہر طرف سے زور لا ڈالتی ہیں ۔

(۲) مت سمجھو کہ غم کا بیج میرے جسم (کے آب و خاک) میں پھل دیتا ہے۔ بلکہ اگر کوئی چیونٹی ایک دانہ بھی لے کر آتی ہے۔ تو میں اس سے ایک خرمن حاصل کر لیتا ہوں۔ (تھوڑے پر قناعت کر کے اسے بہت سمجھتا ہوں) ۔

(۳) جو شخص میری زندگانی کی شام (نزع کی حالت) میں میرے سرہانے کی شمع نہ بنا۔ (میری خبر کو نہ آیا) وہ میری موت کے بعد میری قبر پر چراغ لے کر کب آئیگا ۔

(۴) عشق اور وصال کی خلعت! (عشق میں وصل کی خلعت ملنا ناممکن) یہ محال ہے۔ کہ کوئی شخص ایک ننگے دھڑنگے اور کنگال کے لئے شاہی خلعت لے کر آئے ۔

(۵) صرف یہی نہیں کہ میری ہی ذلت کا ہنگامہ بلند ہوا ہے۔ (صرف میں ہی عشق میں ذلیل نہیں ہوا) بلکہ عشق ہمیشہ خلوت گزین اور تنہائی پسند لوگوں کو بر سر بازار لے آتا ہے (اور ذلیل کروا دیتا ہے) ۔

(۶) پھول کے حسن نے باغ میں ایسی بجلی بھر دی کہ اب پھول کی شاخ بلبل اور پروانے کو زخمی اور رنجور کر رہی ہے۔ (گل کا حسن

جہانسوز بلبل اور پروانے کو یکساں بے قرار کر رہا ہے۔ پروانہ شمع پر جلتا ہے جو موم سے بنتی ہے۔ اور موم شہد کی مکھی گلاب سے لاتی ہے) ؎

(۷) اے نظیری عشق کی مجلس میری ہی نور سے نورانی ہے۔ میرے چراغ کے لئے (حضرت) موسیٰ آتش طور لاتے ہیں (میرا عشق عشق حقیقی ہے۔ اور مجازی عشق کی مجالس اسی سے روشن و مستنیر ہیں) ؎

غزل نمبر ۲۸

بحر ہزج مثمن سالم — ارکان:- مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن

تقطیع

ہوس پروا	نَ اس تمہا	بگردے دُو	دمے گردد
مفاعیلن	مفاعیلن	مفاعیلن	مفاعیلن
نظر خوبس	تَ اما دل	غبارالو	دمے گردد

۱ ہوس پروانہ است امّا بگردِ دُود میگردد | نظر خوبست امّا دل غبار آلود میگردد

۲ ز کاوشہائے مژگانِ تو پُرخوں دیدہٗ دارم | کہ گر شویم بآب بحر، خون آلود میگردد

۳ دلم را کردہ ذوقت خوش، دگر نگذارم از دستش | دہد تا باز ذوقے دست غم فرسود میگردد

۴ تو گر برہم زنی سودائے دل نازے زیاں داری | مرا سرمایۂ دنیا و دیں نابود میگردد

۵ دریں مدت غمِ ہجراں عبث بر خود پسندیدم | ندانستم کہ از مرگم دلت خوشنود میگردد

۶ کس ایں بے اعتدالیہائے حُسنت را کجا گوید | کہ عاشق بیشتر از مہر و وفا مردود میگردد

۷ بشفقت گاہ گاہے سوئے خود مبخواں نظیری را
جدائی دیدہ از وصلت تسلّی زود میگردد

(۱) ہوس بھی پروانہ تو ہے۔ مگر (وہ) جو دھوئیں کے گرد منڈلاتا پھرتا ہے۔ (ہوس اور عشق میں یہی امتیاز ہے کہ ع بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق۔ مگر ہوس خطرات میں پڑنا شیوۂ عقل کے خلاف سمجھتی ہے) نظر (ہوس کی نظر سے کسی حسین کو دیکھنا) خوب ہے۔ مگر اس سے دل غبار آلود (میلا) ہو جاتا ہے۔ (دل میں لگن لگی ہو اور تصور کئے بیٹھے رہیں۔ تو یہ عشق اور صفائے دل کا موجب ہے۔ مگر صرف نظر بازی تو ہوس پرستی اور اس لئے کدورت قلبی کا باعث ہے) ؎

(۲) تیری پلکوں کے زخموں کے سبب میری آنکھیں ایسی زخمی ہو رہی ہیں۔ کہ اگر میں اُن کو سمندر کے پانی سے دھونے لگوں تو (وہ بھی) خون آلود ہو جائے۔ (گریۂ خون کا سیلاب عشق میں تھم نہیں سکتا) ؎

(۳) تیرے ذوق نے میرے دل کو خوش کر دیا ہے۔ (اس لئے) اب اُسے میں کبھی نہ چھوڑونگا۔ (نگذارم از دستش۔ از دست نگذارمش اُسے ہاتھ سے نہ دونگا) کیونکہ جب تک پھر (از سرِنو) ذوق حاصل ہو۔ وہ (دل) غموں سے گھُل چکا ہوگا ؎

(۴) اگر تو دل کے سودے کو برہم (رد۔ منسوخ) کر دے۔ تو تیرے (صرف) ایک ناز کا نقصان ہوگا۔ (کہ تیرے ایک ناز نے دل خرید لیا اور سودا پھیرنے سے تیرا ایک ناز ضائع چلا گیا) مگر میرا تو دین و دنیا کا سرمایہ (دل) برباد ہو جائیگا۔ (کہ اب وہ میرے کام کا نہیں بلکہ صرف تیرے کام کا رہ گیا ہے) ؎

(۵) میں اس قدر عرصے تک جدائی کے غم کو فضول اپنے لئے پسند کر کے برداشت کرتا رہا۔ مجھے معلوم نہ تھا کہ تیرا دل میری موت سے خوش ہوتا ہے۔ (اگر مجھے پہلے معلوم ہوتا۔ تو غمِ ہجراں کیوں برداشت کرتا۔ دوسرا پہلو یہ ہے۔ کہ تجھے خوش کرنے کے لئے میں بہت پہلے بخوشی جان دے دیتا) ؎

(۶) کوئی شخص تیرے حُسن کی بے اعتدالیوں کا شکوہ کہاں کرے۔ کیونکہ عاشق اپنی وفا و محبت کے سبب (جن کے باعث اُسے

مقبولیت حاصل ہونی چاہئے) تیرے نزدیک مردود ہوتا ہے۔

(۷) کبھی کبھی محبت سے نظیری کو اپنے پاس بُلالیا کر (کیونکہ) وہ جدائی دیکھے ہوئے ہے۔ (اس لئے) تیرے وصل سے جلد مطمئن ہوجائے گا۔ (بخوائے قدرِ عافیت کسے داند کہ بمصیبتے گرفتار آید۔ وہ ہجر کی سختیوں کو برداشت کرچکا ہے۔ وصل سے فوراً مطمئن ہوکر تمام شکوے اور شکایتیں بُھلا دیگا۔ تسلّی۔ فارسی میں اطمینان اور مطمئن دونوں معنوں میں مستعمل ہے)۔

غزل نمبر ۲۹

بحر مضارع مثمن مقبوض آخری رکن مجنون محذوف ارکان:- مفاعلن فعلاتن مفاعلن فعلن

تقطیع } مفاعلن فعلاتن مفاعلن فعلن
گہے کِ وق تِ علاجے دماغِ من باشد
نسیم در یمنو نا فِ در ختن باشد

گہے کہ وقتِ علاجِ دماغِ من باشد ۱ نسیم در یمن و نافہ در خُتن باشد
مقیّدم بہ بتِ خود چنانکہ میخواہم ۲ نہ بت پرست نہ بتگر نہ بت شکن باشد
زطورِ عشق ہمہ کارِ عقل دیگر شد ۳ چو آصفے کہ سلیمانش اہرمن باشد
مشو بخویش مقیّد کہ مُرغِ زیرک را ۴ خطر کیست کہ مشغولِ خویشتن باشد
سفر گزیں کہ نہالِ اوّل ار ملول شود ۵ زمینِ غربتش آخر بہ از وطن باشد
چو ذرّہ ام بہوائے درِ تو بازاریست ۶ کہ دور گردیٔ من رشکِ انجمن باشد
زبسکہ جامہ زشوقِ تو پارہ پارہ کنم ۷ بہر چہ دست زنم چاکِ پیرہن باشد
تواں زنامۂ من یافت اشتیاقِ مرا ۸ عیارِ شوق باندازۂ سخن باشد
زنالہ بس نکنم زانکہ کم رسد آسیب ۹ بداں درخت کہ مرغِ صفیر زن باشد

چو شاخِ گل ہمہ مرغاں سزد کہ گوش شوند
۱۰ کہ بلبلے چو نظیری دریں چمن باشد

(۱) جب میرے دماغ کے علاج کا وقت ہو تو نسیم یمن میں اور نافہ ختن میں ہی رہے (تو اچھا ہے میرا علاج دماغ محبوب کی زلفوں کی خوشبو ہے۔ مجھے نسیم یمن اور نافۂ ختن سے وحشت ہوتی ہے۔ خوشبو درحقیقت امراضِ دماغی میں مضر ہے)

(۲) میں اپنے بت (معشوق حقیقی) سے ایسا وابستہ ہوں کہ چاہتا ہوں کہ نہ کوئی بت پرست ہو نہ بت گر اور نہ بت شکن ہی (میرے اور معشوق کے سوا اور کوئی وجود ہی نہ رکھتا ہو۔ خصوصاً جسے اس کے ساتھ کسی قسم کی بھی نسبت حاصل ہو۔ اگرچہ وہ نسبت مخالفت ہی کی کیوں نہ ہو۔ جیسے بت کو۔ دوسرے معنی یہ ہوسکتے ہیں کہ جو نسبت تقید مجھے اس بت سے حاصل ہے میری خواہش ہے یہ نسبت کسی اور کو حاصل نہ ہو)

(۳) عشق کے طور طریقوں سے عقل کا تمام کاروبار درہم برہم ہوگیا ہے جیسے وہ آصف کہ جس کا سلیمان شیطان بن گیا ہو۔ (آصف حضرت سلیمان کے وزیر تھے۔ مشہور ہے کہ حضرت سلیمان کی انگوٹھی گم ہوگئی اور ایک جن نے اس پر قابو پاکر حضرت کے تخت پر قبضہ کرلیا۔ الخ)

(۴) خودی میں مقیّد مت ہو جاکہ دانا پرندہ کے لئے وہی خطرے کا موقع ہوتا ہے جب وہ اپنے (آراستہ کرنے) میں مشغول ہو (خودی

و خود پرستی انسان کو برباد کر دیتی ہے ۔ کہ پرندہ جب اپنی آرائش تن میں مشغول ہو تو شکاری اسے غافل پاکر گرفتار کر لیتا ہے)

(۵) تو بھی سفر اختیار کرے۔ کیونکہ پودا اگر شروع میں ہی کملانے لگے ۔ تو آخر کار زمین غربت اس کے لئے وطن سے بہتر ثابت ہوتی ہے (اگر چھوٹا پودا سوکھنے لگے تو اسے ایک جگہ سے اکھاڑ کر دوسری جگہ لگا دیا کرتے ہیں ۔ اور پھر وہ نشو دنما پانے لگتا ہے ۔ تجھے بھی سفر سے کامیابی حاصل ہوگی)

(۶) (ذرہ اسم اسمیم اضافی ہے یعنی "ذرہ من" (ہوا) محبت (بازار) رونق خوبی پہل پہل (رشک انجمن) اے رشک اہل انجمن (ترجمہ) مطلب تیرا جب میرے ذرہ خاک) کو تمہارے دروازہ کی محبت سے خوبی ہے ۔ تو میرا دھاز انجمن (دروازہ پر رہنا) اہل انجمن کیلئے رشک کا باعث ہے چونکہ جو محبت مجھ میں ہے وہ اہل انجمن میں نہیں پھر مجھ پر انہیں رشک کیوں نہ آئے اگرچہ اس کی بزم سے دور ہوں ۔

(۷) چونکہ میں تیری محبت میں اپنے لباس کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالتا ہوں اس لئے جس چیز کو بھی ہاتھ لگاتا ہوں وہی چاک پیراہن کی طرح ہو جاتی ہے (ہاتھ جامہ دامن کے عادی ہو چکے ہیں ۔ اس لئے جس چیز کو ہاتھ لگاتا ہوں جنون عشق میں اسی کو توڑ پھوڑ ڈالتا ہوں ۔)

(۸) میرے اشتیاق و محبت کو میرے خط (کے مضمون) سے معلوم کیا جا سکتا ہے ۔ شوق کا معیار سخن کے انداز ہی کے مطابق ہی ہو سکتا ہے (انسان کی باتوں سے اس کے درجہ محبت کا اندازہ ہو سکتا ہے ۔ تم میرے خط سے میرے عشق کا اندازہ کر سکتے ہو)

(۹) میں نالہ کرنے سے نہیں رکوں گا کیونکہ اس درخت کو نقصان نہیں پہنچتا جس پر چہچہانے والا پرندہ بیٹھتا ہو (میں اپنے نالے کی وجہ سے آزار سے محفوظ رہوں گا ۔ کیونکہ جس درخت پر خوش الحان پرندے بیٹھ کر چہچہاتے ہوں ۔ اسے کاٹا نہیں کرتے)

(۱۰) (دوسرا مصرعہ پہلے) جب نظیری جیسا بلبل اس باغ میں چہچہا رہا ہو تو چاہیئے کہ تمام پرندے شاخ گل کی طرح ہمہ تن گوش ہو جائیں (جب میں شعر پڑھنے لگوں) تو باقی تمام شعرا کو جو میرے مقابلہ میں ہیچ ہیں خاموش ہو کر میرے اشعار سننے چاہئیں ۔

غزل نمبر ۳۰

بحر ہزج مثمن اخرب مکفوف محذوف — ارکان: مفعول مفاعیل مفاعیل فعولن

تقطیع: آنرا ک (مفعول) قبولِ تو (مفاعیل) خریدار (مفاعیل) نباشد (فعولن) — در بیع (مفعول) گہِ ہیچ (مفاعیل) دلش بار (مفاعیل) نباشد (فعولن)

آنرا کہ قبولِ تو خریدار نباشد ۔ ۱ ۔ در بیع گہِ ہیچ دلش بار نباشد

از قیمتِ یوسف[۲] نشود یک سرِ مو کم ۔ ۲ ۔ ہرچند خریدار ببازار نباشد

گویا تو بروں میروی از سینہ وگرنہ ۔ ۳ ۔ جاں دادنِ کس ایں ہمہ دشوار نباشد

از نرگسِ مخمورِ تو در بستر و بالین ۔ ۴ ۔ بر پائے رود فتنہ و بیدار نباشد

از جادوِ حسنِ تو کہ در پیشِ جمالت ۔ ۵ ۔ بر خاک طپد صید و گرفتار نباشد

غم یارِ من و بخت سراسیمہ کہ ایں غم ۔ ۶ ۔ گر از تو بود چوں زنمش عار نباشد

آں شعلہ کہ افتد بخس و خارِ عشق است ۔ ۷ ۔ ہر سوختہ زیں نشئہ خبر دار نباشد

بادردِ تو از کس نکند یاد نظیری
۸ ۔ پروانہ کہ سوزد بگلش کار نباشد

(۱) وہ شخص کہ تیری قبولیت اس کی خریدار نہ ہو (تو جسے قبول نہ کرے) تو پھر کسی دل کی منڈی میں بھی اس کو بار نہیں مل سکتا (اسے کوئی بھی پسند نہیں کرتا)

(۲) یوسف ؑ کی قیمت میں ایک بال برابر بھی کمی نہیں آ سکتی ۔ اگرچہ بازار میں کوئی ایک بھی خریدار موجود نہ ہو (قدر ناشناسی جنس سے قیمت

جنس میں فرق نہیں آجاتا)

(۳) (موت کے ساتھ اگر) یا تو سینہ سے نکل کر جا رہا ہے ورنہ کسی کے (میرے) لئے یہ جان دیدینا تو کچھ زیادہ مشکل نہیں ہے (جان دینے کو تیار ہوں۔ لیکن اس کے ساتھ تو بھی تو نکل جائیگا۔ اور یہ مجھے گوارا نہیں۔ اور دوسرا لطف یہ ہے کہ تو یا معشوق ہما جان ہے۔ کہ نتواں ترا و جاں را زہم امتیاز کردن)

(۴) تیری مخمور نرگس جیسی آنکھوں کے سبب بستر و بالین میں فتنہ برپا ہے۔ اس کے باوجود وہ بیدار نہیں ہوتیں (تیری نیم باز مخمور آنکھیں فتنے برپا کر رہی ہیں۔ اور لطف یہ ہے کہ خود انہیں اس کی خبر نہیں)

(۵) یہ بھی تیرے حسن کے جادو کا ایک کرشمہ ہے کہ تیرے جمال کے سامنے شکار زمین پر تڑپتا ہے۔ حالانکہ وہ گرفتار نہیں ہے (گرفتاری کے ظاہری اسباب کے فقدان کے باوجود عاشق کو معشوق سے وہ لگاؤ ہے کہ کسی طرح نہیں ٹوٹ سکتا)

(۶) (تیرا) غم میرا یار ہے۔ اور میرا بخت حیرت میں ہے کہ اگر یہ غم تیرا ہی ہے۔ تو اسے مجھ (نظیری) سے عار کیوں نہیں ہے (کہ مجھ سے عار ہے پھر یہ غم عشق بھی جسے تجھ سے نسبت حاصل ہے کیوں میری جان کو کھائے جاتا ہے)

(۷) (اہر) وہ شعلہ جو خس و خار میں گرتا ہے۔ عشق نہیں ہے۔ بوالہوس میں اگر کچھ جذبات محبت کا اثر نظر آئے تو وہ عشق نہیں) ہر بظاہر سوختہ ساماں اس تشنہ (عشق) سے آگاہ نہیں ہوتا۔

(۸) تیرے درد عشق کے ہوتے ہوئے نظیری کسی اور کو یاد نہیں کرتا جو پروانہ کہ شمع پر عشق میں جل مرتا ہے اسے پھول سے کوئی کام نہیں ہوتا (عاشق کو درد عشق کے سوا کسی سے کچھ سروکار نہیں)

غزل نمبر ۳۱

بحر ہزج مثمن اخرب مکفوف مقصور یعنی ارکان: مفعول مفاعیل مفاعیل فعولان

تقطیع				
	دوشینہ سَ	رودے دِ	ل افگار	براورد
	مفعول	مفاعیل	مفاعیل	فعولان
	کا ہو ز	حرم مرغ	ز گلزار	براورد

دوشینہ سرودے دل افگار براورد ۱ کاہو ز حرم مرغ ز گلزار برآورد

امسال دگر اشک صلاح ودم زہدم ۲ زنگ مے پار و گل پیرار برآورد

من توبہ نیاوردہ ام از کعبہ کہ کافر ۳ بت از گرو خانۂ خمار برآورد

تنہا نہ مرا راہ زد از بوالعجبی عشق ۴ بس شیخ کہ از خرقۂ زنار برآورد

ہر خار کہ اندر رہ ما بر کف پا خورد ۵ صد رنگ گل از گوشۂ دستار برآورد

پدکرد بما ہر کہ در خلوت ما زد ۶ مار از سرا پردۂ دیدار برآورد

چوں کبک خرامندہ بہرہ کہ گذشتی ۷ جولان تو طاؤس ز رفتار برآورد

بس سر کہ بدر بردہ افلاک نظیری
۸ کیں صبح طرب را ز شب تار برآورد

(۱) کل رات میرے زخمی دل نے ایسا درد انگیز راگ الاپنا شروع کیا کہ وہ ہرن کو حرم سے اور پرندوں کو باغ سے نکال لایا۔ (نغمہ کی درد انگیزی سے متاثر ہو کر بیتابی میں سب نے اپنے نشیمن چھوڑ دیئے اور سننے کے لئے نکل آئے)

(۲) اس سال پھر میری پرہیزگاری کے آنسوؤں اور زہد کے دم زاہدانہ آہوں نے گذشتہ سال کی سی شراب اور دو سال پہلے

کے سے پھولوں کا رنگ ظاہر کیا ہے (رشکِ صلاح دوم زہد اور رنگ مے پار و گل بہار میں لف و نشر مرتب ہے۔ آنسو ایسے سرخ ہیں جیسے یکسالہ شراب اور آہیں ایسی پژمردہ اور بے اثر جیسے دو سال کے پھول۔)

(۳) میں کعبے سے توبہ تو نہیں لایا ہوں (میں کعبہ سو توبہ کر کے نہیں آیا) کہ کافر شراب فروش کے گھر کو رہن رکھ کر بت کو لے آیا ہے (کہ مجھے توبہ شکنی پر آمادہ کرے۔ کعبے میں جانے کے باوجود میرا دل محبت غیر سے پاک نہیں ہوا)

(۴) عشق نے اپنی بوالعجبیوں سے صرف مجھے ہی نہیں لوٹا (راہ زدن: ڈاکہ ڈالنا) بلکہ کتنے ہی بزرگ ہیں جن کا خرقہ و زنار (لباس زہد و تقدس) اس نے اتار پھینکا۔

(۵) ہر وہ کانٹا جو ہمارے راستے میں پیروں کے تلووں میں چبھ گیا اس نے (اپنے) گوشہ دستار سے کئی رنگ کے پھول نکالے (میرے خیال میں گوشۂ دستار سے عاشق کے گوشۂ دستار کے مقابلے میں خار کا گوشۂ دستار مراد لینا زیادہ قرین قیاس ہے گویا ہمارے تلو کے خون نے کانٹوں کی اس قدر آبیاری کی ہے کہ ان سے سینکڑوں قسم کے پھل نکل آئے ہیں۔

(۶) جس شخص نے ہماری خلوت کا دروازہ کھٹکھٹا دیا اس نے ہم سے برائی کی۔ (کیونکہ اس کا یہ فعل ہمیں سراپردۂ دیدار سے باہر نکال لایا (خلوت میں ہم تصور محبوب کئے بیٹھے تھے۔ اس میں خلل پڑنے سے گویا ہم دیدار سے محروم ہو گئے)

(۷) تو جس راستے بھی خرام ناز سے چلنے والے چکور کی طرح سے گزر گیا تیری چال نے مور کو اس کی رفتار بھلا دی۔ (مور تیری چال کو دیکھ کر شرمندگی سے اپنی چال کر بھول گیا)

(۸) نظیری نے آسمانوں کے دروازے پر بہت سر مارا تب کہیں جا کر وہ اندھیری رات میں سے اس خوشی کی صبح کو نکال لانے میں کامیاب ہوا (بڑی دعاؤں اور تمناؤں کے بعد یہ صبح طرب حاصل ہوئی ہے)

غزل نمبر ۳۲

بحر مضارع مثمن مقبوض مخبون آخری رکن مخبون محذوف ارکان: مفاعلن فعلاتن مفاعلن فعلن

تقطیع: بخاطرم مفاعلن گلہ گش فعلاتن دو دوس دش مفاعلن من شد فعلن
دو دل چو شی مفاعلن ر و شکر بو فعلاتن د سنگ آ مفاعلن ہن شد فعلن

بخاطرم گلہ گشت دوست دشمن شد ۱ دو دل چو شیر و شکر بود سنگ و آہن شد

چو خانہ سر گشتست عہد را بنیاد ۲ ز ہر طرف کہ نسیمے وزید روزن شد

مرنج اگر نشدم مضطرب ز آمدنت ۳ چراغ دیدہ نمے داشت دیر روشن شد

در اشتیاق تو چنداں صنم صنم گفتم ۴ کہ شہر مسایہ نہ خود زاہد و برہمن شد

سر از عنان تو گفتم برون توانم برد ۵ کمند پا و سرم طرف جیب و دامن شد غبارت

کشید بر سر دیوار بوستاں دامے ۶ کہ گل ملول ازیں بلبلاں بشیون شد

مساز خندہ دگر رنجہ پا کہ نگشاید
۷ لب ملول نظیری کہ وقف شیون شد

(۱) میرے دل میں (معشوق سے) ایک شکوے کا خیال ہی پیدا ہوا (زبان پر لانے کا تو کیا ذکر) اور دوست (محبوب) میرا دشمن بن گیا (کہ دل میں بھی یہ ری شکایت کا خیال کیوں پیدا ہوا (اس سے پہلے ہم دونوں کے) دل شیر و شکر تھے۔ اب وہ لوہے اور پتھر کی طرح سخت ہو گئے ہیں۔

(۲) (معشوق سے) عہد کی بنیاد خانۂ سرگشت (وہ پھوس وغیرہ کا چھپر جو کھیت کے کنارے اس کی حفاظت و نگرانی کی غرض سے بنا لیا کرتے ہیں) کی مانند (کمزور) ہے کہ جس طرف سے بھی ذرا سی ہوا چلتی ہے اس میں سوراخ ہو جاتا ہے۔ (محبوب ادنیٰ سے عذر کی بنا پر عہد شکنی کا عادی ہے)۔

(۳) اگر میں تیری آمد پر مضطرب اور بیقرار نہیں ہُوا تو ناراض نہ ہو کیونکہ میری آنکھوں کا چراغ نمناک تھا اس لئے دیر سے روشن ہُوا (آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا رہے ہوں تو کچھ نظر نہیں آیا کرتا۔ اسی طرح چراغ کی بتی کا سرا روغن میں تر ہو۔ تو جلد روشن نہیں ہوا کرتا۔ شاعر کہتا ہے۔ کہ معشوق آیا مجھے اس لئے کہ آنسو آنکھوں میں تھے خبر تک نہ ہوئی۔ وہ ناراض ہونے لگا۔ کہ میں نے بے اعتنائی برتی۔ اور عشق و بیتابی کا اظہار نہ کیا۔ اس کی توجیہہ کرتا ہے۔ کہ چراغ دیدہ نمے داشت الخ

(۴) میں نے تیری محبت میں اس قدر "صنم صنم" کہا کہ (میرے استقلال و یکجہتی کو دیکھ کر) زاہد اور برہمن اپنے آپ میں شرمندہ ہونے لگے زاہد اور برہمن اس استقلال و پامردی اور خلوص کے ساتھ اپنے معبود کی عبادت نہیں کرتے)

(۵) میں نے سوچا تھا کہ تیرے شکنجے سے نکل جاؤں گا (سر از عنان بردن یا تافتن۔ بے لگام اور آزاد ہو جانا) لیکن میرے اپنے ہی جیب و دامن کے کنارے میرے سر اور پیروں کے لئے کمند ہو گئے (تیرے عشق کے پنجے سے نکلنا ممکن نہ ہُوا۔ جنونِ عشق میں جیب جیب۔ اور دامن دامن نہ رہا۔ بلکہ جیب پھٹ کر سر کا اور دامن پھٹ کر پیروں کا کمند ہو گیا)

(۶) باغ کی دیوار کے اوپر جال لگا دو کیونکہ ان نالہ و شیون کرتی ہوئی بلبلوں سے گل بیزار ہو گیا ہے (عشاق کے نالہ و فریاد سے معشوق کو رنج پہنچتا ہے۔ دیوارِ بوستاں پہ جال لگانے کا فائدہ ایک تو یہ بلبل اندر نہ آ سکیں دوسرے گرفتار بھی ہو تے جائیں۔ معشوق عشاق سے بیزار ہونے کے باوجود یہ بھی نہیں چاہتا کہ وہ اس کے قبضے سے نکل جائیں)

(۷) تو اب اپنی ہنسی کو تشریف آوری کی تکلیف نہ دے کیونکہ نظیری کے رنجیدہ لب جو نالہ و فریاد کے لئے وقف ہو چکے ہیں ہنسنے کے لئے نہیں کھلیں گے (پہلے مصرع کی نثر میرے اس ترجمہ کے مطابق یہ ہے "دگر خندہ را رنجہ پا مساز۔ ہنسی کو زحمتِ رفتار نہ دے" میں نالہ و فریاد کا اس قدر عادی ہو چکا ہوں کہ اب کوئی چیز یہاں تک کہ خندۂ محبوب بھی مجھے آمادہ تبسم نہیں کر سکتا)۔

غزل نمبر ۳۳

بحر مضارع مثمن اخرب مکفوف مقصور — ارکان: مفعول فاعلات مفاعیل فاعلات

تقطیع

فاعلات	مفاعیل	فاعلات	مفعول
ہا دہ اند	بباطل ن	را بہانَ	ایں کعبہ را
ہادہ اند	ودریں گل ن	ئے جمال	بس معن

١ ایں کعبہ را بہانہ بباطل نہادہ اند ١ بس معنئے جمال دریں گل نہادہ اند

در ماندہ گشتہ است بایں کارِ عشق (تن) ٢ ہر سو ہزار عقدۂ مشکل نہادہ اند ن حق

زیں گل چہ دیدہ اند مگر حاملانِ عرش ٣ کز رنج راہ پایۂ محمل نہادہ اند

قلزم بشور رفتہ و عمان نشستہ تلخ ۴ زیں آبِ زندگی کہ بساحل نہادہ اند

آہ ایں چہ دستیست کہ سرہائے یکدگر ۵ خویشاں بریدہ در رہِ قاتل نہادہ اند

خوارم مکن کہ رنجشِ آبروئے را ٦ با خونِ صد شہید مقابل نہادہ اند

بر ہر کہ ہوشیار بود اعتراض کن ٧ مستاں قدم ببزمِ تو غافل نہادہ اند ن نیست

بنمائے رخ تمام کہ شاہانہ چیدہ اند ٨ شاہاں کہ خاں بدعوتِ سائل نہادہ اند

در بزمِ خلد نعمتِ ہر گونہ چیدہ شد ٩ حسبِ مراد دعوتِ سائل نہادہ اند

گردن بنہ بہ تیغِ نظیری کہ عاشقی

١٠ بر سر کلاہ مردمِ عاقل نہادہ اند

(۱) اس وجود کے کعبہ کی بنیاد (کار کنان قدرت نے) یونہی نہیں رکھی بلکہ اس مٹی میں حسن و جمال کے ہزار مضمون رکھ دیئے گئے ہیں۔ (لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم (قرآن) یا یہ کہ اس وجود میں دل رکھ دیا گیا ہے)

(۲) عشق اس کاروبار سے (جو اسے انجام دینا پڑتا ہے) پریشان ہو گیا ہے۔ کیونکہ ہر طرف ہزاروں مشکل گرہیں پڑی ہوئی ہیں (جو آسانی سے

(۳) محل مراد انسان خاکی بنیان حاملان عرش فرشتے (کہتے ہیں کہ عرش کے ستر پائے ہیں اور ہر پایہ کو ستر ستر ہزار فرشتے اٹھائے ہوئے ہیں) محمل عماری مراد امانت یعنی خلافت الہی۔ عرفان عشق خدا (ترجمہ مطالب خیز) ان فرشتوں نے جو عرش کو اٹھائے ہوئے ہیں نہ معلوم انسان خاکی بنیان میں کونسی ایسی بات دیکھی ہے۔ جو تکلیف راہ کے خیال سے محمل کا پایہ رکھ دیا یعنی بار امانت نہ اٹھا سکے اس آیت کی طرف اشارہ ہے انا عرضنا الامانۃ .... فحملها الانسان انہ کان ظلوما جہولا

(۴) (دوسرا مصرعہ پہلے) اس آب زندگی سے جیسے ساحل پر رکھ دیا گیا ہے۔ قلزم شور ہو گیا اور عمان کڑوا ہو گیا ہے زندگی کی تلخیوں نے سمندروں کے پانی کو بھی تلخ کر دیا ہے۔ حسن تعلیل)

(۵) آہ! یہ کیا دوستی ہے کہ خود اپنوں نے ایک دوسرے کے سر کاٹ کر قاتل کے راستے میں ڈال دیئے ہیں۔ (اس کے عشق میں عزیز و اقارب کو قربان کر دینا پڑتا ہے)

(۶) مجھے رسوا مت کر کیونکہ آبرو ریزی کو سو شہید کے خون کے مقابل رکھا گیا ہے (آبرو ریزی قتل سے کہیں بڑھ کر ہے)

(۷) جو کوئی ہوشیار رہا اس پر اعتراض کر (کہ وہ تیری مجلس میں کیوں آ دھمکا) مستوں نے تو تیری محفل میں بےخبری کے عالم میں قدم رکھا ہے۔ (اس لئے وہ قابل درگذر ہیں)

(۸) (نقاب ہٹا کر) پورا چہرہ (مجھے) دکھلا دے کیونکہ (تو پادشاہ ہے اور میں گدا) بادشاہ جو گدا کے لئے دعوت کا دسترخوان بچھاتے ہیں۔ اسے شاہانہ طریقے سے سجاتے ہیں۔

(۹) بزم خلد میں ہر قسم کی نعمتیں چنی گئی ہیں۔ گویا سائل کی دعوت اس کی مراد اور خواہش کے مطابق کی گئی ہے۔

(۱۰) اے نظیری! تلوار کے نیچے گردن رکھ دے۔ کیونکہ تو عاشق ہے۔ اس لئے کہ سر پر ٹوپی تو عقلمند لوگ رکھا کرتے ہیں (اور عاشق دیوانہ ہوتا ہے اسے سر کٹوا دینا چاہیئے)

غزل نمبر ۳۸

بحر مضارع مثمن مقبوض مخبون ارکان آخری رکن مخبون محذوف ارکان :- مفاعلن فعلاتن مفاعلن فعلن

تقطیع

بدل زشو	ق تُ چُو نا	ل در سما	عاید
مفاعلن	فعلاتن	مفاعلن	فعلن
اجابتز	در بام	باستما	عاید

بدل ز شوق تو چوں نالہ در سماع آید ۱ — اجابت از در و بامم باستماع آید

مئیست در خم شوقم کہ گر بجوش رود ۲ — ہزار ذرہ و پروانہ در سماع آید

چناں بنالش من روزگار خوش دارد ۳ — کہ گر خموش شوم بر سر نزاع آید

بہ بیع عشوہ بزم جہان کہ مست ناز ترا ۴ — اہانتے ست کہ خود بر سر متاع آید ن خرم

بجاست نالہ مرغ چمن کہ گل بشتاب ۵ — چناں رود کہ گدا زپئے وداع آید

چساں فسانہ بلبل برم بہ درد سرش ۶ — سریست آنکہ ز بوئے گلش صداع آید

سر از اطاعت فرماں کشم چو مجرم کے را ۷ — کہ بندہ کہ مطیع تو شد مطاع آید

نمونہ ز وصال تو و نمائش ماست — کہ ذرہ در نظر از ہستی شعاع آید

بصبر و دادِ نظیری قرار و فرماں دہ
۹ کہ غم بہ بدعت و ہجراں باختراع آید

(۱) میرے دل میں تیرے عشق کی وجہ سے جب نالہ وجد میں آتا ہے تو قبولیت میرے در و بام پر (میری فریاد و نالہ کو) سننے کے لئے آجاتی ہے (نالہ کرتا ہوں تو وہ اجابت حاصل کر لیتا ہے)

(۲) میرے عشق و شوق کے خم میں وہ شراب ہے کہ اگر وہ جوش میں آجائے تو ہزاروں ذرے اور پروانے وجد میں آجائیں (میرا جوشِ عشق ہزاروں عشاق کو مست و دیوانہ بنا دینے کو کافی ہے)

(۳) میرے نالہ و فریاد سے زمانہ اس قدر خوش رہتا ہے کہ اگر میں خاموش ہو جاؤں تو وہ (زمانہ) جھگڑنے لگتا ہے (زمانہ مجھے کبھی بے نالہ و فریاد نہیں چھوڑتا۔ مصائب یکے بعد دیگرے آتے رہتے ہیں)

(۴) میں اس کے ناز کے پاس بیچنے کو خود جان لے کر جا رہا ہوں کیونکہ میرے مست ناز محبوب کی یہ توہین ہے کہ وہ خود خریدنے کیلئے سامان کے پاس آئے (بیع: خرید و فروخت دونوں معنوں میں آتا ہے۔ یہاں بمعنی فروخت ہے۔ میں خود جا کر اس کے ایک ناز پر جان قربان کرنے کو تیار ہوں۔ اُسے تشریف آوری کی زحمت فرمانے کی ضرورت نہیں)

(۵) باغ کے پرندوں کا نالہ بالکل جائز ہے کہ پھول اس قدر جلد چلا جاتا ہے کہ پژمردہ ہو جاتا ہے (کہ گویا وہ آتا ہی رخصت ہونے کو ہے) وقت وداع کلی کو ملنے جاتے ہیں تو چند منٹ سے زیادہ نہیں ٹھہرتے پھول کی زندگی بالکل مختصر ہے۔ پرندوں کے نالہ کا یہی سبب ہے) حسن تعلیل ہے)

(۶) میں اس کی سر دردی کے لئے اس کے پاس بلبل کا قصہ کیسے لیجاؤں۔ کیونکہ اس کا سر تو ایسا ہے جیسے پھول کی خوشبو سے درد ہونے لگتا ہے (صُداع۔ دردِ سر) اس کی طبع نازک پھول کی خوشبو کی تاب نہیں لا سکتی۔ بلبل کا افسانۂ درد وہ کیسے سن سکتا ہے)

(۷) میں جمشید اور کیخسرو کی فرمانبرداری سے سر پھیر لیتا ہوں کیونکہ جو شخص تیرا فرمانبردار ہو گیا وہ دوسروں کا فرمانروا ہو جاتا ہے۔ (میں نے تیری غلامی اختیار کر لی ہے۔ وہ شاہی سے بڑھ کر ہے۔ ملیت

تو ہم گردن از حکم داور مپیچ ۔ کہ گردن نہ پیچد ز حکم تو ہیچ)

(۸) تیرے وصال کا ذرا سا نمونہ اور ہماری نمائش دو۔ لزوم کے لئے یعنی ہماری ہستی کی نمائش و نمود تیرے ذرا سے وصال کے ساتھ لازم ہے۔) کیونکہ ذرہ شعاع کے وجود سے ہی نظر آیا کرتا ہے (جس طرح شعاع کے وجود کے بغیر ذرہ نہیں نظر آتا۔ اسی طرح اس ہستیِ مطلق کے عکس کے بغیر ہمارا وجود ظہور نہیں رکھتا)

(۹) تو نظیری کے صبر دادرسی کا حکم و فرمان دے۔ کیونکہ غم جدت کیلئے اور ہجر اختراع کے لئے (اس کے پاس) آتا ہے (تو ہی نظیری کو صبر عطا کر کیونکہ اس پر غم و ہجر نت نئے نئے مظالم توڑتے ہیں)

غزل نمبر ۳۵

بحر رمل مثمن ابتر — ارکان: فاعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلن

تقطیع:

کس چُ من نی (س)	ت ک پیشے	نظر ز دل	برود
فاعلاتن	فعلاتن	فعلاتن	فعلن
غائب ز دی	و نگہ رود	ز مقابل	برود

کس چو من نیست کہ پیشِ نظر از دل برود ۔ غائب از دیدہ نگہ دو ز مقابل برود

دولتے بود کہ مُردم بہ ہنگامِ وداع ۲ آں قدر زندہ نماندیم کہ محمل برود

راہِ بیگانگی پیش نداری کہ کسے ۳ بدلیلِ رہ دِطے کردنِ منزل برود

صبر داریم کہ ایں تہمتِ عشق از سرِ غیر ۴ ہمچو خونِ بجسل از گردنِ قاتل برود

قصہ بالعزیزانِ وطن خواہد گفت ۵ ہر کرا تختہ ازیں ورطہ بساحل برود

نیکوئی دوستی آرد بدلِ دشمن و دوست ۶ ہمہ جا سر زند ایں ریشہ چو در گِل برود
مردِ عاشق نہ بہد دل بتماشائے جہاں ۷ آں دہد کیسہ بطرار کہ غافل برود
سرِ چشمانِ تو گردم کہ ز بس خونخواری ۸ قطرۂ خوں نگذارند ز بسمل برود
من و آزار نظیری زسم عار مباد
۹ بزباں آید از آنم گلہ کز دل برود

(۱) میری حالت بھی عجیب ہے کہ باوجود اس کے کہ محبوب کی نظروں کے سامنے ہوں لیکن اس کے دل میں گھر نہیں کر سکا کیونکہ اگرچہ اس (محبوب) کی آنکھوں سے غائب نہیں ہوں لیکن درحقیقت اور بالمعنے اس کے سامنے سے غائب ہوں (یعنی میرے بخت کی نارسائی اور اس کی شان تغافل کا یہ عالم ہے کہ اس کے سامنے ہوتے ہوئے بھی نہیں ہوں۔ مثل تو یہ تھا کہ آنکھ اوجھل پہاڑ اوجھل نظیری اس کو الٹ کر ایک مضمون پیدا کرتا ہے۔ کہ آنکھ سے اوجھل نہیں لیکن دل سے اوجھل ہوں)
(۲) (عاشق کے نزدیک وصل یار سب سے بڑی نعمت اور ہجر یار سب سے بڑی مصیبت ہے۔ اس خیال سے نظیری کہتا ہے۔ ترجمہ) یہ کیسی خوش نصیبی تھی کہ جب محبوب جانے والا تھا۔ ہم مر گئے۔ اور اتنی دیر بھی زندہ نہ رہے کہ محمل (محبوب کی سواری) روانہ ہو جائے۔ (نظیری موت کو خوش نصیبی اس لئے خیال کرتا ہے۔ کہ حرمان ہجر سے بچ گیا۔ اور محبوب کو ہماری جاں سپاری اور وفاداری کا یقین بھی کامل ہو گیا۔)
(۳) (اے محبوب) تجھ تک پہنچنے کا راستہ ایسا بیگانہ نہیں ہے کہ جو رہبر کی مدد سے طے ہو سکے (راہ معرفت دلائل و براہین اور اختیار یا سعی سے طے نہیں ہو سکتا بلکہ اس کا تعلق قلب کی پاکیزگی اور صفائی سے ہے۔ جو خدا کی دین ہے۔ یعنی کوشش سے بے نیاز ہے)
(۴) (اس واقعہ کو کہ لوگ رقیب کو عاشق کہتے ہیں تہمت سے تعبیر کیا ہے۔)
ترجمہ۔ ہم اس تہمتِ عشق پر جو لوگوں نے رقیب پر باندھ رکھی ہے۔ صبر کرتے ہیں (اور اس وقت کے منتظر ہیں جب) یہ تہمت غیر (رقیب) کے سر سے اس طرح ٹل جائے جس طرح معاف کیا ہوا خون۔ قاتل کی گردن سے ٹل جاتا ہے (آزمایش کے بعد اس کے عشق میں پورا نہ اترنے کی بنا پر لوگ خود بخود کہنے لگیں کہ رقیب عاشق صادق نہ تھا)
(۵) جس شخص کا تختہ اس بھنور (عشق کے گرداب) سے ساحل پر (سلامت) پہنچ جائے گا وہ ہمارا قصہ (کہ نظیری عشق کے دریا میں غرق ہو گیا ہے) ہمارے عزیزان وطن سے بیان کرے گا (یعنی نہ کوئی عشق کے بھنور سے باہر جائیگا اور نہ ہماری موت کا پتہ چلے گا۔ اور اگر کوئی عشق کے دعوے کے باوجود سلامت بچ رہے گا تو وہ بوالہوس ہو گا نہ کہ عاشق صادق)
(۶) نیکی دوست اور دشمن (دونوں) کے دل میں یکساں محبت پیدا کرتی ہے۔ یہ ریشہ (نیکی) جہاں کہیں بھی لگا یا جائے سرسبز ہوتا ہے (یعنی نیکی دوست اور دشمن دونوں کے دل میں گھر کر لیتی ہے۔)
(۷) عاشق دنیا کے تماشہ پر (جو ایک کیسہ بریدہ سے مشابہ ہے اپنا) دل نہیں دیتا۔ کیونکہ وہی شخص گرہ کٹ سے کیسہ کٹوا لیتا ہے جو غافل ہو۔ عاشق تماشائے جہاں کو دیکھ کر عشق سے غافل نہیں ہو سکتا اس لئے وہ محفوظ ہے)
(۸) میں تیری آنکھوں کے قربان! کہ جو خونخوار ہونے کے باوجود بسمل (عاشق نیم جان) کا ایک قطرۂ خون بھی نہیں بہنے دیتیں (جدھر دیکھتی ہیں تلوار کی طرح بسمل کئے جاتی ہیں۔ مگر اس خوبی سے زخمی کرتی ہیں۔ کہ ایک قطرہ خون بھی زمین پر گرتا نظر نہیں آتا۔ اور اس طرح کوئی انہیں قاتل قرار نہیں دے سکتا)
(۹) اے نظیری میں ہوں اور آزار عشق ہے۔ (عشق کے آزار کے متعلق حرف شکایت زبان پر لانا چاہتا ہوں) میری زبان پر اگر حرف شکایت آتا ہے تو صرف اس لئے کہ میرے دل سے (گلہ) نکل جائے۔ اس لئے مجھے کسی (خلق) سے شرمانے کی کوئی وجہ نہیں (قاعدہ ہے کہ اظہار رنج و غم سے دل ہلکا ہو جایا کرتا ہے۔ رنج و غم کے بوجھ سے نظیری کا گلہ معشوق کی شکایت کے لئے نہیں۔ اس لئے اسے اس کی طرف سے شرمندگی محسوس کرنے کی ضرورت نہیں)

غزل نمبر ۳۶

بحر ہزج مسدس اخرب مقبوض محذوف

تقطیع { بزمت غم / مفعول / عیشے ت } { ہم یارِ ما / مفاعلن / غبارِ ما } { ندارد / فعولن / ندارد }

بزمت غمِ یارِ ما ندارد ۱ عیشِ تو غبارِ ما ندارد

ما چہرہ بخوں کنیم گلگوں ۲ مشاطہ نگارِ ما ندارد

چوں شعلہ ز سوزِ سینہ روئیم ۳ نم ابرِ بہارِ ما ندارد

بس بوئے بہ بُرد گل کہ دستش ۴ زخمِ سرِ خارِ ما ندارد

ما عربدہ مے کنیم بسیار ۵ مطرب سرِ کارِ ما ندارد

آئینہ بعیب ماست گویا ۶ عیب آئینہ دارِ ما ندارد

ہر نامہ کہ دل نمے کند خوں ۷ پیغام دیارِ ما ندارد

خوشحالی روز وصل دیدیم ۸ شوقِ شبِ تارِ ما ندارد

ایں غم کہ ملال آرد از کیست ۹ رنگِ غمِ یارِ ما ندارد

بے نام و نشاں خوش ست مرغے ۱۰ کو نالۂ زارِ ما ندارد

گردوں مہ و مہر وار دارد ۱۱ نقدے بعیارِ ما ندارد

خوں نابہ کشیم ما نظیری

۱۲ مے عشرتِ کارِ ما ندارد

(۱) تیری محفل کو میری آمد کا کوئی غم نہیں (میں جو سراپا غم ہوں۔ وہاں موجود نہیں ہوں) اس لئے تیرا عیش (میری موجودگی کی وجہ سے) مکدر نہیں (یعنی تیری محفل سراسر عیش و عشرت کی محفل ہے۔ اور ہم سراپا غم اس لئے ہم اس میں نہیں آتے تاکہ تیرے عیش میں خلل نہ آئے کیونکہ افسردہ دل افسردہ کند انجمنے را)۔

(۲) ہم اپنا چہرہ خون سے رنگین کر رہے ہیں، کیونکہ یہ شرطِ عشق ہی ہے، (معمولی) مشاطہ کے پاس جو بناؤ سنگار کا سامان ہے وہ نگار بننے کی حیثیت نہیں رکھتا (یعنی عشق کی آرائش رنگ و نگار سے نہیں ہوتی بلکہ خون سے ہوا کرتی ہے سے
بنا کردند عجب رسمے بخاک و خون غلطیدن خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را)

(۳) چونکہ ہم سوزِ سینہ سے شعلہ کی طرح اُگتے (نشوونما پاتے) ہیں اس لئے ہمارے سے بہار کی یہ نمی نہیں ہے (بلکہ سوزِ سینہ ہے جس سے ہماری نشوونما ہوتی ہے)

(۴) پھول اس لئے اس قدر خوشبو حاصل کر سکا کہ ہاتھ ہمارے کانٹوں (عشق) کا زخم نہیں رکھتا (پھول کے ساتھ کانٹا

ضرب المثل ہے۔ مگر جو کانٹے عشق میں عشاق کو کھانے پڑتے ہیں اگر پھول کو ان سے دوچار ہونا پڑے تو اس میں خوشبو نام کو بھی نہ ہو۔)

(۵) مطرب رحبیب گاتا ہے، تو ہم اس مطرب سے جھگڑتے ہیں کہ وہ درد و گداز سے بھری ہوئی غزل گائے۔ مگر وہ فرسے اپنا گیت گائے جاتا ہے اور ہماری بات کی پرواہ نہیں کرتا۔

(۶) آئینہ ہمارے عیب ظاہر کرتا ہے۔ ہمارے آئینہ دار میں کوئی عیب نہیں ہے۔ آئینہ میں اگر دیکھنے والے کو اپنے عیوب نظر آتے ہیں وہ آئینہ دیکھنے والے کے اپنے چہرہ کے خط و خال اور عیوب و نقائص ہیں اس میں آئینہ بنانے والے کا کوئی قصور نہیں مطلب یہ کہ اپنی بداعمالیوں کے لئے ہم خود ذمہ دار ہیں۔ خالق کائنات کی ذات کو ان کے لئے ذمہ دار قرار نہیں دیا جا سکتا)

(۷) وہ خط رجس کا مضمون) دل کو خون نہیں کر دیتا اس میں ہمارے ملک کا پیغام نہیں ہوگا رکیونکہ نامۂ دیارِ عشق میں یہ تاثیر ہے کہ شدائدِ عشق اور اس کے سوز و گداز کے بیان کی وجہ سے پڑھنے والوں کا دل بے اختیار خون ہوا چلا جاتا ہے)

(۸) ہم نے روزِ وصل کی خوشحالی بھی دیکھ لی۔ مگر اس سے ہمارے شوق (وصل) کی اندھیری رات کا لطف نہیں ہے ریعنی ہجر و انتظار کی گھڑیاں وصل و وصال کے اوقات سے زیادہ پرلطف ہوتی ہیں)

(۹) یہ غم جس سے ملال پیدا ہو رہا ہے کس کا ہے۔ کیونکہ اس میں ہمارے محبوب کے غم کا رنگ نہیں ہے رکیونکہ غمِ عشق میں ملال نہیں ہوتا بلکہ ایک خاص قسم کا لطف حاصل ہوا کرتا ہے۔ تو یہ غم غمِ عشق نہیں بلکہ کسی اور قسم کا غم ہے۔)

(۱۰) وہ پرندہ جو نالۂ زار میں ہمارا ہمنوا نہیں اس کا بے نام و نشاں ہونا ہی بہتر ہے۔

(۱۱) آسمان بیشک چاند اور سورج کی روشنی اور تابناکی کا مالک ہے۔ لیکن ہمارے پاس جو نقدی دکھن یعنی جنسِ شعر ہے اس کی تابناکی اور اس کے حسن و جمال [illegible] بلا میں کہ اس وقت عالمگیر ہو چکی ہے۔ سورج اور چاند کی عالمتابیوں کی عالمگیری کوئی حقیقت نہیں رکھتی۔

(۱۲) اے نظیری! ہم تو خالص خون پیتے ہیں۔ اس لئے شراب ہماری عشرت کا کوئی سامان نہیں رکھتی رہمیں جو لطف عشق کے خونابہ پینے سے حاصل ہوتا ہے وہ شراب میں نہیں ہوتا۔)

غزل نمبر ۳۷

بحر ہزج مثمن سالم

تقطیع { مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن
- من آ صیدم — زبس زخمے
- کہ ہر کس را — دلم کاری (زبس)
- نظر برحا — کہ در دنبا
- لِ من افتد — لِ من افتد

من آں صیدم کہ ہر کس را نظر بر حالِ من افتد ۱ زبس زخمِ دلم کاری ست در دنبالِ من افتد

شکارت خوش برآید گر خود از منزل بروں آئی ۲ نگاہت جانبِ مرغِ مبارک فالِ من افتد

نیم مرغے کہ بس دشوار باشد صیدِ من کردن ۳ زبس سستم گرہ از بالِ من در بالِ من افتد

از اں برجم کہ ہر گہ عقدہ در پیشِ چرخ آید ۴ زدوراں ماہِ من ماند ز گردش سالِ من افتد

بزن در نامہ ام اے ابرِ محشر از کرم برقے ۵ کہ مے ترسم ملک را چشم بر اعمالِ من افتد

بقاتل خونِ خود پیش از سوالِ حشر مے بخشم ۶ کہ مے ترسم کہ در درماندگی زہمالِ من افتد

مرا گستاخ گو یہاست در مجلس نخواہد شد ۷ کہ دائم بندِ حسرت بر زبانِ لالِ من افتد

مراں از گوشۂ چشمے کہ از عالم ہمیں دارم ۸ کہ در ہر شادی و غم قبلہ آمالِ من افتد

بسے پر شوق مے آید نظیری کعبہ میترسم
بُتے ناگہ زطاق از شوقِ استقبال من افتد

(۱) میں وہ شکار ہوں جس شخص کی نظر میرے حال پر پڑتی ہے وہ یہ سمجھ کر دکہ میں جلدی اس کے ہاتھ آجاؤنگا) میرا تعاقب کرتا ہے کیونکہ میرے دل پر ایک کاری زخم لگا ہے (شکاری زیادہ مجروح شکار کو پہلے قابو کر لیا کرتے ہیں نظیری کا دل عشق میں سب سے بڑھ کر گھایل ہے اس لئے ہر معشوق اس کو اپنے جال میں پھنسانا چاہتا ہے)

(۲) اگر تو اپنے گھر سے شکار کے خیال سے باہر نکلے تو تیرا شکار مبارک ہوگا۔ کیونکہ (سب سے پہلے) تیری نظر مجھ مبارک فال پر پڑے گی (یعنی میں سب سے پہلے تیرا شکار بنوں گا)۔

(۳) میں وہ پرندہ نہیں جس کا شکار کرنا مشکل ہو بلکہ میں تو بڑا سست رفتار ہوں آسانی سے پکڑا جا سکتا ہوں، دکیونکہ سست رفتاری کی وجہ سے میرے پر آپس میں اُلجھ جاتے ہیں (یعنی عاشق محبوب کے جال میں خود بخود آجاتا ہے محبوب کو تگ و دو کرنے کی ضرورت نہیں پڑتی)

(۴) میں اس نحوس برج سے ہوں کہ جب کبھی کوئی عقدہ آسمان کے پیش آتا ہے (وہ اسے اسی میں ڈال دیتا ہے۔) جس کے باعث میرا سال اور ماہ گردش کرنے سے رک جاتے ہیں۔

(۵) اے ابر قیامت از راہ مہربانی میرے نامۂ اعمال پر بجلی گرا (کیونکہ میں ڈرتا ہوں کہیں فرشتہ کی نظر میرے نامۂ اعمال پر نہ پڑ جائے اور مجھے شرمندہ ہونا پڑے)

(۶) اس سے پہلے کہ قیامت کے دن قاتل (محبوب) سے (میرے خون کی باز پرس ہو) میں اس (قاتل) کو اپنا خون بخشے دیتا ہوں کیونکہ میں ڈرتا ہوں کہیں میری سہل انگاری کی وجہ سے وہ (قیامت کے دن اور ماندگی سے دوچار نہ ہو (اس مضمون کو نظیری نے مختلف پر لطف اسالیب سے بیان کیا ہے ایک جگہ کہتا ہے ؎

"تا منفعل ز بخشش بیجا نہ بینمش مے آرم اعتراف گناہ نابودہ را)

(۷) میرے پاس گستاخی کی باتوں کا بہت بڑا ذخیرہ جمع ہو گیا ہے (اب تک اس کے سخنوں کو خاموشی سے برداشت کرتا رہا ہوں مگر) اب اس کی مجلس میں مجھ سے کیا یہ نہ ہو سکے گا کہ میری (اب تک خاموش) گنگی زبان پر آئندہ ہمیشہ حسرت کی مہر لگی رہے۔

(۸) مجھے اپنے گوشۂ چشم سے مت نکال کیونکہ دنیا میں صرف یہی ایک چیز ہے جو خوشی اور غم کے وقت میری امیدوں کا قبلہ منی ہے (خواہ خوشی ہو یا غم تیرا گوشۂ چشم التفات ہی میری آرزوں کا قبلہ گاہ ہے)

(۹) نظیری (جو بت پرستی میں کمال حاصل کر چکا ہے اب) بہت شوق سے کعبہ جا رہا ہے مجھے خوف ہے کہ ناگہاں کوئی بت اس کے استقبال کے شوق میں (کعبہ کے) طاق سے گر نہ پڑے (رخنا عرنے پہلے مصرعہ میں اپنے کو غائب اور دوسرے میں متکلم فرض کیا اس میں صنعت تجرید ہے)

غزل نمبر ۳۸

تقطیع { فلک مز / فعولن / نوازد } دورایما / فاعلاتن / ہرکرارا } ئے توباشد / فاعلاتن / ئے توباشد

فلک مزدور ایماے توباشد ، نوازد ہر کرا رائے تو باشد
بدل تنگی کنم دل خوش ہمیشہ ۲ کہ تنہا جائے تنہائے تو باشد
نیاز ارم ز خود ہرگز دلے را ۳ کہ میترسم درو جائے تو باشد
شود مجروح مغز استخوانم ۴ سرِ خارے چو در پائے تو باشد

مئے کاشفتگی در شور آرد ۵ نگاہ کار افزائے تو باشد
حریفے کز خرد بازیچہ سازد ۶ عتاب گریہ فرمائے تو باشد
نہایت نیست طومار دلے را ۷ کہ مضمونش تمنائے تو باشد
کدورت نیست کاخ سینہ را ۸ کہ راہش بر تماشائے تو باشد
گل صد رنگ بہ روید ازاں خاک ۹ کہ در وے نوش صہبائے تو باشد
سحر گہ ہر کہ پیش از خواب خیزد ۱۰ حریف بادہ پیمائے تو باشد
دو عالم نقد جاں بر دست دارند ۱۱ ببازارے کہ سودائے تو باشد

نظیری زندگی در درد دل جو
۱۲ کہ درد تو مسیحائے تو باشد

(۱) آسمان تیرے حکم کا مزدور ہے (اس لیے وہ تیرے ایما کے مطابق گردش کرتا ہے) اور جس کے متعلق تیرا حکم ہوتا ہے اسی پر وہ نوازش کرتا ہے (آسمان اپنی گردش میں آزاد نہیں بلکہ وہ تیرے ارشاد کا ایک ادنیٰ خادم ہے)
(۲) (اگرچہ دل تنگی ایک عیب ہے مگر) میں ہمیشہ اس دل تنگی پر خوش رہتا ہوں تاکہ اس میں صرف تیرے ہی غموں کی گنجائش ہو (عاشق محبوب کے سوا کسی دوسرے کے خیال کو اپنے دل میں جگہ نہیں دینا چاہتا۔ باوجود آنے دوستوں کے اسکے خیال میں سکا دل عشق کے لئے تنگ ہے)
(۳) میں کسی دل کو بھی دکھ نہیں دیتا کیونکہ میں ڈرتا ہوں اس میں کہیں تیری جگہ نہ ہو (یعنی اس میں تو موجود ہے قلوب المومنین عرش اللہ تعالیٰ)
(۴) جب کسی کانٹے کی نوک تیرے پاؤں میں لگ جاتی ہے (یعنی تجھے کوئی تکلیف پہنچتی ہے) تو وہ نوک میرے مغز استخوان تک کو زخمی کر دیتی ہے (محبوب کی ذراسی تکلیف عاشق کو مضطرب و بیقرار کر دیتی ہے)
(۵) وہ شراب جو مستی کو جوش میں لاتی ہے اور تیز کرتی ہے (وہ) تیری نگاہ کار افزا ہی ہے (نگاہ معشوق میں وہ شورش انگیزی اور مستی موجود ہے کہ گویا وہ ایک نہایت تیز شراب ہے۔ کار افزا نگاہ کو عشق انگیزی کی وجہ سے قرار دیا ہے)
(۶) (دوسرا مصرعہ مقدم) تیرا رلا دینے والا عتاب وہ حریف ہے جو عقل کو ایک بازیچہ بنا دیتا ہے (تیرے عتاب کے بعد عقل کام نہیں کر سکتی)
(۷) اس دل کے دفتر کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ جس (دل) کا مضمون تیری تمنا (ئے عشق) ہو (عشق کا بیان غیر مختتم ہے)۔
(۸) اس سینہ کے محل میں کدورت نہیں ہو سکتی۔ جس کی راہ تیرے نظارہ کی طرف جاتی ہو (یعنی جس دل میں محبوب حقیقی کا جلوہ موجود ہے وہ دشمنی کی آلائش سے پاک ہوتا ہے)
(۹) اس مٹی سے گل صد رنگ پیدا ہوتا ہے۔ جس میں تیری شراب کا تریاق موجود ہو (نوش صہبا سے مراد عشق ہے یعنی عشق کی شراب سے رنگا رنگ پھول پیدا ہوتے ہیں۔)
(۱۰) تیرا حریف بادہ پیما (ایک ساتھ شراب پینے والا) ہو سکتا ہے۔ صبح کے وقت جو شخص پہلے نیند سے اٹھتا ہے (مراد یہ ہے کہ وہ شخص عرفان الٰہی کو پہنچتا ہے جو شب بیدار ہو)
(۱۱) جس بازار (منڈی) میں تیری (خرید) کا سودا ہوتا ہے وہاں دونوں جہاں اپنی اپنی جان کی نقدی ہتھیلی پر لئے پھرتے ہیں تاکہ اپنی جان کے عوض تجھے خرید لیں کسی نے کیا خوب کہا ہے ؎

بسپرد و عالم قیمت خود گفتہ
نرخ بالا کن ارزانی ہنوز

(۱۲) اے نظیری تو (جاودانی) زندگی کو درد دل (عشق) میں تلاش کر کیونکہ تیرا درد (عشق) ہی تیرا مسیحا ہو سکتا ہے (زندگی نام ہے عشق حقیقی کا)

غزل نمبر ۳۹

بحر ہزج مثمن سالم

تقطیع: پس از نُہ مہ — مفاعیلن، جہاں را دا — مفاعیلن، منے عیشے — مفاعیلن، بچنگ افتد — مفاعیلن
مرقع تا — مفاعیلن، کدامیں خا — مفاعیلن، ر و خارا را — مفاعیلن، برنگ افتد — مفاعیلن

پس از نُہ مہ جہاں را دامنِ عیشے بچنگ افتد ۱ مرقع تا کدامیں خار و خارا را برنگ افتد
نخستیں جامہ بر اندازۂ حسنِ تو ببریدند ۲ قبا بر قدِ سرو از بہرِ آں کوتاہ و تنگ افتد
بعشقِ روے تا از دل ارغوان و لالہ مے چینیم ۳ شرارے لعل گردد مہرِ خورشید ار بسنگ افتد
فگندہ دل خراشیہائے رنجش خستہ و زارم ۴ مبادا آئینہ را قسمت کہ در چنگالِ زنگ افتد
پس از وارستگی در قیدِ زلفش تازہ افتادم ۵ بتر از نو مسلمانے کہ در قیدِ فرنگ افتد
ز حسرت سوختم و ز شرم دودے بر نیاوردم ۶ الٰہی آتشے در خانۂ ناموس و ننگ افتد
ترقی در توجہ کم شود عشقِ مجازی را ۷ بمنزل کے رساند مرد را ہمت چو لنگ افتد
تمنائے گہر گشتہ ام دارد بدریائے ۸ کہ در ہر گام صد جا بارہ بکامِ نہنگ افتد
جمعیت دارِ را ہند اند صد ذوقِ جہاں ہم ۹ نہ شورے بے غزا آید نہ شہدے بے شرنگ افتد
ہمیشہ ہمچو اجزائے خطِ پرکار در کارم ۱۰ کجا در دورِ چرخ و گردشِ انجم درنگ افتد
نظیری بہرِ حفظِ آں تنِ مطبوع نفس گردیدی ۱۱ چہ نصرت در گذرگاہے کہ آہو با پلنگ افتد

ت با پلنگ افتد

(۱) نو مہینے کے عرصے کے بعد عیش (بہار) کا دامن جہان کے ہاتھ آیا ہے دیکھئے کس کس کانٹے اور پتھر کا لباس حسن بہار سے رنگین ہوتا ہے (یعنی موسم بہار آرہا ہے کانٹوں اور پتھروں سے پھول پیدا ہو گئے۔)
(۲) ازل کے دن ہی از قضا و قدر نے چمن کا لباس تیرے (محبوب کے) اندازہ پر قطع کیا یہی وجہ ہے وہ حسن کا لباس سرو کے قد پر تنگ و چھوٹا ہے اور موزوں نہیں۔)
(۳) جس طرح سورج کی شعاعوں سے پتھر لعل ہو جاتا ہے میں بھی تیرے چہرے کی شعاعوں کو اپنے دل میں محسوس کرتا ہوں۔ اور اس میں جو موج خون جاری ہے وہ گویا ارغوان اور لالہ کے پھول ہیں جو میں چنتا ہوں۔
(۴) تیری رنجش کی دل خراشیوں کے زنگ نے مجھے زندگی سے بیزار کر دیا ہے۔ میری حالت ایسی ہے گویا کسی بدنصیب کا آئینہ زنگ خوردہ ہو جائے۔
(۵) میں ابھی آزاد ہی ہوا تھا کہ از سر نو اس (محبوب) کی زلف میں گرفتار ہو گیا پس میری حالت اس نو مسلم سے بھی بری ہے جو مسلمان ہوتے ہی فرنگی کے ہاتھ اسیر ہو گیا ہو۔
(۶) میں حسرت کے مارے جل رہا ہوں مگر شرم کے مارے آہ نہیں نکالتا۔ خدا کرے اس ناموس کا گھر جل جائے تا کہ میں ننگ ناموس سے بے نیاز ہو کر اپنی داستان عشق بیان کر سکوں۔
(۷) ہم عشق مجازی (جو ایک کم ہمت ہے) کی طرف رجوع کر کے عشق حقیقی کی طرف ترقی نہیں کر سکتے۔ کیونکہ ایک کم ہمت

آدمی منزلِ مقصود (عشقِ حقیقی) تک نہیں پہنچ سکتا۔

(۸) تمنائے کا موتی (عشقِ محبوب) کی (تلاش) مجھے ایک ایسے سمندر میں مارے مارے لئے پھرتی ہے جہاں ہر قدم پر کام نہنگ سے دوچار ہونا پڑتا ہے (یعنی عشق میں ہر طرف بلائیں منہ کھولے کھڑی ہیں کہ عاشق کو حرمان نصیب بنائے رکھیں)۔

(۹) دنیا میں اس لئے خوشی بغیر ماتم کے اور شہد بغیر حنظل (زہر) کے نہیں ملتے۔ کیونکہ خوشی اور غم ابلقِ ایام کی عنان تھام کر چلتے ہیں (یعنی روز و شب کے حوادث باہم ہیں غم کی لذت دائمی کی آمیزش ضروری ہوتی ہے۔)

(۱۰) میں ہر وقت پرکار کے خط کے اجزاء کی طرح حرکت میں ہوں (اور میری اس گردش میں اسی طرح کبھی تاخیر نہیں ہو سکتی جس طرح آسمان اور ستاروں کی گردش میں تاخیر نہیں ہوتی۔

(۱۱) اے نظیری تو لذتِ تن (نفسانی خواہشات) کی خاطر نفس (امّارہ) کا مطیع ہو گیا ہے۔ جس گذرگاہ میں بکری اور شیر کا مقابلہ ہو وہاں کمک کیا فائدہ دے گی۔

غزل نمبر ۴

بحر مضارع مثمن اخرب

تقطیع: آمد دِ / مفعول / صلحے بہ — گر بہ صلح / فاعلات / مصلحت پئے — در بے جنگ / مفاعیل / ءِ جنگے د — باز کرد / فاعلات / راز کرد

آمد دگر بصلح و درِ جنگ باز کرد ۱ صلحے بمصلحت پئے جنگِ دراز کرد
شد عمر و سرگرانیِ او برطرف نشد ۲ بر من بقدرِ مرتبۂ عشق ناز کرد
خود را بکامِ دشمنِ خود دید آنکہ او ۳ با دوستاں تغافل و دشمن نواز کرد
عقلم نظر بآئینۂ دوستاں فگند ۴ از دوستی و دشمنیم بے نیاز کرد
چشمِ طمع بدوز کہ در قسمتِ کساں ۵ ہر کس کشود دیدہ بحسرت فراز کرد
صد معجز از کرامتِ لعلِ تو دیدہ ام ۶ از تو نمیتواں بخط احتراز کرد
ہر جائے بلیم از تو سزائے پرستشی ۷ بر کعبہ میتواں ز ہمہ سو نماز کرد
صوتِ تو از ترانۂ ناہید برگذشت ۸ شد بلند مطربِ حسنِ تو ساز کرد

۹ طبلِ وجودِ عیشِ نظیری بہم نزد
کوتاہ دید مرحلۂ خوابِ دراز کرد

ن محبت

(۱) محبوب نے صلح کی اور (ساتھ ہی) جنگ کا دروازہ کھول دیا (جنگ شروع کر دی) خیال ہے اس نے صلح اس مصلحت سے کی تھی تاکہ جنگ کی مدت دراز ہو جائے۔

(۲) میری عمر اس خیال میں گذری کہ محبوب نازِ حسن چھوڑ دے گا لیکن جوں جوں میرا رتبہ عشق میں بلند ہوتا گیا ووں ووں وہ (محبوب بھی) زیادہ ناز کرتا چلا گیا۔

(۳) وہ شخص جو دوستوں سے بے اعتنائی برتتا ہے اور دشمنوں پر نوازش کرتا ہے وہ اپنی ہلاکت میں دشمن کی مدد کرتا ہے (کیونکہ مصیبت کے وقت دوست بھی بے اعتنا ہو جاتے ہیں۔)

(۴) ایک دن میں نے عقل کی مدد سے دوستوں کے آئینہ (دل) کو دانشگاف دیکھ لیا (یعنی ان کے دل کے رموز پڑھ لئے اسی

دن سے معلوم ہوا کہ ان کی دوستی دشمن کی دشمنی سے کم نہیں ہے، پس اب میں دونوں سے بے نیاز ہوں۔

(۵) طمع کی آنکھ کو بند کر کیونکہ جو شخص حرص کی نظر سے لوگوں کی قسمت (روزی اور مرتبہ) کو دیکھتا ہے اس کی حسرت بڑھ جاتی ہے اور حرص اس کو زیادہ تکلیف میں ڈالتی ہے۔

(۶) میں نے (تیرے محبوب کے لب لعل کی کرامت سے سینکڑوں معجزے دیکھے ہیں۔ اگر تمہارے لب لعل دلنوازی میں کمی کریں، تو میں تمہاری محبت ترک نہیں کر سکتا۔

(۷) کعبہ میں ہر طرف سے نماز پڑھی جا سکتی ہے میں بھی تجھے ہر طرح سے پرستش کے لائق دیکھتا ہوں (پس کیوں ہر طرح سے تیری پوجا نہ ہو)

(۸) تیرے حسن کا مطرب جب اپنی آواز بلند کرتا ہے تو اس کی خوش الحانی ناہید (ستارہ زہرہ) کی نغمہ سرائی سے بھی سبقت لے جاتی ہے۔

(۹) طبل وجود کی آواز نے نظیری کی خواب عدم کو برہم نہ کیا یعنی عدم سے وجود میں آیا تو بیخودی کی کیفیت ساتھ لے کر آیا۔ اور زندگی کی دلچسپیوں میں کھویا نہ گیا۔ اس کو یوں بیان کیا ہے کہ عدم میں نظیری جس نیند میں محو تھا۔ زندگی بھی اسی محویت کی شیرینی میں گذاری گویا عدم سے وجود میں آ کر سویا ہی رہا کہ موت آ گئی۔

غزل نمبر ۱۴

بحر ہزج مثمن سالم

تقطیع

یکے فلسم	ہوس ہر رو	ز در سیما	بم انداز د
مفاعیلن	مفاعیلن	مفاعیلن	مفاعیلن
خرد فرسا	یدم زنگش	ز آب تا	بم انداز د

یکے فلسم ہوس ہر روز در سیمابم انداز د ۱ خرد فرسا یدم زنگش ز آب تابم انداز د

زبر صافی بدم از ریو و رنگ طبع بیگانہ ۲ چہ دانستم کہ دوراں در کفِ قلابم انداز د

ز سلطانی بکنج گلخنے افگندہ تقدیرم ۳ کہ خاکستر بجائے بسترِ سنجابم انداز د

ندارم مستیِ طاؤس اگر ہم رنگِ طاؤسم ۴ فریبِ طبعِ روبہ در شرابِ نابم انداز د

بخوں سر گشتہ تر دارم دلے از چرخ دولابی ۵ نیفتم در خیالِ خود کہ در گردابم انداز د

حیات و مرگِ خود چوں حاصلِ افسانہ می بینم ۶ شبم بیدار دارد روزہا در خوابم انداز د

چو مرغانِ سحر خوانست از بس ذوقِ پیغامم ۷ بنورِ صبح رشکِ پرتوِ مہتابم انداز د

ادا ناکردہ فرضِ صبحدم تا چند مخموری ۸ بنزدِ صالحاں در گوشۂ محرابم انداز د

بعیش و ناز نتواں تکیہ بر احسان گردوں کرد ۹ شبانم پرورد تا در کفِ قصابم انداز د

عزیزاں از تعلق سخت در رفتن گرانبارم ۱۰ کسے خواہم دریں طوفاں نخست اسبابم انداز د

ندارم شورش و ذوقے نظیریِ اشک و آہے کو
کہ چوں شکر در آتش چوں نمک در آبم انداز د

ان زیب و زنگ

ن اشکبابی

(۱) میری ہوس ایک فلس یعنی پارہ زر پارہ میر تپا کر کیمیا بنانا چاہتی ہے جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ وہ (ہوس) میری عقل کو فرسودہ کرتی ہے اور اس (ہوس) کا زنگ میری آب و تاب کو زائل کر دیتا ہے۔

(۲) میں خوابِ بعض ہو رہا تھا۔ اور طبیعت کی طمع سازی نے بالکل نا آشنا (لیکن مجھے یہ خبر نہ تھی کہ زر فضا و دور) فریب کار (کھوٹ ملانے والے) زمانہ کے ہاتھ دیدیئے گئے مفہوم یہ ہے کہ میری جنس سخن کی پاکیزگی اس نمائشی مرصع کاری کی قدر دانی دنیا میں کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔

(۳) مجھے تقدیر نے تخت سلطنت سے اتار کر بھٹی کے ایک گوشہ میں ڈال دیا اور میرے سنجاب کے بستر کی جگہ راکھ کا بستر بچھا دیا۔ (اس شعر میں زوالِ آدم کی داستان پوشیدہ ہے۔)

(۴) میں ہم رنگ طاؤس ہی سہی لیکن طاؤس کی بانکپن اور اس کی مستی رقص نہیں رکھتا۔ اس لئے طبیعت کی حیلہ کاری نے یہ رغبت دلائی کہ شراب ناب پی کر ایک کیفیت مستی اپنے اوپر طاری کر لوں جس سے کم از کم مستی طاؤس کا ایک عکس تو پیدا ہو جائے۔

(۵) میرا دل مہر گشتی میں رہٹ کی طرح چکر لگانے والے آسمان سے بھی بڑھ کر ہے۔ فرق یہ ہے کہ اس کوزہ (رہٹ کے ڈول) میں بجائے پانی کے خون ہے۔ اس کے باوجود میں اپنی مصیبت کے خیالات میں بہت محو نہیں ہوتا۔ کیونکہ ڈرتا ہوں کہ آسمان نہیں میرے دل کو گرداب بلا میں نہ پھینک دے۔

(۶) میں زندگی اور موت کو حاصل افسانہ سمجھتا ہوں یعنی یوں کہ رات کو بیدار یہ زندگی ہوئی اور دن کو سو رہا ہوں یہ موت ہوئی۔

(۷) صبح کے نغمہ سنج پرندہ کی طرح فریاد کرنے کی خواہش مجھ میں اس حد تک بڑھ گئی ہے کہ سماں کی روشنی میری فریاد پر رشک کرتی ہے (اور چاہتی ہے کہ میں اپنی فریاد چاندنی میں جاری رکھوں۔ اس لئے اس تیزی اور خوبصورتی سے چمکتی ہے کہ میں چاندنی ہی کو صبح کا نور تصور کر لیتا ہوں اور گانا شروع کر دیتا ہوں)

(۸) کب تک ایسا ہوتا رہے گا کہ میں شراب کے نشہ میں مدہوش ہو کر گوشہ محراب میں نمازیوں کے پاس سربسجود رہوں یعنی صالحین تو ادائے نماز کی خاطر آتے ہیں اور میں مئے شبانہ کے نشہ میں سرشار گوشہ محراب میں آکر پڑا رہتا ہوں۔ یہی نماز ہو جاتی ہے۔

(۹) ہم عیش اور ناز کے سبب (آسمان) کے احسان پر بھروسہ نہیں کر سکتے کیونکہ وہ (آسمان) ایک گڈریا ہے۔ جو بکری کو پالتا ہے اور قصاب کے ہاتھ میں بیچ ڈالتا ہے (یعنی آسمان ایک قصاب ہے جو ہماری پرورش محض اس لئے کرتا ہے کہ موت کے حوالہ کر دے)

(۱۰) اے عزیزو تعلق (دنیا) سے روانگی کے وقت میں (گناہ) کے بوجھ کے نیچے سخت دبا ہوا ہوں میں ایک ایسے شخص کی مدد چاہتا ہوں جو اس طوفانِ حیات میں مجھے میرے اس اسباب گناہ سے ہلکا کر دے۔

(۱۱) نظیری میرا ذوقِ جنوں اور جوشِ سودا کم ہو گیا ہے۔ کاش آنکھوں میں اشکِ محبت ہوتے اور سینے میں آہیں۔ پھر تو یہ معلوم ہوتا کہ گویا کسی نے آگ میں شکر ڈال دی اور پانی میں نمک ڈال دیا یعنی ذوقِ جنوں اور بڑھ جاتا ہے

نوا را تلخ تر مے زن چو ذوقِ نغمہ کم یابی ۔۔۔ حدی را تیز تر مے خواں چو محمل را گراں بینی

غزل نمبر ۴۲

بحر مشاکل مسدس مقبوض اخرم محذوف

تقطیع { فاعلاتن — مفاعلن — فعلن
درکشند بح — ریا ہو علم — عاشق
رشحۂ از — قلم برد — نمہد

دلِ باہوش دم بروں ندہد ۱ چشم با دوست نم بروں ندہد
درکشند بحرہائے غمِ عاشق ۲ رشحۂ از قلم بروں ندہد
دلِ اسرار بیں حدیثِ قدیم ۳ جز بحکمِ قدم بروں ندہد
حیف نوشتند نامہ حاضر باش ۴ نشوِ کاغذ رقم بروں ندہد
منکرِ آن نگاہِ وحشی را ۵ راہ از دیدہ رم بروں ندہد

نگہ از چشمش ار بروں آید ۶ زلفش از پیچ و خم بروں ندہد
ایں خم از مرگ و سورِ جہاں ۷ غیرِ نیل و بقم بروں ندہد
بدہ آبِ خضر کہ در در و دشت ۸ خاک جز جامِ جم بروں ندہد
مرد باید کہ فکرِ یار از دل ۹ تا زید نیم دم بروں ندہد
بکفم جامِ شادماں گوں دہ ۱۰ تا زخم رنگِ غم بروں ندہد
نتواں کم ز پیرِ ترسا بود ۱۱ میرد از کفِ صنم بروں ندہد
گر نگرید قلمِ نظیری را ۱۲
ابر سیراب نم بروں ندہد

(۱) عقلمند دل یعنی عقلمند کا دل) دم نہیں مارتا یعنی خاموش رہتا ہے تاکہ راز فاش نہ ہو جائے) اور وہ آنکھ جو محبوب کو دیکھتی ہے آنسو نہیں نکالتی (تاکہ محبوب پر راز فاش نہ ہو جائے)
(۲) عاشق غموں کے دریا کیسے دریا پی جاتا ہے۔ (اور اس آسانی سے ہضم کر جاتا ہے) کہ ایک قطرہ بھی قلم سے نہیں گرتا اور حقیقت اپنی طبیعت پر پورا قبضہ رکھتا ہے)
(۳) مرا دل جس پر تمام اسرار الوہیت فاش ہیں بغیر قدم کے (یعنی بغیر امر الٰہی کے) اس مضمون لطیف کا بیان نہیں کرتا۔
(۴) تیرا نامۂ اعمال الٹے حرفوں میں لکھا گیا ہے، اس لئے احتیاط کر کہ کہیں کاغذ کی دوسری طرف سے کوئی ٹھیک نہ پڑھ لے)
(۵) اس (محبوب) کی وحشی آنکھ کی طرف نہ دیکھ۔ کہ اپنی خوئی رم کی وجہ سے اس کی نگاہ آنکھوں میں سے ہی نہیں نکلتی یعنی محبوب وہ غزالِ وحشی ہے کہ اپنی خو سے رم یا حیا کی وجہ سے آنکھیں چار ہی نہیں کرتا۔
(۶) اگر (محبوب) کی آنکھ سے نگاہ باہر نکل آتی ہے۔ تو اس (محبوب) کی زلف اپنے پھندے میں پھنسا لیتی ہے۔
(۷) خم مثال آسمان دنیا کو مبتلاء تے اضطراب رکھنے کے لئے سوائے نیل کے اور مجیٹھ کی سرخی کے اور کچھ پیدا ہی نہیں کرتا۔ (نیل استعارہ داغ رسوائی کیلئے ہے اور بقم خون تمنا کیلئے ہے۔)
(۸) آبحیات کی تلاش ترک کر دے۔ خود اس دنیا میں ذرہ ذرہ یہ صلاحیت رکھتا ہے کہ جامِ جم بن جائے اور ایک مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ دنیا میں جامِ جم تو میسر ہے یعنی عیش و عشرت اگر مجھے آبحیات عشق چاہیئے اس لئے اے ساقی مجھے تو ہی آبِ حیات دے جس کے مقابلہ میں شراب جمشید کی بھی وقعت نہیں۔
(۹) مرد عاشق وہ ہے جو مرتے دم تک محبوب کے فکر (عشق) کو آدھے منٹ کیلئے بھی دل سے نہ نکالے (یعنی عاشق تمام عمر عشق سے غافل نہیں ہوتا۔)
(۱۰) (اے ساقی) مجھے جامِ شراب دے جس سے خوشی ٹپکتی ہو تاکہ میرے بشرہ سے (محبوب) کے غم کا رنگ ظاہر نہ ہو۔
(۱۱) عاشق کو کم از کم پیر ترسا (صاحب دیر) کی طرح راہ محبت میں مستقیم ہونا چاہیئے کہ مر تا مر جائے لیکن اپنے صنم سے دل کا رشتہ نہ ٹوٹنے پائے۔
(۱۲) اگر نظیری کا قلم ماتم عشق میں مبتلا ہو کر درد و گداز کی باتیں نہ لکھے تو یقین جانئے بادل سے کبھی مینہ نہ برسے (یعنی بادلوں سے پانی برسنے کی شاعرانہ وجہ یہ ہے کہ نظیری اندوہ عشق کا بیان کر رہا ہے۔ اور بادل اشک فشانی میں شریک ہیں۔)

غزل نمبر ۳۴

بحر مضارع مثمن مقبوض مخبون اخری رکن مخبون محذوف

تقطیع } مفاعلن فعلاتن مفاعلن فعلن

جہاں جواں شدہ عقدِ بہارے بندد ۱ بہار پائے جہاں در نگارے بندد

ز صنعِ نشو و نما آب و خاک الواں شد ۲ جماد نامیہ خود را بکارے بندد

نکاحِ باغ و بہار است دایۂ بستاں ۳ میانِ نرگس و دستارِ خارے بندد

چمن ز صوتِ بلندِ ہزار می پندارد ۴ کہ رنگِ لالہ و گل برقرارے بندد

ازیں حدیقہ چو گل زود بایدش رفتن ۵ کسیکہ دل بنوائے ہزارے بندد

مسافرانِ چمن نارسیدہ در کوچند ۶ شگوفہ بیرو و شاخ بارے بندد

ز بے ثباتیِ گل بر درخت پنداری ۷ کہ غنچہ بر سرِ آتش شرارے بندد

گہے کہ دامنِ صحرا ز لالہ رنگین ست ۸ بداں کہ خونِ دلش در کنارے بندد

چہ عیش و سور میسر شود ز دورانے ۹ کہ عقدِ نشأ مے باخمارے بندد

وصالِ شمع چہ مہلت دہد بہ پروانہ ۱۰ کہ موم گردنِ آتش بتارے بندد

ز دورِ چرخِ چو ما نیست ناں بگرد ایم ۱۱ کہ طمعہ بر رسن تا بدارے بندد ۵ مع

متاعِ بخت نظیری نیافت در غربت

امید باز بعزمِ دیارے بندد

(۱) دنیا نے پھر جوان ہو کر عروس بہار سے نکاح پڑھا لیا۔ اور بہار نے پائے جہاں میں مہندی لگا دی (مطلب یہ ہے کہ بہار آنے سے چپہ چپہ گلزار ہو گیا ہے۔)

(۲) اس وقت صنعت کاری کی نشو و نما کے باعث پانی اور مٹی رنگین ہو گئے ہیں کہ دنیا کی ان جماد سکون میں بہار کی ہنگامہ آرائیوں سے پھر حرکت ہو گئی ہے۔

(۳) دایۂ بستان نے دولہا دلہن یا قربت ملزوم نرگس کی کمر کو کانٹے کی پگڑی سے باندھ دیا یعنی دونوں کو دولہا دلہن بنا دیا (مطلب یہ ہے جس طرف دیکھتے ہیں گل و نرگس کا ہجوم ہے۔)

(۴) بلبل کے نغمۂ بلند کو سن کر باغ کو یہ خیال ہوتا ہے۔ کہ لالہ اور گل کی رنگینی شاید اسی طرح برقرار رہے گی۔

(۵) جس شخص نے بلبل کی آواز پھول لگا یا دل فریفتہ ہوا) اس کو اس حدیقہ (باغ مراد دنیا) سے جلدی چلا جانا ہوگا۔

(۶) اس شعر میں صنعت ایہام اور صنعت ایہام تناسب کی وجہ سے معانی میں ایک عجیب پیچیدگی پیدا ہوتی ہے۔ مسافرانِ چمن

سے باغ کے پھل پھول اور پتے مراد ہیں۔ اور مسافر کے دوسرے معنے معروف ہیں۔ نارسیدہ کچے پھل کو بھی کہتے ہیں اور نجتہ خراب کو بھی دوسرے معنے معروف ہیں لیکن شعر زیر درد میں مسافرت کی رعایت سے جاننے کا بھی اشارہ ہے۔ اور شاخ بار سے بند دسے مراد یہ ہے۔ شاخ پر گل پھل جو آ گئے تو گویا اس نے اسباب سفر باندھ دیا۔ بار بستن۔ پھل آنا اور اسباب سفر باندھ کر تیار ہونا۔ ترجمہ چمن کے مسافر (پھل پھول اور پتے) ابھی منزل باغ میں پہنچے بھی نہ تھے کہ کوچ کی تیاریاں شروع ہو گئیں شگوفہ گیا روانہ ہوا اور رنگا پھل اُگ گئے) اور شاخ میں پھل کیا آئے گویا اس نے اسباب سفر باندھ لیا۔

(۷) پھول کی بے ثباتی کی کیفیت یہ سمجھو کہ یا غنچہ نے آگ پر شرار کی طرح ظہور کیا (جس چیز کا ظہور بر سر آتش ہو گا اس کی بے ثباتی کی کیا حد ہے)

(۸) جب کبھی صحرا کا دامن رگل، لالہ سے رنگین ہو تو سمجھو کہ اس (صحرا) کے دل کا خون پہلو میں جم گیا ہے (اور گل لالہ کی شکل میں نمودار ہوا ہے)

(۹) اس زمانہ میں عیش و خوشی کیسے میسر ہو (استفہام انکاری یعنی نہیں ہو سکتی) کیونکہ وہ نشۂ شراب کا عقد و نکاح ہمارا بد مزگی جو نشہ کے اترنے کے بعد ہوتی ہے، باندھتا ہے (دنیا میں غم اور خوشی توام ہے)

(۱۰) دوسرا مصرعہ یوں پڑھو مرہم برگردن آتش تیار و بند پروانے کو وصال شمع کی کیا مہلت ہے کہ شمع کی موم نے تو اپنی تا (رفتہ شمع کو) گردن آتش سے باندھ رکھا ہے یعنی شمع تو خود بخود لمحہ لمحہ جلتی جا رہی ہے۔ پروانہ اگر پہنچ بھی گیا تو بہت کم عرصہ شاد کام ہو گا

(۱۱) جس طرح مچھلی کو پکڑنے کیلئے شست میں کوئی کیڑا مکوڑا لگا دیتے ہیں اسی طرح ہمارا رزق بھی گرداب بلا میں ہے۔ نہ کھائیں تو بھوکے مریں۔ اور کھانے کی کوشش کریں تو مچھلی کی طرح گرفتار مصیبت ہوں

(۱۲) نظیری کو پردیس میں بخت کی متاع حاصل نہ ہوئی۔ اس لئے وہ پھر وطن کے ارادے پر امید لگائے بیٹھا ہے (واپس وطن کو لوٹتا ہے)

غزل نمبر ۴۴

بحر رمل مثمن محذوف

تقطیع {

سر کند	صاحبِ اف	را گلستا	باز نرگس
فاعلن	فاعلاتن	فاعلاتن	فاعلاتن
سر کند	بل حکایت	بر نہد بل	شاخِ گل من

۱ باز نرگس را گلستاں صاحبِ افسر کند — شاخِ گل منبر نہد بلبل حکایت سر کند
۲ غنچہ گردد سبز مغفر سبزہ زنگاری قبا — روزِ عرض آید کہ نرگس بر دِ خود در بر کند
۳ از گلِ مستاں بر وید تاکِ می شوریدہ وار — لالہ خونیں ز خاکِ کشتگاں سر بر کند
۴ حُسنِ گل برقے بہ بستاں افگند کز تابِ آں — بلبلِ شوریدہ را ہم رنگِ خاکستر کند
۵ شاخِ گل شد پنجۂ آذر کہ بر رغمِ خلیل — بادِ آزاری بہر سو لعبتِ آذر کند
۶ جلوہ شور انگیز باشد ہر کہ آید در سماع — بادہ عطر آمیز گردد ہر کہ در ساغر کند
۷ تر بسم از مخموریِ ساقی کہ ہنگامِ صبوح — صبح را کم از فروغِ لالۂ احمر کند
۸ بر تنِ رنجورِ سودا مے وزد بادِ بہار — استخواں را مومیائی مغز را عنبر کند
۹ صبحدم دامن کشاید حلۂ عطر آگیں شود — از گُلِ اخگر بر فروزد غنچہ را مجمر کند

سنبلِ اسرار میروید که از رازِ سپهر ۱۰ ہرچہ گوید ابر در گوشِ زمین باور کند

در روانی گو بیا طبعِ نظیری شد چنان

" کانچہ آید در ضمیرش ثبت در دفتر کند

(۱) (موسم بہار نے) باغ میں نرگس کو پھول از سرِ نو تاجدار بنا دیا ہے۔ پھول کی شاخ اس کا منبر اور بلبل داستان خواں ہے (موسم بہار میں نرگس گلبن کی ٹہنی پر پھولی ہے اور بلبل چہچہا رہی ہے گویا یوں بھی پڑھا جاتا ہے خطبان کی شکست کا خطیب مشغول بیان ہیں پرچھائیں مغن گل منبر

(۲) اظہارِ جمال کا دن آ گیا کہ ہر شخص اپنے آپ کو بہترین چادر میں ملبوس کرے۔ چنانچہ نرگس نے اپنے سر پہ سبز خود رکھ لی ہے اور سبزہ نے اپنی زنگاری (سبز رنگ) کی قبا پہن لی ہے۔

(۳) (موسم بہار میں) مستوں کی خاک سے بے اختیار انگور کی بیل پھوٹتی ہے کہ مرنے کے بعد بھی ان کا قالب خاکی نشو و نمائے شراب کے کام آ رہا ہے۔ اور عاشقوں کی خاک سے لالہ کے پھول پیدا ہوتے ہیں۔ جو گویا خون شہیدوں کا نشان ہے۔

(۴) حسنِ گل نے باغ میں وہ برق (بجلی) گرا دی ہے جس (برق) کے شعلہ نے خورِیدہ سرِ عاشق (بلبل کو جلا کر) راکھ کر دیا ہے۔

(۵) شاخِ گل آذر و حضرت ابراہیمؑ کے والد کا نام جو بت بنایا کرتا تھا۔ مراد بادِ بہاری) کا ہنر بن گئی ہے۔ اور خلیل حضرت ابراہیمؑ کے مقابلہ میں بادِ بہاری نے چاروں طرف بتانِ آذری کو کھڑا کر دیا (شاخ گل کو مشہور صناع آذر کے دستِ صنعت گر سے تشبیہہ دی ہے اور ہوا کے چلنے سے جو پھول کھلتے ہیں ان کو بتانِ آذری کہا ہے)

(۶) (بادِ بہاری کے فیض سے) نظارہ ایسا جنون انگیز ہے کہ جو شخص (دیکھتا ہے) وجد میں آ جاتا ہے۔ اور ہوا اتنی معطر ہے کہ جو شخص شراب کو پیالہ میں ڈالتا ہے تو وہ (شراب) معطر ہو جاتی ہے۔

(۷) میں ساقی کے چہرہ سے ڈرتا ہوں کہ نشہ میں اس پر جو سرخیاں اور رنگینیاں پیدا ہو گئی ہیں ان کے مقابلہ میں صبح کا نور زائل ہو جائے (لالہ احمر استعارہ ہے ساقی کے چہرہ کا جو اثر شراب سے سرخ ہو رہا ہے)

(۸) بادِ بہار کے چلنے میں وہ اثر ہے کہ سوداوی مریض اچھا ہو جائے۔ اس کی ہڈیوں میں مومیائی کی تاثیر اور اس کے مغز میں عنبر کی خوشبو پیدا ہو جائے۔

(۹) صبح جب اپنا دامن پھیلاتی ہے (صبح ہوتی ہے) تو اس کا لباس (فضا) معطر ہو جاتا ہے پھول اس کا انگرا اور غنچہ اس کی انگیٹھی بنتی ہے (پھول کو دھکتے ہوئے کوئلے اور غنچوں کو انگیٹھی سے تشبیہہ دی ہے جس میں خوشبودار مصالح جل رہے ہیں)

(۱۰) (سنبل اسرار کا مطلب مشکوک ہے۔ نولکشوری نسخہ میں حاشیہ نویس نے سنبل کو سنبل راز حق کہہ کر پیچھا چھڑا لیا ہے۔ اسرار کو سنبل سے استعارہ کرنا شاید اس وجہ سے ہو کہ سنبل کی پیچیدگی سے اسرار کی پیچیدگی کچھ مشابہت رکھتی ہو) مطلب بظاہر یہ سمجھ میں آتا ہے کہ فیضِ الٰہی سے جو کچھ پیدا ہو رہا ہے وہ گویا نمونہ اسرارِ فطرت ہے۔ کہ خاک پر مینہ برستا ہے تو بغیر ہماری کاوش اور بغیر ہمارے اختیار کے بوقلموں رعنائیاں پیدا ہوتی ہیں قرآن مجید میں کئی جگہ بارش اور اس کے انوار اور آثار قدرتِ الٰہی کی تمثیل کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ وانزل من السماء ماء فاخرج به من الثمرات رزقا

(۱۱) روانی کے سبب سے نظیری کی طبیعت ایسی (چست) ہو گئی ہے کہ جو (خیال) اس کے دل میں آتا ہے (فوراً) دفتر (بیاض) میں لکھ دیتا ہے۔

غزل نمبر ۴۵

بحر مضارع مثمن مقبوض مخبون آخری رکن شعب مقصور

تقطیع

دریغ نق	ش الہا	براب جو	بستند
مفاعلن	فعلاتن	مفاعلن	فعلان
بجسن لا	لہ و گل رن	گ آرزو	بستند

دریغ نقش الہا بر آب جو بستند ۱ بجسنِ لالہ و گل رنگِ آرزو بستند

۲ چوموج روئے ہوا در سراب میرانند ۔ کسان کہ دل بتماشائے رنگ و بو بستند

۳ مپرس حال کہ ایں مطربانِ چابکدست ۔ دل از نوائے حزینم بتار مو بستند

۴ بخست جان ز دم ایں مغنیان گوئی ۔ خراشِ سینہ تراشیدہ بر گلو بستند

۵ نہ عاقلست کہ تن در دہد بخلعتِ خاک ۔ ہزار رخنہ دریں کہنہ از رفو بستند

۶ بکشت و زرعِ ہر احسان رسید آسیبے ۔ کہ مفلسان ہمہ بر خشکئ آبرو بستند

۷ مجو ز ناموران غیر نام کیں خاناں ۔ صلا زدند بیغما و در فرو بستند

۸ بغم بساز کہ از بے نشاطئ ایام ۔ مغاں بدیرہ دہانِ خم و سبو بستند

۹ دریں جزیرہ جہاں مے سرائم شعر ۔ چو زندِ مست کہ بر گردنش کدو بستند

۱۰ ازیں جہان دلم آمادہ گریختن ست ۔ چو کودکاں کہ میاں چست در غلو بستند

حکمت

ہزار نقش دریں کارخانہ درکارست

" نگیر خوردہ نظیری ہمہ نکو بستند

(۱) افسوس کہ قضا و قدر نے امیدوں کی تصویر بہتے ہوئے پانی پر بنائی (جسے قیام نہیں اس لئے امیدوں کا پورا ہونا امر محال ہے) اور (خوش آیند) آرزؤں کو لالہ و گل چمن اور رنگ دیا جو کھلتے ہیں اور مرجھا جاتے ہیں۔ اس لئے اگر آرزو پوری بھی ہو جائے تو خوشی کو دوام نہیں ہے)

(۲) جو لوگ دنیا میں رنگ و بو کے دلدادہ ہیں (اپنی زندگی بسر کرتے ہیں گویا ان کی زندگی ایسی ہوا کا ایک جھونکا ہے جو صحرا میں سراب پر چلتی ہے (اور سوائے ریت کے ذرات کے اس کے ہاتھ کچھ نہیں آتا۔ یہی حالت دنیا دار کی ہے جو دنیا کے تماشے میں پڑ کر اصل مقصد زندگی کو کھو بیٹھتا ہے۔)

(۳) میرا حال کیا پوچھتے ہو کہ ان فن کار مغنیوں نے اپنی نوائے حزیں سے گویا میرے دل کو اپنے ساز کی تاروں سے باندھ رکھا ہے مطلب یہ ہے کہ گویا مطربوں کی موسیقی اتنی دردناک اور لطیف ہے کہ میرا دل بے اختیار ان کی طرف کھنچا چلا جاتا ہے۔

(۴) ان مطربوں کی تانوں اور گیتوں کو سن کر میں کیفیت نغمہ سے گویا ہلاک ہوا جا رہا ہوں (اس طرح معلوم ہوتا ہے گویا انہوں نے اپنے دل کے سوز و گداز کو اپنے دل کی آواز میں منتقل کر دیا ہے۔ دوسرا مصرعہ تمام استعارہ کے رنگ میں ہے جس کے معنے یہ ہیں کہ مطربوں کی لطافت طبع ان کی نغمہ کاری سے پیدا ہے۔

(۵) جو شخص خاک کی خلعت (قالب خاکی) لے کر خوش ہے وہ عقلمند نہیں۔ کیونکہ قضا و قدر نے (اس کہنہ خلعت (قالب خاکی) کو رفو کرتے وقت اس میں ہزاروں رخنے رکھے ہیں۔

(۶) معلوم ہوتا ہے کہ احسان کی ہری بھری کھیتیاں آسیب آسمانی سے خشک ہو رہی ہیں۔ گویا مفلس اب توقع کرم جو رکھتے ہیں تو بیکار ہے۔ ابرو بر خشک بستن۔ کار ناحق و بیفائدہ کرنا۔

(۷) یہ ناموز صرف شہرت کے طالب ہیں۔ ان سے کسی نفع کی امید نہ رکھو۔ کیونکہ جب یہ خان دعوت عام دیتے ہیں (تو غیبلیں) پہلے اپنا دروازہ بند کر دیتے ہیں۔

(۸) زمانہ میں خوشی باقی نہیں رہی۔ میفروشوں نے میکدہ میں خم و سبو کا منہ بند کر دیا ہے۔ اس لئے غم پر ہی قناعت کر۔

(۹) جس طرح رند مست کی گردن پر کدو مے باندھے پھرتے ہیں کہ شراب پینے کے سوا اس کا گذارہ نہیں اسی طرح میں بھی اس جزیرہ میں جہاں جاہل سخن سے ناآشنا لوگ بستے ہیں میں اپنے شعر کہے جاتا ہوں (اگرچہ میرے شعر سمجھنے والے موجود نہیں لیکن میں شعر کہے چلا جاتا ہوں)

(۱۰) جس طرح بچے لڑکوں کے ہجوم میں کمر کس اور ہاتھ بلند کر کے بھاگتے ہیں اسی طرح میرا دل بھی اس دنیا سے بھاگنے پر آمادہ ہے

(۱۱) اے نظیری! اس دنیا میں ہزاروں نقص موجود ہیں۔ تو عیب جوئی نہ کر کیونکہ جو کچھ پیدا کیا گیا ہے اچھا ہے۔

غزل نمبر ۴۶

بحر ہزج مثمن اخرب مکفوف اخری رکن محذوف مسبغ

تقطیع } آفسانَ مفعول صدتلخ | رہ شیریں مفاعیل چشیدم ش | مراگوش مفاعیل کرے نوش | نکردند فعولان نکردند

افسانۂ شیرینِ مرا گوش نکردند ۱ صد تلخ چشیدم شکرے نوش نکردند

یک خردہ گرفتند پس از نکتۂ بسیار ۲ گشتیم فراموش و فراموش نکردند

ما روزہ ازیں مائدہ بر چنگ کشادیم ۳ در کاسۂ ما جرعۂ سرجوش نکردند

معلوم شد از مستیِ ما حوصلۂ ما ۴ دادند بحکمت مے و بیہوش نکردند

باید بعصا رفت چو موسیٰ کہ دریں راہ ۵ یک چاہ نکندند کہ خس پوش نکردند

در حلقہ شدم زاں خطِ رخسار قرینم ۶ تا کوکبِ آں صبح بناگوش نکردند

اشجارِ چمن دست بہم دادہ و یاراں ۷ سیرے بمنِ غمزدہ ہمدوش نکردند

جانم بہ رہِ پردگیانِ سحری سوخت ۸ سویم نگہے از تہ شب پوش نکردند

خوں نابہ بہ آمدہ بر جیب و کنارم ۹ زاں سنبل خوش بوم در آغوش نکردند

امروز نہ رحمت کہ لب تشنہ گذارند ۱۰ آں را کہ لبے تر زمئے دوش نکردند

فریاد ازیں شوق کہ در جانِ نظیری
تا مُردنش از زمزمہ خاموش نکردند

(۱) لوگوں نے میرا افسانۂ شیریں کبھی نہیں سنا (میرے شعر کی قدر نہ کی) میں نے تو لوگوں کی تلخ کلامیاں بھی جانیں لیکن میرے میٹھے اشعار کا بھی کوئی قدر دان پیدا نہ ہوا۔

(۲) نقادوں نے بحث کے بعد ہمارے کلام میں ایک عیب نکالا اب یہ حالت ہے دنیا ہمیں بھول گئی۔ لیکن ہمارا عیب ہر ایک کو یاد رہا۔

(۳) ہم نے اپنا روزہ خشک چیزوں ہی سے کھول لیا۔ خوان دنیا میں ہمارا حصہ یہی تھا۔ ہمارے پیالہ میں شراب خوشگوار

نہیں ڈالی گئی۔

(۴) جب ساقی کو معلوم ہو گیا کہ ہم مستی میں رازِ عشق کو پوشیدہ نہیں رکھ سکتے تو اس نے ہمیں اتنی شراب پلائی جس سے ہم بیہوش نہ ہوئے۔

(۵) اس دنیا میں حضرت موسیٰ کی طرح ہاتھ میں عصا لے کر چلنا چاہیئے (احتیاط سے زندگی بسر کرنی چاہیئے) کیونکہ قضا و قدر نے اس دنیا میں کوئی بھی ایسا کنواں نہیں کھودا جس کو گھاس سے نہیں ڈھانپ دیا۔

(۶) میں محبوب کی زلفوں میں پھنس کر اس کے رخسارہ کے قریب جا ہی پہنچا پھر بھی محبوب نے مجھے اپنی بناگوش کا ستارہ نہ بنایا۔

(۷) باغ میں درخت گویا ایک دوسرے کے ہاتھ میں ہاتھ ڈالے کھڑے ہیں لیکن افسوس کہ دوستوں نے مجھ غمزدہ کے دوش بدوش کبھی سیر کرنے کا خیال نہ کیا۔

(۸) پردگیانِ سحر کی محبت میں میں ہلاک ہو گیا لیکن کسی محبوب نے حیا در میں سے میری طرف ایک نظر نہ ڈالی (پردگیانِ سحری سے پردہ نشین محبوب مراد ہے۔ جو صبح کے وقت جلوہ فروز ہیں۔ شب پوش سے مراد چادر جو رات کو پہنتے ہیں)۔

(۹) محبوب کے ہجر میں اتنا خون کے آنسو رویا کہ میری جیب اور پہلو (خون سے) تر ہو گئے اور ان سے خونِ نابہ کی بو آنے لگی۔ یہی وجہ ہے محبوب کے سنبل کی خوشبو میرے آغوش میں نہ دی گئی۔

(۱۰) جن کو کل رات شراب نہیں دی گئی تھی اگر آج بھی ان کو نہ پلائی گئی تو بڑا ظلم ہوگا۔

(۱۱) اے نظیری! شعر گوئی میری زندگی کا ایک ایسا جزو ہو چکا ہے کہ مرتے دم تک شعر گوئی نہ چھوٹے گی۔

غزل نمبر ۵۲

بحر مضارع مثمن مکفوف مخبون آخری رکن مخبون محذوف

تقطیع

ہوس چو دے	رکشد شع	ل در نہا	د فتد
مفاعلن	فعلاتن	مفاعلن	فعلن
بحدِ عش	ق رسد مے	ل چون زیا	د فتد

۱ ہوس چو دیر کشد شعلہ در نہاد افتد — بحدِ عشق رسد میل چون زیاد افتد

۲ نشاطِ صحبتِ فرہاد رشکِ خسرو داشت — خوش است عشق اگر کار بر مراد افتد

۳ بشہر و بادیہ فرسودم و کسے نخرید — بلاست جنسِ گرانمایہ در کساد افتد

۴ چو قیمتے نہدم روزگار بفروشید — نہ یوسفم کہ خریدار بر مراد افتد

۵ مرا بدست تہی گوشۂ نقاب سپرد — کم است آدمِ مفلس باعتماد افتد

۶ خدنگِ غمزہ گرہ بر کمانِ ابرو چند — کشاد دہ کہ ہمہ کار را کشاد افتد

۷ عنانِ دل ز ملالت بتابِ دستم گیر — کہ ہر کرا تو بگوئی ز پا فتاد افتد

۸ ضمیرِ روشنِ تو لوحِ محو و اثبات است — کہ تا زیاد برآید کہ تا بیاد افتد؟

۹ چو ذرہ خلقِ جہاں در ہوات میگردند — بشر ندیدہ کسے کافتاب زاد افتد

۱۰ تنم ز بیلیِ بندِ زمانہ کاستہ شد — چو طفلِ شوخ کہ در قیدِ اوستاد افتد

حذر ز آہِ نظیری کہ خانماں سوز است
"مبادا ایں خسِ سوزاں بدستِ باد افتد

(۱) جب دل میں (عشق کی) ہوس زیادہ دیر تک قائم رہتی ہے تو ایک شعلہ محبت پیدا کرتی ہے۔ جب انس زیادہ ہو جائے تو حدِ عشق تک پہنچ جاتا ہے۔

(۲) اگر عشق میں کامیابی ہو تو کیا اچھا ہوتا ہے مثلاً (فرہاد) عشق میں کامیاب تھا اور اسے وصال شیریں کی خوشی حاصل تھی۔ اس لئے خسرو اس (فرہاد) کی کامیابی کو دیکھ کر رشک کرتا تھا۔

(۳) کساد بازاری میں گراں مایہ جنس بھی ایک مصیبت ہے (جس کا کوئی خریدار نہیں بنتا) میں بھی اپنی گرانمایہ جنس (عشق) کو شہروں اور بنوں میں لیئے پھرا لیکن کوئی خریدار پیدا نہ ہوا

(۴) زمانہ جو بھی میری قیمت ڈالے مجھے اسی قیمت پر بیچ دو۔ (میں عاشق ہوں اس لئے میرا کوئی خریدار نہیں یوسفِ (معشوق) نہیں ہوں کہ ہر طرف سے میرے خریدار پیدا ہوں۔

(۵) مفلس آدمی کا کبھی کوئی اعتبار نہیں کرتا۔ میں بڑا خوش قسمت ہوں۔ کہ محبوب نے جب مجھے خالی ہاتھ دیکھا۔ تو اپنا نقاب میرے سپرد کر دیا۔

(۶) اے محبوب! کب تک تو تیرِ غمزہ کا چلہ ابرو کی کمان پر چڑھائے رکھے گا (یعنی جبیں پُرچیں رہے گا۔ اس گرہ کو کھول دے تاکہ ہمارے تمام مشکلات بھی حل ہو جائیں۔

(۷) جسے تو ذلیل ہونے کا حکم دیتا ہے وہ ذلیل ہو جاتا ہے۔ میں عاجز ہوں میری مدد کر اور اپنے دل سے ملال کو نکال دے۔

(۸) تیری روشن ضمیر ایک لوحِ محفوظ ہے جس پر ایک وقت اگر کچھ لکھتے ہیں تو دوسری دفعہ مٹا دیتے ہیں۔ اب دیکھیں ہمارا کونسی بات فراموش ہو جاتی ہے۔ اور کونسی ثبت رہتی ہے۔

(۹) شاید محبوب آفتاب زادہ ہے کہ تمام مخلوق خاک کے ذروں کی طرح اس کے اردگرد گھومتی پھرتی ہے لیکن ہم نے تو کبھی کوئی ایسا آدمی نہیں دیکھا جو آفتاب زادہ ہو۔

(۱۰) جس طرح فروغ بچے استاد کی قید میں مضطرب و پریشان رہتے ہیں اسی طرح میرا بدن بھی زمانہ کی مصیبتوں کے طمانچے کھا کر گھل گیا ہے۔

(۱۱) اے نظیری (عاشق کی) خانماں سوز آہ سے ڈر ایسا نہ ہو کہ اس جلتے ہوئے تنکے کو ہوا اڑا کر لے جائے اور کسی کے خرمن میں ڈال دے۔

غزل نمبر ۴۸

بحر مضارع مثمن مقبوض مجنون اخرب مکفوف مقصور

تقطیع { هنوز را / مفاعلن / کبوترے ‖ و نگاہم / فعلاتن / کہ نیامو ‖ ببال و پر / مفاعلن / ختندسر ‖ نہ دہند / فعلان / نہ دہند

هنوز راہ نگاہم ببال و پر ندہند ۱ کبوترے کہ نیاموختند سر نہ دہند
خرابِ نرگسِ سنگیں دلانِ سرمستم ۲ کہ بر طریقِ نظر مہر را گذر ندہند
زغم بگونہ زریں شدم چہ چارہ کنم ۳ قبولِ صحبت صاحبدلاں بزر ندہند
ازیں گشادہ جبیناں ثباتِ عیش مجو ۴ کہ گل دہند بخروار و یک ثمر ندہند
بزہرِ یاس بسازد مجو حلاوتِ کام ۵ دوا چو داروئے تلخست گر شکر ندہند

زخوان بہ نعمتِ دوراں رضا بقسمت دہ ۵ کہ طعمہ زغمت خوشگوار تر نہ دہند

بدرد سوز کہ بر بستر آبِ عنابت ۷ بغیر تپ زدگی و تفِ جگر ندہند

چہ یادِ جورِ رفیقاں کنم نصیبم بود ۸ کہ تشنہ بر لبِ جو میرم و خبر ندہند

مثالِ مالبِ دریا و حالِ استسقی ست ۹ دہند شوق و لے رخصتِ نظر ندہند

سزد کہ مقنعہ بر سر کنند آں دلاں ۱۰ کہ تاجِ عشق بخواہند و ترکِ سر ندہند

ظفر تراست نظیری کہ محوِ ذوق شدی

بہر کہ غوطہ بدریا نزد گہر ندہند ۱۱

(۱) میری نگاہ کے ناآموز کبوتر کو اڑنے نہیں دیتے کیونکہ جب تک کبوتر کو سکھا نہیں لیتے نہیں کھولتے۔

(۲) میں ان سنگدل (محبوبوں) کی آنکھوں کا دارفتہ ہوں جو آنکھوں میں محبت کا رنگ پیدا ہی نہیں ہونے دیتے۔

(۳) صاحبِ دلوں کی صحبت سونے کے عوض بھی حاصل نہیں ہوتی۔ اس لئے اگر میں غم میں زندہ و رنگ گزند مثال ہو گیا تو کیا۔

(۴) ان ہنس مکھ دنیا داروں سے آرام و آسائش کی توقع نہ رکھو کیونکہ یہ پھول تو بہت دیتے ہیں جو نمایاں ہیں (جن) پھل نہیں دیتے۔

(۵) حلق کی حلاوت کا خیال کئے بغیر یاس (نا امیدی) کی زہر خوشی سے پی جا جہاں تلخ دوا مریض کے لئے فائدہ مند ہوتی ہے طبیب شکر نہیں دیا کرتے۔

(۶) زمانہ کے خوانِ نعمت سے جو کچھ تیری قسمت میں آیا ہے اس پر راضی رہ کیونکہ اس (زمانہ کے خوانِ نعمت) پر غم سے بڑھ کر کوئی خوشگوار لقمہ نہیں۔

(۷) بخار اور گرمیِ جگر کے مریضوں کو عناب کا پانی دیا کرتے ہیں۔ تو بھی تکلیف سے جل تا کہ آبِ عناب (راحت) تجھے نصیب ہو۔

(۸) ندی کے کنارے پر تشنہ لب مرا یہ میری قسمت میں لکھا تھا یہ دوستوں کا قصور نہ تھا کہ انہوں نے مجھے نہ بتایا کہ ندی بہ رہی ہے پانی پی لو۔

(۹) مرضِ استسقا کے مریض کو دریا کے کنارے بٹھا دیتے ہیں لیکن پانی پینے نہیں دیتے۔ میری بھی یہی حالت ہے کہ میرے دل میں ذوق دیدار کا جذبہ تو پیدا کر دیا ہے لیکن دیدار نصیب نہیں ہوتا۔

(۱۰) جو لوگ عشق کا تاج تو پہننا چاہتے ہیں مگر راہِ عشق میں سر نہیں کٹوا سکتے ان کو کہہ دو کہ عورتوں کا لباس پہنیں اور چادر دیواری میں بیٹھ جائیں۔

(۱۱) اے نظیری! تو ذوقِ عشق میں محو ہے اس لئے تو کامیاب رہیگا کیونکہ جو شخص سمندر میں غوطہ نہیں لگاتا وہ موتی کیسے حاصل کر سکتا ہے؟

غزل نمبر ۴۹

تقطیع } وقت شد / فاعلن / ابر خر

سبزہ فر / فاعلن / گہ بیک

ش در پیچد / مفاعلاتن / دگر پیچد

وقت شد سبزہ فرش در پیچد ۱ ابر خرگہ بیک دگر پیچد

آفتاب از کمیں بر آرد سر ۲ پنجۂ ابر باد بر پیچد
مسندِ سبزہ نخل بگذارد ۳ ز افسرِ غنچہ شاخ سر پیچد
ہمہ ذراتِ خاک بت گر را ۴ تارِ زنار بر کمر پیچد
حسن رنگے جہاں نمودہ بہ وہم ۵ سیمیا را بساط در پیچد
زاغ گر نہ تجد کند پرواز ۶ ہمش چرخ بال و پر پیچد
اصل بہتر کہ ترکِ فرع کند ۷ پائے در دامنِ اثر پیچد
دیدہ سیلِ بہار شد کہ جہاں ۸ ہم اوراقِ خشک و تر پیچد
تر و خشکی کہ کوہ و صحرا راست ۹ خوردۂ لالہ در شرر پیچد
زحمتِ خار و رنجِ خارا را ۱۰ لالہ در پارۂ جگر پیچد
ارغواں را کہ خوں کند سیلاں ۱۱ ساعد از نوکِ نیشتر پیچد

بس فریب چمن نظیری دید
۱۲ از بہشتش عناں نظر پیچد

(۱) (خزاں کا) وقت آگیا۔ سبزہ (باغ سے اپنا) فرش لپیٹ رہا ہے۔ بادلوں کو چاہیئے کہ تو بر تو چھا جائیں۔
(۲) (وہ وقت آگیا ہے) کہ آفتاب گھات سے سر نکالے تو ہوا پنجہ ابر کو مروڑ کر اس طرح نرسے کہ بادل آفتاب پر محیط ہو جائیں
(۳) (وقت آگیا ہے) کہ درخت (باغ میں) سبزہ کی مسند چھوڑ دے اور شاخ (گلبن) غنچہ کا تاج سر سے اتار دے۔
(۴) (وقت آگیا ہے) کہ صورت گر خاک کے تمام ذرات کی کمر کے گرد تارِ زنار لپیٹ دی جائے۔ مطلب یہ ہے کہ ذراتِ خاک نشو و نما سے عاری ہو جائیں۔
(۵) دنیا میں نمود رنگ و حسن ایک نمودِ وہم تھی۔ اب اس طلسم کی بساط کے الٹنے کا وقت آگیا ہے۔
(۶) (وقت آگیا ہے) کہ جو کوا اپنی طاقت سے بڑھ کر پرواز کرتا ہے۔ آسمان اس کے بال و پر کو آپس میں الجھا کر رکھ دے۔
(۷) اس وقت بہتر ہے کہ اصل (درخت) اپنی فرع (پھل پھول پتے) کو خیرباد کہے اور اب جو کچھ باقی رہ گیا ہے۔ اس پر قانع ہو۔
(۸) شاید میری آنکھیں کثرتِ گریہ سے سیلاب کی طرح ہیں۔ کہ دنیا نے اوراقِ خشک و تر کو گویا لپیٹ کر میرے راستہ سے ہٹا دیا۔
(۹) جنگل اور پہاڑ پر جو خشک و تر ہے، خوردہ لالہ اس میں بھی آگ لگا دے گا۔
(۱۰) لالہ میں جو ایک داغ سیاہ ہے وہ گویا زحمتِ خار اور رنجِ خارا کی یادگار ہے مطلب یہ ہے کہ گویا دو پتھروں کے باہمی شگاف سے جو لالہ کا پھول اکثر پھوٹتا ہے یہ داغ جگر اس مصیبت کی یادگار ہے۔
(۱۱) گل ارغواں کا خون فاسد ہو گیا (اب وقت آگیا ہے) کہ نوکِ نشتر سے اس کی کلائی میں چرکا دیا جائے۔
(۱۲) نظیری نے اس چمن (دنیا) میں بہت فریب دیکھے ہیں، اس لئے اس نے بہشت سے بھی امید اٹھالی ہے (کہ کہیں اس میں بھی ایسی فریب کاری نہ ہو)

غزل نمبر ۵۰

بحر ہزج مثمن اخرب مکفوف محذوف — ارکان: مفعول مفاعیل مفاعیل فعولن

۱ عشق ست طلسمے کہ در و بام ندارد ۔ آں کس کہ ازو یافت نشاں نام ندارد

۲ بس حلۂ الواں بقدِ عشق بریدند ۔ یک جامہ براندازۂ اندام ندارد

۳ بادیکہ وزد وجد کند مستِ محبت ۔ عاشق ہمہ سر و سودائے مے و جام ندارد

۴ بس زاویۂ حالِ مرا روز لطیف ست ۔ تابِ نفسِ صبح و دمِ شام ندارد

۵ آغازِ جنونم شدہ پایانِ محبت ۔ کاریست بانجام کہ انجام ندارد

۶ از خویش تسلی نشوم تا رمقے ہست ۔ پروانہ بجاں باختن آرام ندارد

۷ کوتہ نظراں در طلبِ توشۂ راہند ۔ عرضِ دو جہاں وسعتِ یک گام ندارد

۸ زاں دانۂ مشکین و خطِ سبز ندیدیم ۔ مرغے کہ دلے در گروِ دام ندارد

۹ جاں زیرِ لب از پا و سرش بوسہ بچیند ۔ کاں نخلِ بہشتی ثمرِ خام ندارد

۱۰ سرخوش ز لبش بیش شدم کز لبِ ساغر ۔ مے چاشنیِ تلخیِ دشنام ندارد

۱۱ عریانیِ ما را شرفِ کعبہ بپوشد ۔ درویشِ حرم جامۂ احرام ندارد

۱۲ جز طبعِ نظیری کہ حقِ عشق ادا کرد
کس نیست کہ در گردن ازو وام ندارد

(۱) عشق ایک ایسا طلسم ہے جس کا کوئی نشان نہیں ملتا۔ اگر کسی کو اس کا نشان مل جاتا ہے تو خود اس کا اپنا نشان مٹ جاتا ہے (یعنی فنا فی العشق ہو جاتا ہے)۔

(۲) تو عشق کے لئے طرح طرح کے لباس سئے گئے لیکن پورا ایک نہ اترا (یعنی عشق کی تعریفیں بہت سی ہوئی ہیں لیکن صحیح تعریف نہیں ہو سکی)۔

(۳) عاشق مئے عشق سے سرشار ہوتا ہے (اس لئے) اس کو جام اور مے کی پرواہ نہیں ہوتی۔ جو ہوا بھی چلتی ہے اس کو وجد میں لے آتی ہے

(۴) میری حالت کا زاویہ اتنا لطیف واقع ہوا ہے کہ اس میں کمی بیشی نہیں ہو سکتی۔ نہ صبح ہوتی ہے نہ شام (ہم اس عالم میں ہیں۔ جہاں بیخودی ہی بیخودی ہے)

(۵) جب محبت انتہا کو پہنچتی ہے تو جنونِ عشق کا آغاز ہوتا ہے یعنی عشق ایک ایسا مرحلہ ہے جس کا ہر انجام اس کا آغاز ہے

(۶) میں راہِ عشق میں پروانہ ہوں جب تک مجھ میں ذرا سی بھی جان باقی ہے مجھے قرار نہیں۔ کیونکہ جب تک پروانہ شمع پر مر نہیں مٹتا اس کو آرام نہیں آتا۔

(۷) کرتا مطراں (دنیا داران) ایک قدم کی مسافت (عدم) کے لئے زاد راہ کی تلاش میں ہیں۔ لیکن (عاشق صادق کے لئے) دونوں جہان کی مسافت ایک قدم کے برابر ہے (اس لئے وہ زاد راہ کی پرواہ نہیں کرتا)

(۸) میں نے کوئی ایسا باغ (دل) نہیں دیکھا جو ان زلف مشکیں اور خطہ سبزہ کا اسیر نہ ہو۔

(۹) محبوب بہشت کا ایک درخت ہے جس پر کوئی کچا پھل نہیں۔ میری جان (میری روح عشق) زیر لب (بغیر اظہار کے) اس کے پاؤں سر کا بوسہ لیتی ہے۔

(۱۰) مجھے جو مزا محبوب کے لبوں سے حاصل ہے وہ جام سے نہیں کیونکہ مے کی شیرینی میں وہ لذت نہیں جو یار کی تلخی دشنام میں ہے

(۱۱) کعبے کا شرف ہماری عریانی کو ڈھانپ لیتا ہے۔ ہم تو حرم (عشق) کے درویش ہیں اس لئے ہمیں احرام باندھنے کی ضرورت نہیں

(۱۲) نظیری کی طبع کے سوائے کون ہے جس نے عشق کا حق ادا کیا ہو۔ کوئی گردن بھی ایسی نہیں جس پر اس کا بار احسان نہیں۔

غزل نمبر ۵

نہ دل آزادہ پائے بست شود ۱ بپرد از دل ز دست شود
ہمتے کاں باعتدال افتد ۲ کے بعلت بلند و پست شود
عشق را پایۂ معین نیست ۳ مومن از عشق بت پرست شود
بہوائے کہ در دماغ افتد ۴ ناقہ در زیر بار مست شود
کار از انکسار بکشاید ۵ عشق را فتح از شکست شود
شرم از چشم پارسا بسر ۶ خط کہ بر روئے خوش نشست شود
ہر کہ بیند طلوع حسن ترا ۷ سرخوش از نشۂ الست شود
چوں نقاب از جمال برداری ۸ ہر چہ نابود گشتہ ہست شود

بہر در آستیں نظیری راست
۹ کے کرم پیشہ تنگ دست شود

(۱) دل آزاد یعنی صاحب نظر کبھی مقید نہیں ہوتا۔ دل کی مدد سے اڑتا ہے۔ اور ہاتھ سے نکل جاتا ہے۔

(۲) وہ ہمت جو اعتدال پر مبنی ہو بیرونی اثرات سے کب بلند و پست ہو سکتی ہے۔

(۳) عشق اختیار کرنے کے واسطے کسی خاص مرتبہ (مذہب و ملت) کی ضرورت نہیں۔ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے۔ مومن عشق میں پڑ کر بت پرست ہو جاتا ہے۔ اور بت پرست مومن)

(۴) ناقہ (سانڈنی) حدی خوان کی نغمہ سرائی سے متاثر ہو کر بوجھ کے نیچے ہی مست ہو جاتی ہے) میں بھی تو ناقۂ عشق ہوں اگر عشق کے بوجھ کے نیچے مست ہو گیا۔ تو تعجب کی کونسی بات ہے)

(۵) عجز اختیار کرنے سے کام (مشکلات) آسان ہو جاتے ہیں عشق میں بھی فتح عجز ہی سے حاصل ہوتی ہے۔

(٦) محبوب کی رخسار پر سبزۂ خط کیسا موزوں آیا ہے کہ اس (سبزۂ خط) نے زاہدوں کی آنکھ سے شرم و حیا دور کر دی ہے (یعنی زہد و تقویٰ کو چھوڑ سبزۂ خط کی طرف دیکھتے ہیں۔ اور لوگوں کی لعن طعن کی پرواہ نہیں کرتے)

(٧) تیرے حسن میں روزِ ازل سے ہی وہ شرابِ الست کی مستی رکھ دی گئی ہے کہ جو بھی اس کو دیکھتا ہے نشۂ الست میں غرق ہو جاتا ہے

(٨) جب تو (محبوب) اپنے جمال سے پردہ اٹھا لیتا ہے تو اس کی روشنی کو دیکھ کر مردہ دل بھی زندہ دل ہو جاتے ہیں۔

(٩) اے نظیری (آبدار موتیوں کا سمندر تیری آستین (تصرف) میں ہے (تیرا پیشہ سخاوت ہے) بھلا سخی بھی تنگ دست ہو سکتا ہے۔

غزل نمبر ۵۲

بحرِ رمل مثمن مقصور — ارکان:۔ فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلان

١ اینکہ دل نامند چوں حرزِ حمایل کردہ اند — ہیکلے از اضطرابِ چشمِ بسمل کردہ اند

٢ از کجا ایں دودماں بالایں دلیل افروختند — چرخ را پروانہ فانوسِ محفل کردہ اند

٣ ایں گل از ہر شاخِ خود روئی نمے آید بیار — تخم یک جا کشتہ صد جا آب و گل کردہ اند

٤ در خیالِ قیدِ زلف و خال ہر کس باند ماند — فکر دیگر کن کہ حلِ عقدہ مشکل کردہ اند

٥ از قدم تا فرق ناز و نوش برابر دگرہ — خوانِ دعوت چیدہ اند و منعِ سائل کردہ اند

٦ از پئے دنیا مشو پویاں دریں موجِ سراب — ہر نفس نقشے پدید آوردہ باطل کردہ اند

٧ خلق را در ہر نفس موتے حیاتے مضمر ست — در زلالِ زندگی زہرِ ہلاہل کردہ اند

٨ روئے از میدانِ سربازاں بگرداں کاہل فوق — پائے کوباں سر نثارِ راہِ قاتل کردہ اند

٩ ما بچیں زلف کشتی بر کنار آوردہ ایم — عشق دریائیست کش دیدار ساحل کردہ اند

١٠ گردِ خود گردم چو بینم در ہوائے گیتیم — ذرہ ام اما بخورشیدم مقابل کردہ اند

عشق را ہنگامہ امروز از نظیری روشنست
ہر طرف از گفتگویش گرم محفل کردہ اند

(١) یہ جس کو لوگ دل کہتے ہیں اور جسے تعویذ بنا کر میرے گلے میں ڈال رکھا ہے۔ وہ بسمل کی آنکھ کی بیقراری کا ہیکل (مجسمہ) ہے (جو میرے پہلو میں رکھ دیا ہے پس میرے اضطرابِ قلب کا کیا ٹھکانا)

(٢) یہ فانوس کس خاندان سے تعلق رکھتا ہے جس کو یہ دلیل (نشان) دیکر روشن کیا ہے۔ کہ جس محفل میں روشن کیا جائے۔ آسمان پروانے کی طرح اس پر قربان ہو۔

(٣) یہ (عشق کا) پھول خود رو ہو دے پر نہیں اگا کرتا۔ کیونکہ اس کا بیج تو صرف ایک جگہ کاشت کیا گیا ہے اور اس کی نشو و نما کے لئے سینکڑوں جگہ

ن پروانہ پیرو شمع
ن ممل

جگہ پانی دیا گیا ہے۔

(۴) زلف اور خال کے خیال میں جو پھنس کر رہ گیا رہ گیا اب کوئی اور فکر کی گتھی مجھ سے نہیں سلجھے گی۔

(۵) (اے محبوب) تو سر سے لے کر پاؤں تک نازونوش ہے۔ گویا قضا و قدر نے خوان نعمت چن رکھا ہے اور تیری آبرو پر گرہ (چین) لگا دی ہے تاکہ کوئی سائل (عاشق) اس کے نزدیک نہ آنے پائے۔

(۶) اس دنیا کے پیچھے نہ دوڑ کیونکہ یہ ایک دھوکے کی موج ہے۔ جس میں ایک لمحہ میں نقش پیدا کر کے مٹا دیتے ہیں۔

(۷) خلقت کی موت و حیات ایک سانس کے ساتھ وابستہ ہے (گویا قضا و قدر نے) زندگی کے میٹھے پانی میں زہر ہلاہل (موت) ملا رکھی ہے۔

(۸) سرہانوں کے میدان سے منہ پھیر کر نہ چلے جاؤ۔ کیونکہ اہل ذوق تو نا چتے کودتے قاتل (محبوب) کی راہ میں جان قربان کر دیتے ہیں۔

(۹) عشق ایک ایسا سمندر ہے جس کا ساحل (محبوب کا) دیدار ہے پس ہم بھی چین زلف کے ساتھ اپنی کشتی باندھ کر عشق کے کنارے پر لے آئے ہیں۔

(۱۰) جب میں دیکھتا ہوں کہ میں کس محبوب کے عشق میں سرشار ہوں تو میں اپنے آپ کو تعجب سے دیکھتا ہوں۔ کہ میں تو ایک ناچیز ذرہ ہوں جسے عشق نے سورج کے سامنے لا کر کھڑا کیا۔

(۱۱) آج عشق کا ہنگامہ نظیری ہی کے وجود سے قائم ہے کہ جہاں کہیں بھی محفل ہو اس کی گفتگوے (اشعار) سے محفل کو رونق دی جاتی ہے۔

غزل نمبر ۵۳

بحر مجتث مثمن مخبون مقصور — ارکان:۔ مفاعلن فعلاتن مفاعلن فعلان

بغمزہ روزِ الستم ہمیں معاملہ بود ۱ ابد رسید و نیا سودم اینچہ مشغلہ بود؟
نصیبِ من ز ازل دردِ بے دوا گردید ۲ کہ بردباری ہر کس بقدرِ حوصلہ بود
قصورِ طرہ نگارم تمام حسن شکست ۳ کہ از میانہ ہمیں با منش مجادلہ بود
بموئے من سببِ اجتماع دلہا گشت ۴ جنوں کہ باعث آشفتگی سلسلہ بود
بصفحہ نقشِ خط و خال خویشتن نقاش ۵ نکو کشیدہ کہ آئینہ در مقابلہ بود
دلم ز سترِ دہانش بقیل و قال افتاد ۶ لطیفہ زلبش صد ہزار مسئلہ بود
لبش بدادنِ کامم نمود جہد آما ۷ بغمزہ کرد حوالت کہ بد معاملہ بود
فریبِ قولِ بد اندیش گرگِ فاسد گشت ۸ ز یوسفے از ماکہ چشمِ قافلہ بود
بہ نکتہ گفت مجل میکنم نظیری را ۹ ز قولِ خویش فراموش کرد ایں صلہ بود

ن طرہ نگارم

ن جہد

(۱) ازل کے دن ہی سے میرا غمزہ کے ساتھ کاروبار چلا آیا ہے (جب محبوب حقیقی نے الست بربکم کہا تو میں نے فوراً بلےٰ کہہ دیا) یہ ایک

عجیب شغل ہے کہ میری عمر ختم ہو گئی اور ایک بھی لمحہ مجھے اس شغل سے فراغت نہ ملی۔

(۲) ازل کے دن درد بے دوا (عشق) میرے حصہ میں آیا کیونکہ جب دیکھا کہ میرے سوا اس کا کوئی متحمل نہیں ہو سکتا، تو قضا و قدر نے اس کو میرے حوالہ کر دیا کیونکہ ہر شخص کی بردباری اس کے حوصلہ کے مطابق ہوا کرتی ہے۔

(۳) حقیقت تو یہ ہے کہ دونوں مصرعوں میں ربط مجھ میں نہیں آتا ممکن ہے کاتب نے دو شعروں کے دو مصرعے لکھ دیئے ہوں چونکہ صحت کا کوئی وسیلہ میرے پاس نہیں لہٰذا انہیں دونوں مصرعوں بزور ربط پیدا کرنے کی بیجا کوشش کی جاتی ہے تو جمہ میرے معشوق کی طرزِ سلوک کی کمی نے تمام خوبیوں پر پانی پھیر دیا کیونکہ میرے

(۴) جنون (عشق عشاق) کے سلسلہ میں پریشانی کا موجب بنا ہوا تھا۔ مگر میری بو پاکر کہ میں بھی عشاق کے زمرہ میں داخل ہوں، ان (عشاق) کے دلوں کے اجتماع کا باعث بن گیا۔

(۵) نقاش (محبوب) کے سامنے شیشہ موجود تھا اس لئے اس نے اپنے تمام خط و خال کی تصویر کھینچ کر رکھ دی اور یہ بہت اچھی کھینچی۔

(۶) میرا دل (محبوب کے لطیفہ دہن کے معاملہ میں شک و بحث میں مبتلا ہو گیا اسی ایک نفیس و نازک بات میں ہزاروں مسئلے کی سی پیچیدگی تھی۔

(۷) اس (محبوب) کی لبوں نے میری آرزو پوری کرنے میں کوشش کی اور اس غرض سے مجھے غمزہ کے حوالہ کر دیا لیکن وہ (غمزہ) (بد معاملہ بدعہد نکلا اس لئے میری آرزو پوری نہ ہوئی)۔

(۸) دشمن کی فریب کارانہ گفتگو (میرے لئے) ایک فاسد بھیڑیا تھی (جو باتوں ہی باتوں میں) اس یوسف (محبوب) کو اڑا لے گیا جس پر تمام قافلے کی نظر لگی ہوئی تھی۔

(۹) اس نے کہا کہ میں نظیری کو اپنی شیریں کلامی سے ایک نکتہ میں مجمل کر سکتا ہوں پھر اس نے یہ بات بھلا دی تھی یہی ہمارا انعام تھا۔

ہوا اور اس کے حسن و جمال کی حقیقت (اصلی معنی) الفاظ کے ظاہر سے یا اظہار سے مخفی رہ گیا ... کرتا تھا اور اس بات کو بہت بُرا سمجھتا تھا ... اس کے تمام حسن و خوبی پر پانی پھر گیا۔

غزل نمبر ۵۴

بحرِ مجتث مثمن مخبون محذوف — ارکان:- مفاعلن فعلاتن مفاعلن فعلن

۱ کسے بملکِ حدوث از قدم نمے افتد — کہ بر گذرگہِ شادی و غم نمے افتد

۲ بروشنائیِ دل رو کہ رفتگاں رفتند — گذارِ زندہ دلاں برِ عدم نمے افتد

۳ من ایں مرقعِ الواں بگیم روزے — کہ طرحِ رندی و تقوی بہم نمے افتد

۴ زبانِ دعوت و تسخیر بہ کہ بربندم — کہ در چراغِ کس آتش بدم نمے افتد

۵ مسافرے کہ بنا بردہ بودِ خود بیند — بفکرِ منفعتِ بیش و کم نمے افتد

۶ دلیلِ عشق نزیبد کسے کہ در ہر گام — سرش چو شمع بہ پیشِ قدم نمے افتد

۷ چناں ز شوقِ تو گردیدہ اند سرگرداں — کہ راہِ کعبہ رواں بر حرم نمے افتد

۸ چناں پرستشِ روئے تو جذب دلہا کرد — کہ عشقِ برہمناں بر صنم نمے افتد

۹ بذکرِ من خطِ نسیاں کشیدۂ آما — بفکرِ غیر ز دستت قلم نمے افتد

۱۰ ز سہوِ خاطرِ یاراں چناں سقیم شدم — کہ سایۂ قلمم بر رقم نمے افتد

نویسی ار بنظیری دعا و گر دشنام
زشوقِ نامہ بفکرِ رقم نمے افتد

(۱) بلکہ قدم در عالم بقا) سے کوئی شخص بھی ملکِ حدوث (دنیا) میں نہیں آتا جو کہ شادی اور غم کی منزل سے نہ گزرے (مطلب یہ ہے کہ اس دنیا میں ہر شخص کو غم برداشت کرنا پڑتا ہے)

(۲) دل کو رہبر بنا کر منزل حیات طے کر۔ اگرچہ مرنے والے مر گئے لیکن زندہ دلانِ عشق ابھی تک جی و قائم ہیں۔

(۳) میں کبھی رند بنتا ہوں کبھی متقی و پرہیزگار۔ ایک دن یہ رنگین گودڑی جس میں رندی اور تقوٰی کے پیوند لگے ہوئے ہیں پھینک دوں گا۔ کیونکہ رندی اور تقوٰی کی بنیاد ایک جگہ نہیں رکھی جا سکتی۔

(۴) جب دعا اور عمل تسخیر میں کوئی اثر باقی نہیں رہا تو دعا اور عمل تسخیر کا ورد ختم کر دینا ہی اچھا ہے۔

(۵) وہ مسافر جو اپنی ہستی اور نیستی کا راز سمجھتا ہے۔ وہ یہ خیال نہیں کیا کرتا کہ نفع کم ہوا ہے یا زیادہ۔

(۶) عشق کے راستے میں وہی شخص دلیل (رہبر) ہو سکتا ہے جو ہر قدم پر اپنا سر شمع کی طرح آگے رکھے اور ہر قسم کے مصائب و آلام برداشت کرنے کے لئے تیار ہو ورنہ اس کے لئے زیبا نہیں کہ دلیلِ عشق بن کر چلے۔

(۷) تیرے (دیدار) کے شوق میں حاجی اس قدر سرگرداں ہو گئے ہیں کہ اس وارفتگی کے عالم میں وہ (حاجی) حرم کے راستے پر نہیں جاتے۔

(۸) (اے محبوب) تیرے چہرہ (جو قابل پرستش ہے) نے عشاق کے دلوں کو اس طرح اپنی طرف کھینچ رکھا ہے۔ کہ برہمن (جو بت پرستی کا دلدادہ ہے) بت پرستی کی طرف رجوع نہیں کرتا (بلکہ تیرے چہرہ کی پرستش کرتا ہے)

(۹) محبوب نے میرے نام پر خط نسیاں کھینچ دیا ہے۔ (تاکہ محفل میں میرا ذکر تک نہ آئے) لیکن رقیب کا اتنا خیال ہے کہ ہاتھ سے قلم ہی نہیں چھوٹتا۔

(۱۰) دوستوں نے مجھے اس طرح بھلا دیا ایسی یہ حالت ہو گئی ہے کہ دوستوں کے قلم کا سایہ بھی میرے نام پر نہیں پڑتا۔ تو خط لکھنا معدوم

(۱۱) (اے محبوب) خواہ تو نظیری کو خط میں دعا لکھتا ہے یا گالی وہ تو خط کے شوق میں اتنا محو و مستغرق ہو جاتا ہے کہ نفس مضمون کی طرف خیال ہی نہیں کرتا۔

غزل نمبر ۵۵

بحر ہزج مثمن سالم — ارکان: مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن

۱ نہ ہر مغزے کہ بوید نکہت از مصر و یمن گیرد
مشامِ تیز باید تا نصیب از پیرہن گیرد

۲ نسیمے گر نہ تر دارد دماغ پیر کنعاں را
پسر گم کردۂ چوں انس با بیت الحزن گیرد

۳ ورق از کس چہ میخواہی سبق از کس چہ میگیری
زدل جو ہر چہ میجوئی کہ فیض از خویشتن گیرد

۴ پے نقاش از نیرنگیِ صورت نیاساید
فریبِ نقشِ شیریں دل ز دستِ کوہکن گیرد

۵ نفس تلخست تا طعمِ حقیقت نیست با مغزش
سخن شیریں بود وقتیکہ از رنگِ سخن گیرد

۶ زخود گر بگذری شاہی کنی در ملکِ بیخویشی
عزیزِ خلق گردد ہر کہ در غربت وطن گیرد

۷ دریں دیرِ کہن چون امن گردد خاطر انساں را
کہ اول اہرمن بگرفت و آخر اہرمن گیرد

۸ زعریانی ازیں شادم کہ از تشویش آزادم
گریبانے ندارم تا کسے از دستِ من گیرد

چہ راحت از وطن آں را کہ یارش در سفر باشد ۹ کجا بے روئے گل آرام بلبل در چمن گیرد

بعہدِ زندگانی چاک زد ہر کس گریبانے ۱۰ بوقتِ مرگ نتواند قرار اندر کفن گیرد

زبس بوئے کمالِ شرک مے آید ز توحیدم ۱۱ در ارشادِ مغاں تکبیر از من برہمن گیرد

سخن ہر روز عالمگیر تر گردد نظیری را

۱۲ کہ مردم بیش بجا در سایۂ نخلِ کہن گیرد

(۱) ہر ایک شخص کا دماغ ایسا نہیں جو حضرت یعقوبؑ کی طرح مصر سے حضرت یوسفؑ کی اور حضرت اویس قرنیؓ کی طرح یمن سے (حضرت محمدؐ) کی خوشبو سونگھ سکے۔ کیونکہ پیراہن کی خوشبو سونگھنے کے واسطے بڑا تیز دماغ (محبت میں از خود رفتگی) ہونا چاہیئے۔

(۲) اگر حضرت یوسفؑ کے پیراہن کی خوشبو پیر کنعان (حضرت یعقوبؑ) کے دماغ کو تر و تازہ نہ رکھتی تو کس طرح وہ پسر گم کردہ (حضرت یعقوبؑ) بیت الاحزان کے ساتھ مانوس ہو سکتے۔

(۳) محبوب دل میں ہے مکتب اور پڑھنے سے نہیں ملتا، پس تو کیوں کسی سے کتاب مانگتا ہے اور کسی سے درس لیتا ہے۔ جس محبوب کی تلاش میں تو ہے اس (محبوب) کی جستجو دل میں کر کیونکہ جس کسی کو فیض حاصل ہوا ہے۔ اپنے نفس کی (شناخت) سے ہوا ہے (من عرف نفسہ فقد عرف ربہ)

(۴) نقاش کسی وقت بھی صورت کی نیرنگیوں سے مخلصی نہیں پاتا اور وہ ہر وقت تصویر کی ظاہری دلکشی اور رجاذبیت کے خیال اور تصور میں لگا رہتا ہے، دیکھو لو شیریں کے نقش سے فریب نے کوہکن (فرہاد) کا دل اس کے ہاتھ سے چھین لیا۔

(۵) وہ کلام جس کے مغز میں حقیقت کا مزا نہیں تلخ ہے۔ کلام وہی میٹھا ہوتا ہے جو شعر کا رنگ اختیار کرے۔

(۶) اگر تو خودی کو ترک کر دے تو بیخودی کے ملک میں بادشاہت کرنے لگے۔ کیونکہ جو شخص غربت (مسافرت) میں وطن اختیار کرتا ہے۔ وہ خلقت میں عزیز ہو جاتا ہے۔

(۷) اس دیر کہن (دنیا) میں انسان کو کیسے اطمینان قلب نصیب ہو سکتا ہے کیونکہ آغاز میں اس پر شیطان کا قبضہ تھا۔ اور آخر میں بھی اس پر شیطان (دجال) کا ہوگا۔ حدیث کی رو سے ہر مولود کو شیطان مس کرتا ہے اور نیز عالم نزع میں بھی پھر اس کے پاس آکر اسے آمادہ شرک کرنا چاہتا ہے۔

(۸) میں اپنی عریانی پر اس وجہ سے خوش ہوں کیونکہ میں اس پریشانی سے بیفکر ہوں۔ کیونکہ میرا گریبان ہی نہیں جسے کوئی میرے ہاتھ سے پکڑ لے۔

(۹) وطن میں اس شخص کو کیسے آرام میسر آ سکتا ہے۔ جس کا دوست سفر میں ہو۔ بلبل چمن میں پھول دیکھے بغیر کیسے آرام لے سکتی ہے۔

(۱۰) جس شخص نے (اپنی) زندگی میں ہی اپنا گریبان پھاڑ دیا (اور عشق اختیار کر لیا ہے) وہ مرگ (موت) کے بعد کفن میں آرام نہیں کر سکتا اور وہ کفن کو بھی پھاڑ کر نکل جائیگا۔

(۱۱) میرے (اقرار) توحید سے شرک کی کمال بو آتی ہے (میری توحید میں شرک ملا ہوا ہے) اس لئے برہمن پیر مغاں کی تلقین کے لئے مجھ سے تکبیر سیکھتا ہے

(۱۲) نظیری جو (ایک کہنہ مشق شاعر ہے) کی شاعری کی شہرت دن بدن زیادہ عالمگیر ہوتی جاتی ہے کیونکہ پرانے درخت کے سائے میں زیادہ سے زیادہ لوگ آرام کر سکتے ہیں۔

غزل نمبر ۵۶

بحر مجتث مثمن مخبون محذوف ۔۔۔ ارکان: مفاعلن فعلاتن مفاعلن فعلن

درین دیار عجب مطربانِ یک رنگ اند ۔ کہ دل برند بصد راہ و بر یک آہنگ اند

ز حسنِ سینہ کشایند چشمہ چشمۂ نور ۔ بز خمۂ صیقلِ آئینہائے پُر زنگ اند

کلیدِ شادی و شمشیرِ غم بکف دارند ۳ بہ بسط بر سرِ صلح و بقبض در جنگ اند

بدل ز نغمۂ شیریں حرارت انگیزند ۴ بصوتِ چوں شکر و شیر آہن و سنگ اند

چو حدِ زیر و بمِ نغمہ را نگہدارند ۵ بہر مقامِ خفیف و ثقیل ہم سنگ اند

سبکدلاں چو بفتراکِ شاں درآویزند ۶ بہ طئے نیم قدم در ہزار فرسنگ اند

بفتحِ یک خلش ایں زاہداں چو نغمۂ چنگ ۷ بروں روند کہ بر سینہ و بغل تنگ اند

ز سرِ عالمِ لاہوت می دہند نشاں ۸ ز پردہ در گزرند ایں گروہ نیرنگ اند

ہزار رنگ بر آرند ایں فسوں سازاں ۹ کہ تبہ آفریدۂ صنع ہزار نیرنگ اند

سوادِ صومعہ را نسخۂ فسوں سازند ۱۰ بہ طبع کارگہِ نقشہائے ارژنگ اند

بگوشِ کرشدہ سحر بر آں زند آتش ۱۱ کہ برفروختہ چہرہائے گلرنگ اند

مشاطۂ رخِ مستند بامے و قدح اند ۱۲ مقالۂ غمِ عشق اند و باد و دف و چنگ اند

اگرچہ قاطعِ زہد اند مایۂ ہوشند ۱۳ وگرچہ رافعِ شرع اند جانِ فرہنگ اند

دلیلِ اہلِ فنایند در عروج و نزول ۱۴ باوج در طیراں در حضیضِ رہ لنگ اند

نظیری از پئے ایں جادواں مدو بسیار
۱۵ کہ در ربودنِ ادراک چابک و شنگ اند

(۱) اس ولایت میں وہ سب کے سب مطرب عجب رنگ میں رنگے ہوئے ہیں۔ کہ باوجود ایک ہی نغمے کے سینکڑوں طریقوں سے دل چھین لے جاتے ہیں۔

(۲) رخنہ کشادن نہر جاری کرنا زخمہ مضراب صیقل جلا آئینہ مراد دل رخ زنگ مراد غمگین یہ غزل مطربان حسین کی تعریف میں ہے۔ ترجمہ۔ یہ مطربان حسین میدان سینہ ہائے سامعین (یا عشاق) سے بکثرت چشمے نور کے بہا دیتے ہیں یعنی اپنے نغمہ ہائے وحدت سے دریا بہا دیتے ہیں

(۳) ان مطربوں کے ہاتھ میں خوشی کی چابی (سرود بہجت افزا) اور غم کی تلوار (مراد نغمہ غم افزا) موجود ہے۔ فراخی کے زمانہ میں جب بر سر صلح ہوتے ہیں تو نغمہ بہجت افزا گاتے ہیں اور لڑائی کے زمانہ میں قبض رغم کی تلوار رکھتے ہیں (یعنی جنگ کے موقع پر ایسے گیت گاتے ہیں جو غم افزا ہوں)

(۴) یہ مطرب اپنے شیریں نغموں سے دل میں حرارت (گرمی) پیدا کرتے ہیں نغمہ سرائی میں شیریں نغمے خوش الحان ہیں لیکن جب ان کی آواز دل پر جا لگتی ہے۔ تو وہ آتش عشق پیدا کرتی ہے۔ گویا پتھر اور لوہا آپس میں ٹکراتے ہیں۔

(۵) چونکہ وہ مطرب نغمہ سرائی کے وقت راگ کے پردہ زیر و بم کا خیال رکھتے ہیں۔ اس لئے خفیف اور ثقیل راگنی کو اپنے سر میں الاپتے ہیں۔

(۶) (اور جب) سبکدل (عاشق) ان مطربوں کی فتراک کے ساتھ لٹک جاتے ہیں۔ تو وہ نیم قدم اٹھاتے ہیں۔ ایک ہزار فرسنگ کی مسافت طے کر جاتے ہیں۔

(۷) جب ان شاہدوں و مطربوں کے سینوں کی ایک خلش کھل جاتی ہے تو وہ اس خوشی میں اس طرح آپے سے باہر ہو جاتے ہیں جس طرح نغمہ رباب سن کر پھولے نہیں سماتے کیونکہ ان کے جوش لبریز سینہ ہیں

(۸) عالم لاہوت عالم اولاد ذات الٰہی پردہ ایک قسم کا نغمہ ستار کی گت مدی نیرنگ طلسمات ہفت ترجمہ۔ یہ مطرب اپنے نغمہ ہائے وحدت سے اسرار عالم لاہوت کی خبر دیتے ہیں یہ گروہ مطربان طلسمات دنیاوی بات میں سے ہیں اور یہ ایک نئے قسم کا پردہ ہیں۔ کہ جس نغمہ سے عرفان و ایقان حاصل ہوتا

[illegible]

(۹) یہ مطرب ایسے افسوں ساز ہیں کہ ایک نغمہ سے ہزاروں رنگ پیدا کرتے ہیں کیونکہ انہیں اس خالق نے پیدا کیا ہے جس نے ہزار قسم کی صنعت پیدا کر رکھی ہے۔

(۱۰) یہ مطرب خرقیوں اور صاحب حال عابدوں کی جھونپڑی کے لئے بھی نسخۂ افسوں اپنے پاس رکھتے ہیں کیونکہ یہ اپنی طبیعت میں گویا مانی کے نقش ہائے ارژنگ کے مشابہ ہیں

(۱۱) ان کا نغمہ بہرے کانوں میں بھی آگ لگا دیتا ہے کیونکہ وہ گلرنگ شراب سے مست ہو کر جھوم رہے ہیں۔

(۱۲) جب وہ پیالہ و شراب لے کر بیٹھتے ہیں تو گویا مستوں کے چہروں کو سنوارنے کا ذریعہ ہوتے ہیں۔ اور جب وہ چنگ و دف پر گانا شروع کرتے ہیں تو اس وقت غم عشق کا رگویا مجسم ایک مضمون بن جاتے ہیں۔

(۱۳) یہ لوگ اگرچہ زہد تقویٰ کے لئے رہزن ہیں لیکن عقل و ہوش کا سرمایہ ہیں۔ اگرچہ تارک شرع ہیں لیکن عقل کی جان ہیں۔

(۱۴) یہ عروج و نزول بسط و قبض کی ہر حالت میں اہل فنا د عارفان جو فنا فی اللہ کے مقام پر پہنچ چکے ہوں، کی رہنمائی کرتے ہیں۔ بلندی کی طرف اڑتے ہیں اور پستی کی طرف قدم نہیں اٹھاتے۔

۱۵ اے نظیری ان جادوگروں محبوبوں کے پیچھے نہ دوڑ کیونکہ وہ عقل و ہوش کے لیجانے میں بڑے چالاک و ہوشیار واقع ہوئے ہیں۔

غزل نمبر ۵۷

بحر مجتث مثمن مخبون مقصور — ارکان:- مفاعلن فعلاتن مفاعلن فعلان

۱ بقصد ہر کہ سوئے کعبہ ناقہ راہی کرد — نشانِ پاش بہر گام قبلہ گاہی کرد
۲ کبود روے ازاں شد بنفشہ در گلشن — کہ با کلالۂ جعدِ تو کج کلاہی کرد
۳ زچینِ زلف نسیمے وزد بموجِ عذار — سفینۂ مردمِ چشم مراتباہی کرد
۴ زروئے زلفِ توام سایہ در ضمیر انداخت — فلک منجمم از ماہ تا بماہی کرد
۵ نشانِ کوکبم اختر شناس بد مے یافت — مشاطۂ خالِ ترا کند و پر سیاہی کرد
۶ کسے چو خال ز حسنِ تو کامیاب نشد — مقیمِ کنجِ لبت گشت و بادشاہی کرد
۷ دلم ملاطفۂ از لبِ تو داشت امید — ہزار قاصدِ موزوں بنکتہ راہی کرد
۸ من از ملامتِ مردم بعشق آزادم — زسوئے من رخِ خوبِ تو عذر خواہی کرد
۹ بحل بپاکیِ حسنِ تو صبحِ صادق داد — کہ آفتاب وہش تہمت بر گواہی کرد
۱۰ دل از تو آب خورد کاروانِ مصری — کہ عارض و ذقنت یوسفی و چاہی کرد
۱۱ تبارک اللہ از آئینۂ شمائلِ تو — کہ دل مطالعۂ صورتِ الٰہی کرد

عبادتِ سحری را مکن نظیری کم
۱۲ کہ ہر چہ کرد دعاہائے صبح گاہی کرد

(۱) جس شخص نے سچے دل سے کعبہ کی طرف ناقہ رسانڈنی، کو روانہ کیا (جو شخص سچے دل سے کعبہ کو روانہ ہوا) اس کے ہر ایک قدم کا نشان میرے لئے قبلہ گاہ بن گیا کہ صدق اور خلوص ہی معرفت و تصوف کا مغز ہے جس شخص کی عبادت و ریاضت میں خلوص موجود ہو۔ اس کے قدموں کے نشان قبلہ گاہ سالکین ہیں)

(۲) باغ میں بنفشہ اس لئے (کبودی رنگ رشرمندہ) ہے کہ اس (بنفشہ نے) تیری پیچدار زلفوں کے مقابلہ میں کج کلاہی (بادشاہی) کا دعوی کیا تیری زلفیں بنفشہ سے زیادہ پیچدار اور خوبصورت ہیں۔ زلف کو بنفشہ سے تشبیہہ دیا کرتے ہیں شاعر نے بنفشہ کی کبودی رنگت کو حسن تعلیل کے طور پر محبوب کی زلف سے دعوی کا نتیجہ قرار دیا ہے)

(۳) نسیم نے (محبوب کے رخسار پر جو حسن کا سمندر ہے (محبوب کی) پیچیدہ زلف سے کوئی ایسی لہر پیدا نہیں کی جس (لہر نے) میری آنکھ کی تپلی کی کشتی کو تباہ نہیں کر دیا۔

(۴) (آسمان نے جب) تیری (محبوب حقیقی کی) زلف اور چہرہ کا پرتو میرے دل میں ڈالا تو ماہ سے لیکر ماہی تک (کل کائنات دنیا) میرے مطیع فرمان ہوگئی (جس خوش قسمت کے دل میں اس عشق حقیقی کے نور کی ایک جھلک پڑ جائے پھر تمام کائنات اس کی مطیع و منقاد ہو جاتی ہے۔ کہ ع
ہر ملک ملک ماست کہ ملک خدائے ماست

(۵) ستارہ شناس کہتا ہے میرا ستارہ بد (سیاہ بخت) ہے لیکن وہ نہیں جانتا کہ جب مشاطہ تیرے (محبوب کے رخسار پر) خال کا بناؤ سنگار کرے گی تو وہ یہی (میری بدبختی) کی سیاہی اس خال میں صرف کرے گی (گویا میری سیاہ بختی محبوب کے رخسار کا خال بن کر میری خوش قسمتی میں تبدیل ہو جاوے گی)

(۶) تیرے حسن (کا جلوہ حاصل کرنے میں) کوئی شخص (تیرے) خال (ورد خسار) کی طرح کامیاب نہیں ہوا۔ وہ (خال) تیری لب کے گوشہ میں مقیم ہوگیا اور حسن کی ولایت پر حکومت کرنے لگا۔

(۷) میرے دل کے ہزاروں موزوں قاصد (شعر لکھ کر) تیرے (محبوب کے) پاس اس خیال سے بھیجے (کہ مجھ پر مہربانی کرے گا) کیونکہ (اس دل) کو تیرے لبوں سے مہربانی سے جواب کی امید تھی (لیکن وائے نصیب کہ جواب نہ ملا)

(۸) میں عشق میں لوگوں کی ملامت سے آزاد ہو گیا ہوں (اور میری اس بیباکی کی) تیرے خوبصورت چہرہ نے میری طرف سے عذر خواہی کر دی (جو لوگ مجھے تیرے عشق کی وجہ سے ملامت کرنے لگتے ہیں جب وہ تیرا خوبصورت چہرہ دیکھ پاتے ہیں۔ تو خود بھی مبتلائے عشق ہو کر میری مجبوری پر مہر توثیق ثبت کر دیتے ہیں جیسا کہ زلیخا کی ہجولیاں حضرت یوسفؑ کو دیکھ کر بے ساختہ پکار اٹھی تھیں ماھذا بشرا ان ھذا الا ملک کریم۔ یہ بشر نہیں فرشتہ ہے)

(۹) صبح صادق نے (جو خود پاک ہے) تیرے حسن کی پاکیزگی کا قبالہ لکھ دیا ہے اور سورج اور چاند نے (بطور گواہان حاشیہ اس قبالہ پر دستخط کر دیئے ہیں (تو صبح سے زیادہ پاک صاف اور سورج اور چاند سے زیادہ خوبصورت ہے کہ یہ سب حسن کے شاہد ہیں۔ کہ یہ اس قدر حسین ہیں۔ تو ان کا پیدا کرنے والا کیسا کچھ حسین نہ ہوگا)

(۱۰) مصر کو جانے والا قافلے کا دل (تجھے دیکھ کر) مسرور ہے کیونکہ حضرت یوسفؑ (کے رخسارہ) کی طرح تیرا رخسار خوبصورت ہے اور تیرا ذقن (ٹھوڑی) چاہ کنعان ہے آب خوردن۔ دل مسرور ہونا (قافلہ) اضافت کے لئے یعنی دل کاروان مصری)

(۱۱) سبحان اللہ تیرے خیال اور تیری حسین صورت کے آئینہ سے (میرے) دل نے وجہ اللہ کا مطالعہ کیا۔

(۱۲) اے نظیری! صبح کے وقت عبادت میں کوتاہی نہ کر۔ کیونکہ جو کچھ تجھے ملا ہے وہ صبح کے وقت کی دعاؤں کا نتیجہ ہے۔

غزل نمبر ۵۸

بحر رمل مثمن مخبون آخری رکن مخبون محذوف — ارکان:- فاعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلان

گردشِ چشمِ بتاں مستیِ من حالی کرد ۔ دورِ واژہ دل نتواند قدحم خالی کرد
قبض در کار ندیدم چو شدم مستِ مدام ۔ حلِ ہر عقدہ کہ میکرد بخوشحالی کرد
پائے جبریل بکرسیِ خیالم نرسد ۔ عشقِ بس پایۂ معراجِ مرا عالی کرد

شورِ ایں بادیہ از بادیہ گرد یست مرا ۴ رخت مجنوں بعدم بُرد و مرا والی کرد

ہر کہ بر خوانِ طمع دست نیازید رسید ۵ مگس آلودہ شد از شہد و گراں بالی کرد

عجز در مجلسِ اصحاب بکار است کہ چنگ ۶ جاے از خستہ درونی و حزیں نالی کرد

دلم از خندۂ نوشینِ حریفاں بگرفت ۷ گوشۂ کو کہ دل از گریہ تواں خالی کرد

قصۂ عشق بوصفِ تو طویل است طویل ۸ درکِ تفصیلِ جمالت خرد اجمالی کرد

یوسف از خواریِ اخواں بکسادی افتاد ۹ کہ فروشندہ بہ پیش آمد و دلالی کرد

بود نزدیک کہ کام از لبِ شیریں گیرم ۱۰ دست مے یافت ظفر بخت کم اقبالی کرد

گرد بازیچۂ معشوق نظیری خود را
۱۱ آنچہ خُرداں نکنند او بکہن سالی کرد

(۱) اے محبوب کی مست آنکھوں کی گردش نے مجھے وہ دائمی مستی بخش دی ہے (پس آسمان کی الٹی گردش میرے شراب کے پیالہ کو کبھی خالی نہیں کر سکتی۔

(۲) جب میں گردشِ چشمِ بتاں سے ہمیشہ کے لئے مست (عاشق) ہو گیا تو میرے کسی کام میں تنگی نہ رہی جو عقدہ (مشکل) پیش آیا، اس (گردشِ چشمِ بتاں) نے آسانی سے حل کر دیا۔

(۳) عشق نے میری ترقی کا پایہ اس قدر بلند کر دیا ہے کہ جبرائیلؑ (جو ساتویں آسمان تک پہنچ سکتا ہے) کا پاؤں میرے خیال کی کرسی تک نہیں پہنچ سکتا

(۴) اس بادیہ عشق میں ہمیشہ کسی نہ کسی بادیہ گرد کی وجہ سے شورشِ عشق قایم رہتی ہے۔ (کیا ہوا اگر مجنوں اپنا اسباب ملکِ عدم کو لے گیا اور مجھے اپنا والی مقرر کر گیا (عشق میں مجنوں سے کسی طرح کم نہیں)

(۵) جس شخص نے طمع کے دستر خوان پر ہاتھ نہیں بڑھایا (یعنی لالچ نہیں کیا) وہ منزلِ مقصود کو پہنچ گیا۔ کیونکہ جب مکھی (شہد کے لالچ سے شہد میں لتھڑ جاتی ہے تو اس کے پر بھاری ہو جاتے ہیں (اور وہ وہیں پھنس کر رہ جاتی ہے طمع راسہ حرف ست وہر سہ تہی)

(۶) احباب کی مجلس میں عجز چاہیئے کیونکہ رباب کو اپنی خستہ درونی اور نالۂ زار کے سبب سے مجلسِ احباب میں جگہ ملی ہے۔

(۷) میرا دل حریفوں کے خندۂ شیریں سے آزردہ ہو گیا۔ کوئی ایسا گوشہ کہاں ہے جہاں میں رو کر دل کو ملال سے خالی کر لوں۔

(۸) عشق کے قصہ کا تعلق جہاں تک تیری (محبوب کی) ذات سے ہے بہت ہی طویل ہے۔ عقل تیرے جمال کی تفصیل کو مکمل طور پر ہی سمجھ سکتی ہے (عقل تیرے حسن کی تفصیلات کے ادراک سے قاصر ہے۔ کہ تو عقل سے وراء الورا واقع ہوا ہے۔)

(۹) اپنے بھائیوں کی بے اعتنائی کے باعث حضرت یوسفؑ کم قیمت پر فروخت ہوئے کیونکہ (بھائی جو خود بائع تھا۔ دلال بن کر آیا (اور کم قیمت پر بیچ دیا۔

(۱۰) قریب تھا کہ محبوب کے شیریں لب سے میرا مقصد پورا ہو جائے۔ فتح حاصل ہو رہی تھی مگر بخت نے یاوری نہ کی اور میں اپنے مقصد میں ناکام رہا۔

(۱۱) نظیری نے اپنے آپ کو معشوق کا کھلونا بنا رکھا ہے۔ جو کام بچے بھی نہیں کرتے وہ (نظیری) بڑھاپے میں کرنے لگا۔

غزل نمبر ۵۹

بحر ہزج مثمن ارکان سالم — ارکان: مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن

خوشا کز بس ہجومِ گریہ ام در دامن آویزد ۱ بہر دستِ نگارینم نگار از گردن آویزد

چناں در دوست آویزم بدل گرمی و مسازی ۲ کہ در ہنگامِ جانبازی بدشمن دشمن آویزد

نسازد بوئے یوسفؑ دیدۂ یعقوبؑ را روشن ۳ اگر عشقِ زلیخایش نہ در پیراہن آویزد

مقیمِ کوئے تو بے روئے تو با بلبلے ماند ۴ کہ صیادش بگاہِ دَے قفس در گلشن آویزد بفصل

گرفتم در پرِ پروانہ سوزم در نمی گیرد ۵ حذر کن زانکہ ناگہ آتشم در روغن آویزد

دلے دارم بدستِ طعنِ ناصح چوں کہن دلقے ۶ کہ در ہر بخیہ لختے خرقہ از سوزن آویزد

چراغِ ما چہ زیب افزاید محفل سرائے را ۷ کہ قندیل مہ و مہرش فلک در روزن آویزد

بہ بینی گر جلائے از مہ و پروین مشو ایمن ۸ بشکل خوشہ کہ صیاد دام از خرمن آویزد

پئے دردِ نظیری ایں ہمہ گفت و شنود دارم
گلے مے چینم از گلشن کہ خارے در من آویزد ۹

(۱) یہ کیا خوش قسمتی ہوگی کہ محبوب گریہ کے بحر میں ڈوبا ہوا پا کر میرے دامن سے لپٹ جائے۔ اور (میرا دلربا) اپنے رنگین ہاتھ میری گردن میں ڈال دے (اس طرح مجھے وصال یار میسر ہو۔)

(۲) (جب اس طرح محبوب کا ہاتھ میری گردن میں ہو، تو میں بھی دوست (محبوب) سے دلی جوش اور محبت کے ساتھ اس طرح لپٹ جاؤں جیسے لڑائی کے موقع پر دشمن دشمن سے گتھ جاتا ہے۔

(۳) اگر زلیخا کا عشق یوسفؑ کے پیراہن میں موجود نہ ہوتا تو اس (پیراہن)، یوسفؑ کی بو سے کبھی یعقوبؑ کی آنکھیں روشن نہ ہوتیں۔

(۴) میں تیرے کوچہ میں مقیم ہوں لیکن تیرا دیدار میسر نہیں اس لئے میری حالت اس بلبل کی سی ہے جو صیاد کے پنجرے میں مقید ہو۔ اور وہ (صیاد) اس (بلبل) کو موسم خزاں میں باغ میں لٹکا دے۔

(۵) میں نے فرض کر لیا کہ میرا سوز (عشق) پروانے کے پر نہیں جلاتا لیکن (مجھ سے) سوز عشق سے ڈر کہ کہیں میری آتش (عشق) روغن میں پڑ جائے (اور ایک جہان کو جلا کر راکھ کر دے)

(۶) ناصح کے طعن کے ہاتھوں میرا دل ایک پرانی گدڑی کی مانند ہو رہا ہے کہ ہر ٹانکے میں اس گدڑی کا تھوڑا حصہ سوئی کے ساتھ کھنچ جاتا ہے (پرانی گدڑی کو ٹانکے لگانے سے سوئی کے ساتھ ریشے اور تار نکلا کرتے ہیں۔ ناصح کے طعن سے عاشق کا دل ٹکڑے ہوا جاتا ہے)

(۷) ہمارا چراغ اس مجلس کو کیا رونق (اور روشنی) بخش سکتا ہے جس کے روزن میں آسمان نے چاند اور سورج کی قندیلیں لٹکا رکھی ہیں۔

(۸) اگر تو چاند اور پرویں کے ستاروں کی چمک دیکھے تو بے فکر مت ہو جا کیونکہ کبھی کبھی شکاری خوشے کی شکل کا جال خرمن سے لٹکا دیا کرتے ہیں۔ (ہر چمکتی چیز سونا نہیں ہو سکتا، کوئی چیز جو تمہیں بظاہر خوبصورت معلوم ہوتی ہے تمہارے لئے موجب آزار ثابت ہو)

(۹) میری (یہ) تمام گفت و شنید نظیری نے درد عشق کی وجہ سے ہے گویا میں باغ سے ایسے پھول چن رہا ہوں جن کے کانٹے مجھے چبھ جاتے ہیں۔ درد عشق میں لذت بھی آزار بھی ہے۔

غزل نمبر ۶

بحر ہزج مسدس محذوف الآخر — ارکان :۔ مفاعیلن مفاعیلن فعولن ۔

۱ نگاہت چشمِ جادو برنتابد — فریبت خالِ ہندو برنتابد
۲ چو گل از تابشے برمیفروزی — مزاجت گرمئِ خود برنتابد
۳ تعالی اللہ ازاں لطفِ بناگوش — کہ بر تابیدنِ رو برنتابد
۴ چناں در دوستی توسن عنانی — کہ رخشِ طاقتت ہمو برنتابد
۵ صبا ترساں وزد سویت کہ ترسد — دماغت عطرِ گیسو برنتابد
۶ مزاجِ وحشیئ داری کہ از دور — نگاہِ چشمِ آہو برنتابد
۷ ز بس وحشی غزالانت رمانند — دلِ شوریدہ آہو برنتابد
۸ کلاہِ ناز نیک از سر نہادی — جبینت چینِ ابرو برنتابد
۹ خدنگِ چشم زود از زہ فگندی — کمانت زورِ بازو برنتابد
۱۰ چو عزمِ بدعتے خویت نماید — عناں ز آنسو باین سو برنتابد
۱۱ بقہر و ناز تو گردن نہادیم — کہ سر از صولجاں، گو برنتابد
۱۲ چو آید در بیاں کلکِ نظیری — آلی تارِ صد تو برنتابد

(۱) جادو بھری یا جادو کی آنکھ تیری نگاہ کی تاب نہیں لا سکتی (تیری نگاہ جادو سے بڑھ کر اثر رکھتی ہے) اور تیرا خال سیاہ بھی تیرے فریب کا مقابلہ کر نہیں سکتا۔
(خال کو ہندو کہہ کر نظیری نے اس فریب کاری رہزنی اور سیاہ کاری کی طرف اشارہ کیا ہے جو ادبیات فارسی میں ہندو کے تصور کے ساتھ مخصوص ہے۔)
(۲) تو پھول کی طرح ذرا سی گرمی سے بھڑک اٹھتا ہے۔ تیرا مزاج اس قدر گرم ہے کہ وہ اپنی گرمی کی خود بھی تاب نہیں لا سکتا۔
(۳) اس کی بناگوش رنگینی کی لطافت کیا کہنے کہ منہ پھیر لینے کی تاب بھی نہیں لاتی (نزاکت بناگوش کا یہ عالم ہے کہ منہ پھیرنے سے سرخ ہو جاتا ہے)۔
(۴) تو دوستی میں اس قدر سرکش ہے کہ تیری طاقت کا گھوڑا ہو کی بھی تاب نہیں لا سکتا (یعنی) تو اس قدر نازک طبع ہے کہ ذرا سی بات بھی جو تیرے مزاج کے مطابق نہ ہو برداشت نہیں کر سکتا۔

(۵) صبا بھی تیری طرف ڈرتے ڈرتے آتی ہے۔ کیونکہ وہ خوف کھاتی ہے۔ کہ تیرا دماغ تو زلفوں کی خوشبو کو بھی برداشت نہیں کرسکتا۔ پھر وہ صبا کی تاب کیسے لاسکے گا۔ نازکیٔ دماغِ معشوق کی انتہا نہیں،

(۶) تیرے مزاج میں اس قدر وحشت ہے۔ کہ وہ دور سے چشمِ آہو کی نگاہ کی تاب بھی نہیں لاسکتا (آہو۔ وحشی مشہور ہے۔ مزاجِ معشوق میں اس سے بھی بڑھ کر وحشت ہے۔ کہ وہ اس کو دور سے بھی دیکھنا گوارا نہیں کرسکتا۔ حالانکہ ع
کند ہم جنس با ہم جنس پرواز)

(۷) از بسکہ تیری وحشی آنکھیں رم کرنے والی (آدمی کو دیکھ کر وحشت سے بھاگ جانے والی) ہیں اس لئے میرا شوریدہ دل ہُو کو بھی برداشت نہیں کرسکتا (کہ ہُو کرنے سے وحشی جانور ڈر کر بھاگ جایا کرتے ہیں۔ اور معشوق کی آنکھوں کو غزال قرار دیا ہے۔ ذرا بھی کسی کو معلوم ہو گیا کہ وہ میری طرف دیکھ رہا ہے تو وہ جھٹ میری طرف سے آنکھوں کو پھیر لے گا

(۸) تو نے جو ناز کی ٹوپی کو سر سے اتار دیا۔ تو خوب کیا۔ (تو اس کلاہِ ناز کو کیسے اُٹھا سکتا، تیری پیشانی تو ابرو کے بل کی بھی نہیں برداشت کرسکتی۔

(۹) تو نے جلدی ہی نظر کے تیر کو چلہ پر سے پھینک دیا۔ تیری کمان زور بازو کو سہہ ہی نہیں سکتی (معشوق کی نظر کو تیر قرار دیا ہے کمان پر تیر جوڑ کر زور سے کھینچتے ہیں۔ تو پھر تیر چھوٹتا اور نشانے پر لگتا ہے۔ مگر نظر کا تیر چھوڑنے کے لئے زورِ بازو کی ضرورت نہیں)

(۱۰) جب تیری خصلت کسی بدعت (نئی بات یہاں مراد نئے سے نئے ظلم) کا ارادہ کرلیتی ہے تو پھر وہ اپنی باگ کو اس طرف سے کسی دوسری طرف نہیں پھیرتی۔ (جب تک تو نئے سے نیا طرزِ ستم آزما نہیں لیتا۔ تجھے چین نہیں آتا)

(۱۱) ہم نے تیرے قہر و ناز کے سامنے سر جھکا دیا ہے۔ کیونکہ گیند چوگان سے کبھی سرتابی نہیں کرتی (ہم تیری ستم رانیوں کو بصد شوق برداشت کرتے ہیں اور کبھی سرتابی نہیں کرسکتے۔ گیند کا کام ہی چوگان سے پٹنا ہے)

(۱۲) جب نظیری کا قلم بیان لکھنے پر آتا ہے۔ تو پھر موتی (جو اس کے قلم سے ٹپکتے ہیں، سینکڑوں لڑیوں میں بھی نہیں پروئے جاسکتے (تو مراد دوتا جیسے دوتو: دوتا دوہرا)

غزل نمبر ۱۶

بحر رمل مسدس مقصور۔ ارکان۔ فاعلاتن فاعلاتن فاعلان

رشحۂ از حُسنِ جاناں ریختند ۱ برجہاں از عشق طوفاں ریختند
زاں ہمہ طوفاں کہ برانگیخت عشق ۲ جرعۂ در جامِ انساں ریختند
از قضا آں جرعہ چوں آمد بجوش ۳ ہر طرف در قالبِ جاں ریختند
رنگِ نورے شد ہویدا ہر کجا ۴ پرتوے بر شرطِ پیماں ریختند
از خمار و مستیٔ آں نورِ پاک ۵ دُردِ کفر و صافِ ایماں ریختند
ہر طرف رنگے بگل بسرشتہ شد ۶ قالبِ گبر و مسلماں ریختند
شہوتے انگیختند از مغز نے ۷ پیکرے از آبِ حیواں ریختند
وانگہ از الماس بہرِ جانِ ما ۸ تیغ ابرو رمحِ مژگاں ریختند

تیز کردند و ازاں آلودہ زہر ۹ سو نشے بر زخمِ پنہاں ریختند

آب کردند از دلِ ما پارۂ ۱۰ دانۂ یاقوتِ رمّاں ریختند

لالۂ حمرا و لعلِ آب دار ۱۱ کوہ را در جیب و داماں ریختند

عکس از داغِ دروں بر داشتند ۱۲ بر چمن گلہائے الواں ریختند

اینہمہ گلہائے سبز و زرد و سرخ ۱۳ از دمِ ما بر گلستاں ریختند

جوہرے از قولِ شور انگیزِ ما ۱۴ عندلیباں را بالحاں ریختند

غنچہ را دل زاں نوائے جانخراش ۱۵ پارہ پارہ در گریباں ریختند

رنگِ ہر نقشے کزاں انگیخت طبع ۱۶ چینیاں بر قصر و ایواں ریختند

داغِ ہر سودا کزاں اندوخت عشق ۱۷ مصریاں بر بیتِ احزاں ریختند

نکہتے بر خاست زیں سودا بمصر ۱۸ بر قمیصِ ماہِ کنعاں ریختند

اصلِ ایں فرع از زمیں شد عطر بیز ۱۹ بر نبی از فیضِ رحماں ریختند

مایۂ مے ماند باقی زیں عبیر
۲۰
بر نظیری در خراساں ریختند

یہ تمام غزل مسلسل ہے :-

(۱) معشوق کے حسن کا ایک قطرہ (دنیا میں) ٹپکایا گیا اور دنیا میں عشق کا طوفان برپا ہو گیا (یہ حسنِ جہاں حسنِ ازل کے ایک قطرہ کے برابر ہے . اور اخر یہ ہے کہ دنیا جہان عشق میں مبتلا ہے . گویا ایک طوفان عشق کا آیا ہوا ہے)

(۲) اور وہ تمام طوفان جو عشق نے برپا کیا . اس کو صرف ایک گھونٹ انسان کے (دل کے) پیالہ میں ڈال دیا گیا . (طوفان عشق میں سے صرف ایک گھونٹ انسان کے دل کے پیالہ ڈال دیا گیا . طوفان عشق میں سے صرف ایک گھونٹ انسان کے حصہ میں آیا ہے . اور اس ایک گھونٹ کا اثر یہ ہے جو دیکھ رہے ہیں)

(۳) تقدیر سے جب وہ جرعہ جوش میں آیا تو ہر طرف وجود میں جان ڈال دی گئی (عشق ہی تخلیق کائنات کا ذریعہ بنی کُنتُ کَنزاً مَخفِیّاً فَاَحبَبتُ اَن اُعرَفَ فَخَلَقتُ الخَلقَ یعنی میں نے خواہش کی کہ میں پہچانا جاؤں پس میں نے مخلوق کو پیدا کر دیا)

(۴) (تب ، ہر طرف نور کی بارش ہونے لگی اور (ہر شخص) کو پیمانے (اُس کے ظرف) کے مطابق پرتوِ نور بخش دیا گیا (جو شخص جس قابل تھا اس کے مطابق اسے نورِ معرفت دے دیا گیا . اور شرطِ پیمان کے معنی عہد الست کے بھی لئے جا سکتے ہیں) -

(۵) (پھر اس نورِ پاک کی مستی اور خمار سے ایمان کی شراب ناب و کفر کی تلچھٹ بنا دی گئی رکھتے ہیں جب ارواح نے اَلَستُ بِرَبِّکُم کا نغمہ سرمدی سنا تو وہ بَلٰی کہہ کر ایک عرصہ تک مستی و خود فراموشی کی حالت میں رہیں . صوفیا کا عقیدہ ہے کہ کفر د

وایمان ایک ہی حقیقت کے دو مختلف پہلو ہیں۔ گویا ایمان اس نور پاک کی مستی اور کفر اس کے خمار کا نام ہے)۔

(۶) ہر طرف مٹی میں ایک نیا رنگ ملا دیا گیا۔ اور اس سے گبر و مسلمان کا وجود بنا دیا گیا (گبری و مسلمانی ایک ہی اصل میں مختلف رنگ بھر دیئے گئے ہیں)

(۷) یہ شعر بہت سے معانی کا متحمل ہے جس میں سے ایک معنی قابل اظہار بھی نہیں۔ ایک معنی یہ ہو سکتے ہیں کہ مغنی نے سے درد جدائی کے اظہار کے نغمے نکلتے ہیں (بشنو از نے چو حکایت مے کند ورجدائی شکایت می کند) اور با وجودیکہ انسانی پیکر فانی تھا۔ لیکن جس طرح بانسری کے نغمے باوجود بانسری کے فانی ہونے کے دل پر ایک غیر فانی اثر چھوڑتے ہیں۔ اس طرح انسان کا قالب خاکی بھی نغمہ گری محبت کی بنا پر ایسا غیر فانی ہو گیا ہے گویا آب حیواں سے گوندھ کر بنایا گیا ہے۔

(۸) ہماری جان کے لئے الماس کی قسم سے ابرو کی تلوار اور مژگاں کا نیزہ ڈھال دیا۔ (از الماس ہیں از جنس کے معنوں میں۔ الماس کاٹ میں ضرب المثل ہے۔ ابرو کو تلوار اور مژگاں کو نیزے سے استعارہ کیا ہے)۔

(۹) (اس تیغ ابرو اور نیزۂ مژگاں کو تیز کیا اور اس آلودۂ زہر برادے کو ہمارے پنہاں دل کے زخموں پر ڈال دیا۔

(۱۰) ہمارے دل کے ایک ٹکڑے کو پانی بنا دیا۔ اور اس سے انار جیسے سرخ یاقوت بنا ڈالے۔

(۱۱) (اور ہمارے اسی دل کے ٹکڑے سے سرخ لالہ اور چمکتے ہوئے لعل پہاڑ کے جیب و دامن میں ڈال دیئے (لالہ جو دامن کوہ میں اور لعل جو جیب کوہ میں ہوتے ہیں۔ ان کی سرخی اور صفائی اور آبداری ہمارے دل سے مستعار لی گئی ہے

(۱۲) (ہمارے آئینہ کے داغوں کا عکس لے کر باغ میں طرح طرح کے پھول کھلا دیئے (باغ میں جو پھول ہیں یہ ہمارے داغہائے سینہ کا نقشہ ہیں۔ غالب نے اس مضمون کو زیادہ صاف کیا ہے ؎

غنچہ پھر لگا کھلنے آج ہم نے اپنا دل — خون کیا ہوا دیکھا۔ گم کیا ہوا پایا

(۱۳) یہ تمام سبز۔ زرد اور سرخ پھول ہمارے ہی دم سے باغ میں بنا دیئے گئے ہیں۔

(۱۴) ہماری جنون انگیز باتوں کا جوہر نکال کر بلبلوں کی آواز میں ڈال دیا (بلبل کی خوش آوازی نتیجہ ہے اس کی عشقبازی اور وہ اس نے ہم سے سیکھا ہے)

(۱۵) اور بلبل کی اس جاں خراش آواز سے غنچہ کے دل کو پارہ پارہ کر کے اس کے گریبان میں ڈال دیا (گل کی پتیوں کو غنچہ کے پارہائے دل قرار دیا ہے اور اس کا سبب بلبل کی جاں خراش آواز کو ٹھیرایا ہے)۔

(۱۶) ہر ایک نقش کا رنگ جو طبیعت نے اس (دل) سے پیدا کیا چینیوں نے اپنے قصر و محل میں ڈال لیا (چینیوں کی نقاشی اور مصوری مشہور ہے وہ انہوں نے ہمارے دل کی نقاشی سے لی ہے)

(۱۷) سودا کا ہر ایک داغ جو عشق نے اس (دل) سے حاصل کیا اسے مصریوں نے (یعقوبؑ کے) غمکدے پر لگا دیا (یعقوبؑ کا غم ہمارے غم عشق ہی کی ایک شاخ اور حصہ تھا۔ بیت احزان کا لفظ چینیوں کی قصر و ایوان کے مناسبت سے ان عظیم الشان مقابر کی یاد بھی دلاتا ہے۔ جو اہل مصر اپنے فراعنہ کے لئے تعمیر کیا کرتے تھے۔)

(۱۸) اس سودائے (عشق) سے مصر میں ایک خوشبو اٹھی اور اسے کنعان کے جانے (حضرت یوسفؑ) کی قمیص پر لگا دیا (مصر میں پیراہن یوسفؑ سے یعقوبؑ کو کنعان میں خوشبو پہنچ گئی۔ کہتا ہے یہ خوشبو کا پہنچنا بھی عشق کا کارنامہ ہے)

(۱۹) اسی شاخ کی ایک جڑ یمن میں عطر بیز ہوئی جسے اللہ تعالےٰ کے فضل سے حضرت نبی کریمؐ تک پہنچا دیا۔

(۲۰) اس خوش بو کا کچھ سرمایہ باقی تھا۔ وہ خراساں میں نظیری کو دے دیا گیا۔ (عشق و شاعری)

غزل نمبر ۶۲

بحر مضارع مثمن اخرب مکفوف مقصور۔ ارکان۔ مفعول فاعلات مفاعیل فاعلان

پیراں کہ وضع فیض تباشیر بردہ اند ۱ آب رخ جواں بدم پیر بردہ اند

تباشیر

چوں من ہر آنکساں کہ نفس کردہ اند سرد ۲ نور سحر بنالہ شبگیر بردہ اند

سرگشتہ اند اگرچہ بتحصیل تجربہ ۳ بہرے تا فراز طارم تدبیر بردہ اند

از سالخوردگان بنوخوش فضول ازانکہ ۴ صحبت لطیف خانۂ تقدیر بردہ اند
پیراں ز روزِ تیرہ سیہ کار میشوند ۵ باآنکہ موسفید تر از شیر بُردہ اند
بیباکی و غرورِ جوانی نماند حیف ۶ پیراں ہمہ خجالتِ تقصیر بُردہ اند
شادی بشیب کز مے و افیون بود چہ حظ ۷ این قوم رہ بعیش بہ تزویر بُردہ اند
گر کج شود بما دلِ نازک براں سزد ۸ بارِ گراں بقامتِ چوں تیر بُردہ اند
با موئے ہمچو سبحۂ کافور نگروند ۹ آناں کہ پے بزلفِ چو زنجیر بُردہ اند
یوسف فریب گرگِ ممثل کجا خورد ۱۰ روبہ بصید کردنِ نخچیر بُردہ اند

وحشی چو تو شکارِ نظیری کجا شود
"شہباز را بدامِ مگس گیر بردہ اند؟

(۱) وہ بوڑھے جنھوں نے صبح کے (انوار و تجلیات کے) فیض سے استفادہ کیا ہے۔ (شب بیداری اور سحر خیزی کے عادی ہیں۔ وہ بڑھاپے کے باوجود جوانوں کے چہرے کی سی رونق حاصل کر چکے ہیں (ان کے چہرے پر جوانوں کی طرح رونق اور سرخی پائی جاتی ہے۔ پہلا مصرعہ دو طرح ہے۔ ایک "پیراں کہ نفع فیض تباشیر بردہ اند" اوپر کا ترجمہ اسی کے مطابق ہے۔ تباشیر کو سفیدی کے باعث صبح کے لئے استعارہ کیا کرتے ہیں۔ دوسرے "پیراں کہ نفع دیا و قعِ فیض بتاشیر بُردہ اند" "وہ بوڑھے جو اپنی تاثیر کے سبب سے فیض رسانی (خلق) کی وقعت حاصل کر چکے ہیں" الخ)

(۲) جو لوگ میری طرح سرد آہیں کھینچتے رہے ہیں۔ وہ اپنے تنگیر نالوں کی بدولت نورِ سحر کے حاصل کرنے میں کامیاب ہو چکے ہیں۔ گرفتاران عشق اپنی سرد آہوں اور شبگیر نالوں کے سبب فیوضِ سحر حاصل کر لیتے ہیں ؎
وقت نیاز بعو عجز جہانگیر بادشاہ امید آنکہ شعلہ اثر رسد

(۳) یہ مدعیانِ عقل و خرد، اگرچہ تجربہ حاصل کرتے کرتے تدبیروں کی چوٹی تک پہنچ چکے ہیں دمگر پھر بھی سرگردان اور پریشان ہیں کہ کسی بات کا پتہ چلا ہی نہیں۔ بلکہ ع
"جانا تو یہ جانا کہ نہ جانا کچھ بھی"
(پے بردن:۔ سراغ نکال لے جانا۔ راہ پانا۔ طارم:۔ چوٹی۔ بلندی۔ فراز۔ اونچائی)

(۴) عمر رسیدہ آدمیوں کو چھچھوری باتیں زیب نہیں دیتیں کیونکہ وہ تقدیر کا تماشا اچھی طرح دیکھ چکے ہیں۔

(۵) جب بدبختی آتی ہے تو بوڑھے بھی باوجودیکہ ان کے بال دودھ سے بھی زیادہ سفید ہو چکے ہوتے ہیں۔ سیہ کار گناہ ہوں میں گرفتار ہو جاتے ہیں (ز روزِ تیرہ:۔ تیرگی روز کے باعث۔ بارِ گراں کے استعارہ کو صاف کرنا خلاف تہذیب ہوگا۔ لیکن جو لوگ فارسی کے انداز تغزل کی رسمیات سے واقف ہیں وہ خوب جانتے ہیں اس کے کیا معنی ہیں ہم

(۶) افسوس کہ بڑھاپے میں جوانی کی بیباکی اور غرور باقی نہ رہے (اور بیچارے) بوڑھے ہمہ تن شرمندگی گناہ سے کر رہ گئے (جوانی کے زمانہ کا غرور اور بیباکی نہ رہی البتہ جو گناہ کئے تھے ان کی شرمندگی باقی رہ گئی)

(۷) بڑھاپے کی مسرت و شادمانی جو شراب اور افیون (کے استعمال) سے حاصل کی جائے اس کا کیا لطف؟ یہ لوگ بوڑھے جو مے و افیون سے نشاط حاصل کرنا چاہتے ہیں۔) مکر و فریب کے ذریعہ عیش و عشرت حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ (تزویر:۔ مکر و فریب۔ جو مسرت حقیقی جوشِ جوانی و صحت میں ہے وہ نشہ مے و افیون سے کہاں حاصل ہو سکتی ہے۔ جوانی جوانی ہے اور بڑھاپا بڑھاپا۔ صائب کہتا ہے ؎

خضاب بہ پرمہ پیری نمے شود صائب　　　بہ کرد وحید خزاں را بہار نتواں کرد)

(۸) اگر ان نازک اندموں کا دل ہماری طرف سے پھر جائے تو بالکل مناسب و موزوں ہے کیونکہ وہ اپنے تیر جیسے سیدھے قامت پر بھاری بوجھ اٹھائے ہوئے ہیں (شعر کی بنیاد کج اور چوں تیر نازک اور بارِ گراں کی صنعت تضاد پر ہے) شاعر معشوق کی نزاکت اور موزوں قامتی کا ذکر کرتا ہے جو شخص بھاری بوجھ اٹھائے ہوئے ہو اس کے قامت میں قدرتی طور پر خمیدگی پیدا ہو جایا کرتی ہے۔ محبوب کے دل کا ہماری طرف سے کج ہو جانا گویا اسی قسم کی خمیدگی ہے)

(۹) (دوسرا مصرعہ پہلے) جو لوگ زنجیر جیسی زلف کا راہ پا چکے ہیں۔ (راہبر ہو چکے ہیں) وہ کافور کی تسبیح جیسے بالوں کی طرف مائل نہیں ہو سکتے (رنا ہاداں سفید ریش کی پروا نہیں کرتے۔ دوسرا مطلب شعر کا یہ ہو سکتا ہے کہ خود معشوق جو زنجیر جیسی زلف رکھتے ہیں بوڑھے لوگوں کی طرف مائل نہیں ہو سکتے)۔

(۱۰) یوسف مصنوعی بھیڑیے کے فریب میں نہیں آ سکتا جو لوگ اسے گرگ عشق کے فریب میں لانا چاہتے ہیں۔ ان کی مثال ایسی ہے کہ گویا وہ (شکارہ کو قابو میں لانے کے لئے لومڑی سے کام لینا چاہتے ہیں (حالانکہ لومڑی شکاری جانور نہیں)

(۱۱) تجھ ایسا وحشی مانوس نہ ہونے والا) نظیری کا شکار کہاں ہو سکتا ہے (تو نظیری کے ہاتھ نہیں آ سکتا) کیا کبھی کسی نے شہباز کو مکڑی کے جال سے پکڑا ہے؟ (مکڑی کا جال باز پکڑنے کے کام نہیں آ سکتا۔ نظیری بھی تجھے اپنے قبضہ میں نہیں لا سکتا)

غزل نمبر ۶۳

بحر مضارع مثمن اخرب مکفوف مقصور۔ ارکان مفعول فاع لات مفاعیل فاع لان

چہ خوست کیں دلِ کافر نہادِ من دارد ۱ نہ مذہبِ من و نہ اعتقادِ من دارد
بآب و آتشم از سرکشی نمے سازد ۲ ہزار عربدہ با خاک و بادِ من دارد
ز تیرِ نالہ فلک را کمیں بر انگیزد ۳ کمانِ فتنہ بزہ از عنادِ من دارد
ندیمِ غصہ کہ روئے زمن بگرداند ۴ عدوئے رحم کہ راہے بدادِ من دارد
بچشمِ دل زسویدا سے دل ضعیف ترم ۵ اگرچہ قوتِ دید از سوادِ من دارد
مبارزے کہ ہدف سدِ آہنیں سازد ۶ کجا ہدف زکمین و کشادِ من دارد
چہ اعتماد کنم بر دو روئی غماز ۷ کہ حادثاتِ جہاں را بیادِ من دارد
بصد علاقہ دل بایدم مقید بود ۸ بایں گماں کہ سرِ انقیادِ من دارد
من آں عزیزِ زمانم کہ بخت ہر ساعت ۹ متاعِ مصرِ دگر در مرادِ من دارد
رساست دستِ تجرد کہ نزلِ من گیرد ۱۰ قویست پشتِ توکل کہ زادِ من دارد
بمصرعے کہ ندیماں زنظمِ من خوانند ۱۱ ہزار فخر بمن اوستادِ من دارد
زملکِ چرخ نظیری عجب ہراسانم
۱۲ کہ کارہائے مرا برمرادِ من دارد

(۱) یہ میرا کافر سرشت دل بھی کس خوئے خصلت کا مالک ہے۔ کہ نہ میرا سا مذہب اور نہ میرا سا اعتقاد ہی رکھتا ہے (عشق میں مذہب و اعتقاد باقی نہیں رہتا بلکہ معشوق کی رضا ہی عاشق کا مذہب ہو جاتا ہے۔ انسان کے نفس میں شعوری اور غیر شعوری کیفیات میں کشمکش جاری رہتی ہے۔ جس کے کیف و کم کے اعتبار سے کئی ذہنی اور نفسی بیماریاں پیدا ہوتی ہیں۔ موجودہ نفسیات کے اکثر معرکتہ الآرا مسئلوں کی بنا اسی بنیاد پر ہے! اس غزل کے پہلے شعر سب اسی ذہنی کشمکش کی طرف اشارہ کرتے ہیں ؎

کھلتے نہیں اس قلزم خاموش کے اسرار — جب تک تو اسے ضرب کلیمی سے نہ چیرے)

(۲) وہ (یعنی میرا دل) سرکشی کی وجہ سے میری آب و آتش سے موافقت نہیں کرتا۔ بلکہ میری باد و خاک کے ساتھ وہ بنر لڑ کے جھگڑے سے پیار رکھتا ہے (آب و آتش۔ خاک و باد۔ عناصر اربعہ مراد وجود و جسم)

(۳) میں اس کے جور و ستم سے تنگ آکر نالہ کرتا ہوں تو گویا وہ (نالے کے تیروں کے سبب آسمان کو میری دشمنی پر اُبھارتا ہے۔ اور میرے ساتھ عناد رکھنے کی) وجہ سے ہمیشہ فتنہ کی کمان کو چلّہ چڑھائے رہتا ہے۔

(۴) وہ (میرا دل) رنج و غضب کا رفیق ہے کیونکہ وہ میری طرف سے منہ پھیرے رہتا ہے۔ اور وہ اس رحم کا دشمن ہے جو میری فریاد کو پہنچ سکتا ہے۔

(۵) میں دل کی نظر میں داغ سیاہ دل سے بھی کمزور تر ہوں۔ اگرچہ میری ہی سیاہی چشم کی بدولت اُسے قوت دید حاصل ہے۔ (سوادِ دل۔ دل میں ایک داغ سیاہ۔ دوسرے مصرعہ میں سواد سے مراد سوادِ چشم۔ آنکھوں سے دیکھتے ہیں۔ تعلی متاثر ہوتا ہے۔ مگر درحقیقت سب کچھ دل ہی ہے۔ اور باقی تمام وجود اس کے مقابلہ میں ہیچ ہے)

(۶) وہ جنگجو شخص جو آہنی دیوار کو نشانہ بناتا ہے۔ وہ مجھ سی گھات اور تیر اندازی کا سا نشانہ نہیں رکھتا (جنگجو زیادہ سے زیادہ سدِ آہنی کو نشانہ بنا کر اسے توڑ دے گا۔ مگر میں اپنے تیر ہائے آہ سے بڑے بڑے سنگ دل کو نشانہ بناتا ہوں۔ کہ وہ وہ بھی نرم ہو جاتا ہے (کمین: گھات لگا کر بیٹھنا۔ کشاد۔ تیر چلانا۔ جس طرح سے گھات میں بیٹھتا اور تیر چلاتا ہوں۔ وہ اس جنگجو کو حاصل نہیں)

(۷) میں اس چغلخور کی منافقت پر کیا اعتماد کروں کیونکہ وہ مجھے زمانے کے حوادث یاد دلاتا رہتا ہے۔

(۸) (دوسرا مصرعہ مقدم) اس امید پر کہ اسے میری فرماں برداری کا خیال ہے میں صد علاقہ دل کے ساتھ اس کی قید میں رہ سکتا ہوں (میں اپنے دل کو اس کے ساتھ بیشمار تعلقات قائم کرکے مقید رکھ سکتا ہوں۔ مگر اس قدر صلہ ضرور چاہتا ہوں کہ اسے بھی معلوم ہو جائے کہ یہ میرا مطیع و فرمانبردار ہے)۔

(۹) میں اپنے زمانے کا وہ عزیز (شاہان مصر کا لقب) ہوں کہ میری قسمت ہر آن نئے سے نئے مصر کے سامان کو میری مراد کے موافق کام میں لاتی رہتی ہے۔

(۱۰) دستِ تجرد اس لئے رسا ہے کہ وہ میرے دستر خوان سے طعام لیتا ہے۔ اور توکل اس وجہ سے قوی پشت ہے کہ اس کے پاس میرے جیسا زادِ راہ موجود ہے (تجرد۔ علایق دنیا سے الگ ہونا۔ میں توکل اور تجرد میں ایسا منفرد ہوں کہ خود توکل اور تجرد مجھ سے اکتساب قوت کرتے ہیں)

(۱۱) اس ایک مصرعہ کی وجہ سے جو ہمنشیں میری نظم میں سے پڑھتے ہیں میرا استاد مجھ پر ہزار فخر کرتا ہے (کہ میرا شاگرد کیسا قابل ہے)

(۱۲) (نظیری! میں آسمان کے مکر سے عجب ہراساں ہوں۔ کیونکہ وہ آج کل میرے کاموں کو میرے حسب مراد انجام دے رہا ہے چونکہ وہ مکار ہے۔ اس لئے خطرہ ہے کہ جلد ہی کسی نئی ناکامی و نامرادی سے دوچار نہ ہونا پڑے)

غزل نمبر ۶۴

بحر مجتث مثمن مخبون مقصور — ارکان۔ مفاعلن فعلاتن مفاعلن فعلن

دریں سپیدِ رقم قسمت و حوالہ نماند ۱ اثر ز مُہر و خطِ این کُہن قبالہ نماند

ہزار قرن بریں قصرِ مردمان بگذشت ۲ مسائل و حکم و دفتر و رسالہ نماند

زبابِ رحم و مروت نشاں چہ میخواہی ۳ ازیں مقولہ حکایت دریں مقالہ نماند

زبس مرورِ زماں منفعت ز اشیار رفت ۴ خواصِ مہر گیائے ہزار سالہ نماند

ہر آنچہ صافِ قدح بود محرماں خوردند ۵ بغیر دُردیٔ مے در تہِ پیالہ نماند

مجوے رحم ازیں گرگِ ماہِ کنعاں در ۶ کہ شستری کلہ و مشتری کلالہ نماند

شکوہِ حشمتِ پرویز و حسنِ شیریں رفت ۷ مہ تمامِ فلک شد نزار و ہالہ نماند

ز جنسِ خویش ہمہ صید میکند ایام ۸ ز سبزہ زارِ فلک غیر یک غزالہ نماند

زمیں گداختۂ آتشیں عذارانست ۹ کجاست خاک کہ داغے بروئے لالہ نماند

نوالہ حصّۂ تن پروراں نظیری شد

۱۰ بیا کہ قسمتِ ما و تو غیر نالہ نماند

(۱) اس سپید تحریر والے آسمان یا دُنیا، میں قیمت اور سپردگی باقی نہیں (کسی کی قسمت میں کچھ نہیں ہے) اور اس پر اپنے قبالہ کی تحریر اور مہر کا کوئی نشان نہیں رہا (سپید رقم یہ خالی کاغذ جس پر کچھ بھی لکھا ہوا نہ ہو۔ یعنی آسمان نے کسی کی قسمت میں کچھ نہیں کیا گویا ایک کاغذ پر قسمت لکھ دی گئی تھی وہ ایسا فرسودہ ہو چکا ہے کہ اس کی تحریر پڑھی ہی نہیں جاتی)

(۲) انسانوں کے اس محل پر ہزاروں زمانے گزر چکے (دنیا کو وجود میں آئے قرنہا قرن گزر چکے) اس لئے مسائل اور حکمتیں اور دفتر اور رسالے نہیں رہے (یعنی دفاترِ حکمت اور تمام کاوش فلسفا متداد وقت کے ساتھ خود بخود باطل ہوتے جاتے ہیں)

(۳) تو رحم اور مروت کے باب کا نشان کیا ڈھونڈتا پھرتا ہے کہ اس مضمون میں اس مقولہ (رحم و مروت) کے متعلق کوئی حکایت باقی نہیں رہی (باب۔ مقولہ۔ حکایت اور مقالہ لفظی مناسبات ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ دنیا میں رحم و مروت کا نام تک نہیں رہا)

(۴) مرورِ زمانہ کے باعث اشیار میں سے ان کی منفعت جاتی رہی ہے۔ یہاں تک کہ ہزار سالہ مہر گیا (ایک قسم کی گھاس جس کے متعلق لوگوں کا گمان ہے کہ جس کے پاس ہو اس سے دوسروں کو خواہ مخواہ محبت ہو جاتی ہے۔) کی خاصیتیں بھی زایل ہو گئی ہیں

(۵) پیالے میں جس قدر شراب صاف تھی۔ وہ تو محرمان راز پی گئے اب پیالے کی تہ میں شراب کی تلچھٹ میل کے سوا کچھ بھی باقی نہیں رہا۔ (اس دنیا میں لطف اور روحی صرف اہلِ معرفت کو عرفان میں حاصل ہے باقی رہے دنیوی عیش و آرام تو وہ تلچھٹ سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتے) شعر اس مفہوم کا حامل بھی ہو سکتا ہے کہ مضامین عالی تو متقدمین تار خیل میں پڑھ چکے اب متاخرین کے پاس سوائے مبتذل م

(۶) اس کنعان کے چاند (حضرت یوسفؑ) کو پھاڑ کھانے والے بھیڑیئے سے رحم کی امید کم رکھ کہ اس کی بدولت نہ شستری کلاہ والا باقی رہا اور نہ مشتری کی سی زلفوں والا (آسمان نہایت بے رحم اور سفاک ہے کسی کی رعایت نہیں کرتا۔ ششتر۔ شہر نیز علاقے کا نام۔ مشتری ایک ستارہ کا نام۔ ششتری کلاہ۔ بانکا۔ عاشق۔ مشتری کلالہ۔ معشوق)

(۷) پرویز کے لاؤ لشکر کا دبدبہ اور شیریں کا حسن جا چکے۔ آسمان بھر کا ماہ کامل پھر لاغر ہو گیا ماسواں کے گرد ہالہ باقی نہ رہا (دنیا کی شان و شوکت۔ حسن و خوبی سب زوال پذیر ہیں۔)

(۸) زمانہ اپنی جنس کی تمام چیزوں کو شکار کئے چلا جاتا ہے۔ اب سبزہ زار فلک پر ایک غزالہ (آفتاب) کے سوا کچھ بھی باقی نہیں رہا۔

(۹) تمام زمین آتشیں رخساروں (معشوقان مہ جمال) کی پگھلائی ہوئی ہے۔ آتشیں رخسار معشوقوں کے عشق کا اثر کائنات کے ذرے ذرے میں سرایت کر چکا ہے۔ ایسی سر زمین کونسی ہے جہاں لالہ کے چہرے پر کوئی نہ کوئی داغ موجود نہ ہو (گل لالہ کی سیاہی گویا داغِ عشق ہے)

[illegible]

(۱۰) اے نظیری کھانا پینا تو تن پرور لوگوں کا حصہ ہو چکا ہے ہم تن پرور نہیں ہیں اس لئے آ جا کہ میری اور تیری قسمت میں نالہ کے سوا کچھ نہیں ہے رہماری قسمت میں نالہ وفریاد کرنا ہی لکھا ہے کہ ہم عاشق ہیں۔ اور دنیا کی نعمتوں سے لطف اندوز ہونا صرف دنیادار اور تن پرور لوگوں کا حصہ ہے۔)

غزل نمبر ۶۵

بحر خفیف مسدس مخبون محذوف مسکن — ارکان :۔ فاعلاتن مفاعلن فعلن

عالم از عشق در وجود آمد — عشق معمارِ ہست و بود آمد
در بشیر کبریائے عشق نمود — ملک از عجز در سجود آمد
رد شد از صدرِ بارگاہِ شہود — آنکہ بر کارِ ما حسود آمد
عشق بر تخت از زبر نگریست — عقل و لوح و قلم فرود آمد
ہر چہ اہلیتِ نمودن داشت — ہمہ از عشق در نمود آمد
نیست جز عشق و عاشق و معشوق — ہر چہ در معرضِ شہود آمد
عقل بر کارِ عشق سوخت سپند — شکلِ ایں گنبد کبود آمد
عشق صنعت نمود بے آلت — بودِ ہر چیز از نبود آمد
جامہ مجنوں درید کہ خلعتِ عشق — عاری از جنسِ تار و پود آمد
عشق را عشقِ دی و فردا نیست — دیر ہم زود تر ز زود آمد
شد جوانی و عشق در حرص و ہوا — شعلہ بنشست و خس بدود آمد

زد سخن بر لب نظیری جوش
عشق در گفت و در شنود آمد

تمام غزل عشق حقیقی کے متعلق اور مسلسل ہے۔

(۱) یہ دنیا تمام عشق ہی کی بدولت وجود میں آئی ہے۔ تو گویا عشق ہی ہست و بود کا معمار ہے۔

(۲) عشق ہی نے انسان میں عظمت اور بزرگی پیدا کر دی اور اسی سبب سے فرشتہ عجز سے سجدے میں گر پڑا۔

(۳) (دوسرا مصرعہ پہلے) وہ جس نے ہماری ترقی کے کام پر حسد کیا۔ وہ بارگاہ ایزدی کے مقام بلند سے نکال دیا گیا (حسود سے مراد شیطان ہے)۔

(۴) عشق تخت پر بیٹھا اوپر سے دیکھ رہا تھا۔ اور عقل لوح اور قلم نیچے تھے (عشق ان سب سے اعلیٰ درجہ رکھتا ہے۔)

(۵) ہر وہ چیز جس میں ظہور کی اہلیت موجود تھی۔ وہ تمام عشق کی بدولت عرصۂ وجود میں آگئیں۔

(۶) (دوسرا مصرعہ پہلے) جو کچھ بھی معرض وجود میں آچکا ہے۔ وہ عشق۔ عاشق۔ معشوق کے سوا کچھ نہیں ہے (ہمہ اوست کے عقیدے کا اظہار کیا ہے۔ کہ ؎

خود کوزہ و خود کوزہ گر و خود گلِ کوزہ — خود بر سرِ بازار خریدار برآمد

(۷) عقل نے عشق کے کاروبار پر ہرل جلایا (نظر بد سے بچانے کے لئے سپند جلایا کرتے ہیں) (اور اس سے) اور اس نیلگوں آسمان کی شکل بن گئی۔ (آسمان بھی عشق ہی کی بدولت وجود میں آیا ہے)

(۸) عشق نے بغیر ہتھیار کے صنعت گری کی اور ہر چیز عدم سے وجود میں آگئی۔

(۹) مجنوں اپنے کپڑوں کو اس لئے پھاڑے ڈالتا ہے! کہ عشق کا لباس تار و پود کی جنس سے عار محسوس کرتا ہے (یا تار و پود کی جنس سے خالی ہوتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ عشق کا لباس بُنے ہوئے کپڑوں سے نہیں۔ بلکہ عریانی سے تیار ہوتا ہے)

(۱۰) عشق کو ماضی و مستقبل کی محبت نہیں عشق پابندی کی و فردا نہیں، یہاں دیر بھی جلد سے جلد تر آجاتی ہے (عشق حال کا پابند ہے۔ اور سب زمانے اس کے لئے حال کا حکم رکھتے ہیں)

(۱۱) جوانی اور عشق جا چکے رباقی رہے حرص و ہوا تو اس کی مثال ایسی ہے۔ جیسے شعلہ بجھ گیا اور تنکے دھواں دینے لگیں۔ (عشق کو شعلہ اور حرص و ہوا کو خس ہدود قرار دیا ہے)

(۱۲) شعر نظیری کے لبوں پر جوش مارنے لگے اور عشق گفت و شنید میں آگیا (اشعار نظیری کے سبب عشق کا چرچا ہو گیا) دیکھئے پیغام مشرق" میں اقبال کی نظم "تخلیق آدم" خاصکر یہ مصرعہ ؏

حذر اے پردگیاں پردہ درے پیدا شد

اور ؎ زندگی گفت کہ در خاک تپیدم ہمہ عمر — تا ازیں گنبدِ دیرینہ درے پیدا شد

غزل نمبر ۶۶

بحر رمل مثمن مخبون محذوف مسکن — ارکان: فاعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلن

۱ اشک در دیدہ نیارم کہ حجابم نبرد — حائلِ گریہ کنم شرم کہ آبم نبرد
۲ تپش و تابشِ من گرمِ سوانش سازد — صدا داہست کہ کس پے بجوابم نبرد
۳ گشتہ ام پے سپرِ حادثہ چوں گنجِ یتیم — جز خضر راہ بدیوارِ خرابم نبرد
۴ خوار از عجز و تنزل شدہ ام میخواہم — کہ بصلحش نروم تا بعتابم نبرد
۵ بسکہ عطرِ گل و مُل راہِ مشامش بگرفت — بوئے از سوختگیہائے کبابم نبرد
۶ سرخوش از گردشِ چشم و لبِ میگوں کندم — زود مستم بسوئے بزمِ شرابم نبرد
۷ قطعۂ سبزِ خطش دیدہ ام از چشمۂ نوش — ہوس از راہ بہ سرِ نقشِ سرابم نبرد
۸ نکنم یادِ لبِ بادہ فروشش بنماز — کہ ز مسجد بخراباتِ خرابم نبرد
۹ نپرد مرغ کہ والہ نکند امیدم — نوزد باد کہ از پائے شتابم نبرد
۱۰ ہر شب از نرگسِ فتّان کمین نظرم — صد فسونساز نشاندست کہ خوابم نبرد

نیست از بادہ بجز باد منظیری وردست
"نگذرد آب رزاز کام کہ آبم نبرد

(۱) میں آنکھوں میں اس لئے آنسو نہیں لاتا کہ وہ میری شرم دور نہ کر دیں ۔ اور میں شرم کو گریہ کے لئے روک بناتا ہوں۔ کہ کہیں میری آبرو نہ جاتی رہے (جب تک عشق کو انسان چھپاتا ہے اس کا شرم و حیا قائم رہتا ہے ۔ جونہی راز افشا ہوجاتا ہے عاشق بیباک اور بے حجاب ہو جاتا ہے ؎

روتے سے اور عشق میں بیباک ہو گئے　　دھوئے گئے ہم ایسے کہ بس پاک ہو گئے ۔

(۲) میری تڑپ اور بیقراری اسے سرگرم سوال بنائے رکھتی ہے لیکن میرے جواب دینے کا طریقہ سو قسم کی ادائیں اور لطافتیں اپنے اندر پوشیدہ رکھتا ہے کہ کسی کی سمجھ میں اصل بات نہیں آتی ۔ اور افشائے راز کا خدشہ مٹ جاتا ہے ۔

(۳) میں اس قدر پامال حوادث ہو چکا ہوں کہ یتیم کے خزانے کی طرح خضر کے سوا کوئی شخص میری ویران دیوار کا راستہ نہیں پا سکتا (گنج یتیم میں تلمیح ہے حضرت خضر کے قصہ کی طرف کہ ایک قصبہ میں انھوں نے ایک گرتی ہوئی دیوار کو تعمیر کر دیا۔ حالانکہ اہل قصبہ نے آپ کو کھانا تک دینے سے انکار کر دیا تھا۔ موسیٰ کے استفسار پر آپ نے بتلایا کہ اس دیوار کے پیچھے دو یتیموں کا خزانہ ہے اور ان کا باپ ایک صالح شخص تھا۔ دیوار اس لئے بنائی ہے کہ بچے جوان ہو کر نکال لیں شعر سے مراد یہ ہے کہ میری پامالی و ویرانی کا ہر شخص کو علم نہیں ہو سکتا۔ کوئی صاحب باطن ہی اس کا اندازہ کر سکتا ہے ۔)

(۴) میں اپنے عجز اور پستی ہی کی بدولت ذلیل ہو چکا ہوں ۔ اس لئے اب چاہتا ہوں کہ اس کے پاس اس وقت تک صلح کے لئے نہ جاؤں جب تک وہ عتاب کے ساتھ نہ لے جائے (ہر وقت عاجزی اور خوشامد کی وجہ سے ذلیل ہو رہا ہوں ۔ آئندہ جب تک وہ خود مجبور کر کے نہ لے جائے اس کے پاس نہیں جاؤں گا ۔ اور لطف یہ ہے کہ یہ بھی پستیٔ ہمت اور عجز طبع کی دلیل ہے)

(۵) چونکہ پھولوں کے عطر اور شراب نے اس کے دماغ کی راہ بند کر رکھی ہے اور اس لئے اسے میرے کباب دل کے جلنے کی بو نہیں آتی (وہ محو عیش و نشاط ہے ۔ میرے حال زار سے ناآشنا ہے گویا خوشبو سے اس کا دماغ پر ہے ۔ کباب دل کے جلنے کی بو اس کے دماغ میں نہیں پہنچ سکتی) ؎

عرش سے واں فرش تک طوفاں تھا موج رنگ کا　　یاں زمیں سے آسماں تک سوختن کا باب تھا ۔

(۶) وہ مجھے اپنی آنکھ کی گردش اور شراب کے سے سرخ لبوں ہی سے سرخوش کئے دیتا ہے ۔ کیونکہ میں جلد مست ہو جانے والا ہوں ۔ اس لئے وہ مجھے محفل شراب میں نہیں لے جاتا (اس کی گردش چشم اور لب مے گوں ہی سے جب مجھے سرور آجاتا ہے تو پھر شراب کی کیا ضرورت ہے ؎

دیکھا کئے وہ مست نگاہوں سے بار بار　　جب تک شراب آئے کئی دور ہو گئے)

(۷) میں نے اس کے سبز خط کا قطعہ دیکھ لیا ہے ۔ اس لئے اب ہوس اس کے چشمۂ شہد سے مجھے ہر نقش سراب کے علاوہ اس سے نہیں ہٹا سکتی ۔ (میں اس کا رخسار جو سبز خط کا قطعہ ہے اور لب جو چشمۂ شہد ہے چھوڑ کر اور کسی طرف متوجہ نہیں ہو سکتا کہ ان کے ہوا آب حیات کا چشمہ بھی فریب نظر ہے ۔ اور اس کی طرف توجہ دینا گویا ہوس رانی ہے ۔

(۸) میں اس کے بادہ فروش لبوں کو ترازو میں یاد نہیں کرتا تا کہ ایسا نہ ہو کہ وہ مجھے مسجد سے مست کر کے شراب خانے میں لے جائیں (اس کے لبوں کے تصور ہی سے ایسی مستی چھا جاتی ہے کہ گویا میکدہ میں ساغر پہ ساغر چڑھا رکھے ہوں) ؎ ۴۵

(۹) کوئی پرندہ نہیں اڑتا جو میری امید کو فریفتہ نہ کر لیتا ہو ۔ (جب کوئی پرندہ اڑتا ہے تو گمان کرتا ہوں کہ شاید محبوب کا نامہ بر ہو مگر مایوسی ہوتی ہے ۔) کبھی ہوا نہیں چلتی جو میرے پاؤں سے شتاب روی کو دور نہ کر دیتی ہو (جب ہوا چلتی ہے تو فرط مسرت سے میرے قدم اس امید پر رفتار سے رہ جاتے ہیں کہ شاید یار محبوب کی خوشبو اس میں ہو ۔)

(۱۰) وہ (محبوب) ہر رات میری نظر کی عادت میں اپنی فتنہ انگیز آنکھوں کے سینکڑوں فسوں سازوں کو (اس غرض سے) مقرر کر دیتا ہے تا کہ وہ مجھے سونے نہ دیں (اس کی ذہین آنکھوں کے تصور نے میری نیند حرام کر رکھی ہے ۔ ان کے عشق میں اختر شماری کرتا ہوں گویا وہ جادوگر ہیں جو میری نگاہوں میں بیٹھے ہیں)

(۱۱) اے نظیری ! شراب سے عوریت کے سوا کچھ بھی حاصل نہیں ۔ یہ انگور کا پانی (شراب) جونہی میرے حلق سے گزرتا ہے مجھے بے آبرو کر دیتا ہے ۔ (یاد۔ فضول ، ہیچ شراب سے بے آبروئی کے سوا کچھ بھی حاصل نہیں) ۔

غزل نمبر ۶۷

بحر رمل مثمن مخبون محذوف | ارکان:- فاعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلن

دیدہ ام نیم نگاہے کہ بدیدن نرسد ۱ صفِ آہوش بدنبالہ کشیدن نرسد
سوئے وحشت زدگاں بس بسیاست نگرد ۲ کارِ بسمل زنگاہش بطپیدن نرسد
ہیچگہ ذوقِ کلامش برگِ جاں نخلد ۳ کہ زرگ تا برگم شہد چشیدن نرسد
طرّہ بر باد فشاں عشوہ بگلزار فروش ۴ در چمن سرو چمانش بچمیدن نرسد
رامِ خاطر شود اما باشارت برمد ۵ دستِ صیّاد بصیدش برسیدن نرسد
با رخِ ہوش شکارش چہ کمین و چہ کمند ۶ فکرِ نخچیر زشوقش برمیدن نرسد
ندہد جلوۂ عارض کہ تماشائی را ۷ کار از حیرت با دست بریدن نرسد
کرد لختِ جگرِ شور گزک مستاں را ۸ کہ بسیبِ ذقن آسیبِ گزیدن نرسد
خضرِ توفیق بادراہ نما شد ورنہ ۹ کس بسر چشمۂ حیواں بدویدن نرسد ن برم
جذبِ اقبالِ عروجم بمقامے انداخت ۱۰ کہ ببال و پرِ جبرئیل پریدن نرسد
اگر از چاہ بایں جاہ برآید یوسفؑ ۱۱ مالک از گرمیِ سودا بخریدن نرسد ن حُسن

ہوش از گوش شود محو نظیری ترسم
۱۲ گوش کیں لذتِ دیدن بشنیدن نرسد

(۱) میں نے اس نیم نگاہِ معشوق یہ چشمِ نیم باز و مخمور کو دیکھا ہے جسے دیکھا نہیں جا سکتا۔ (اسے دیکھنے کی کوئی شخص تاب نہیں لا سکتا) اور یہ نظارہ کی صفوں کی صفیں اس کا تعاقب نہیں کر سکتیں (دُنبالہ کشیدن میں ابہام ہے۔ نیم نگاہ اور دیدن کی مناسبت سے سرمہ کا دنبالہ مراد ہونی چاہیئے۔ مگر درحقیقت یہاں تعاقب کرنا مراد ہے۔ مطلب یہ کہ ہرن تو وحشت میں معروف ہے ہی۔ اس کی نگاہِ نیم باز یادہ محو وحشت میں ہرن سے کہیں بڑھ کر ہے ؎
بہت دن میں تغافل نے تیرے پیدا کی وہ اک نگاہ جو ظاہر نگاہ سے کم ہے
(۲) وہ وحشت زدہ (عشاق) کی طرف اس قدر قہر کی نظر سے دیکھتا ہے (سیاست = سزا، تادیب) کہ اس کی (قہر کی) نگاہ کے سبب بسمل کو تڑپنے کی نوبت بھی نہیں آتی (اس کی نگاہِ قہر سے عاشق نیم جاں تڑپے بغیر ہی جان دے دیتا ہے)
(۳) اس کے کلام کا مزہ کبھی میری جان کی رگوں میں (ایسے طریق سے) خلش نہیں کرتا کہ میری ایک ایک رگ میں شہد کھلانے

کا مزہ نہ آجاتا ہو۔ (کلامِ محبوب میں وہ لطف ہے کہ میری رگ رگ اس سے حلاوت اندوز ہو جاتی ہے)

(۴) وہ محبوب ایک سرو ناز ہے۔ کہ جب محوِ خرام ہو زلفیں ہوا میں لہرا رہی ہوں اور اداؤں کی کثرت سے چمن زار کا عالم نظر آتا ہو تو بھلا باغ میں ہوا میں لہراتے ہوئے سرو کو اس کی رفتار سے کیا نسبت ہو سکتی ہے (قیاس چاہتا ہے سرو چماں کسے سرو مراد ہو جو ہوا میں جھوم رہا ہو۔)

(۵) وہ دل کے سامنے رام ہو جاتا ہے۔ مگر ایک اشارے سے وحشت کے سبب بھاگ جاتا ہے۔ اس لئے شکاری کا ہاتھ اس کے شکار کے لئے کوشش کے باوجود اس تک نہیں پہنچ سکتا (بر بہدن نرسد پہنچا تے سے نہیں پہنچا۔ وہ کسی طرح رام نہیں ہو سکتا)

(۶) اس کے ہوش شکار رخسار کے ہوتے ہوئے کمین اور کمند کی ضرورت نہیں کیونکہ اس کی محبت و عشق کے سبب سے شکار کا خیال بھاگ جانے کی طرف جاتا ہی نہیں۔ (ہوش شکار رخسار = حسن و جمال کے سبب دیکھنے والوں کے ہوش اڑا دینے والا۔ چہ کمین وچہ کمند: کمین اور کمند برابر ہیں۔ دونوں بے ضرورت ہیں۔ کہ اس کا رخ ہی شکار کرنے کو کافی ہے۔ لوگ اس کے عشق میں خود گرفتار ہونے کو تیار ہیں۔ پھر گرفتاری کے سامانوں کی کیا ضرورت؟ ؎

ایسے قاتل کا کیا کرے کوئی … شرع و آئین پر مدار سہی)

(۷) وہ کبھی اپنے رخسار کا جلوہ نہیں دکھاتا۔ جب اس جلوہ کو، دیکھنے والوں کا کام حیرت کے سبب ہاتھ کاٹ لینے تک نہ پہنچتا ہو (جونہی وہ جلوہ عارض دکھلاتا ہے تماشائی حیرت سے اپنے ہاتھ کاٹ لیتے ہیں۔ جیسے زنانِ مصر نے جلوۂ یوسفؑ دیکھ کر کاٹ لئے)

(۸) اس نے مستوں کے نمکین جگر کے ٹکڑوں کو ان کے لئے، گزک بنا دیا ہے۔ تاکہ اس کے سیب ذقن کو کاٹنے کی تکلیف نہ پہنچے (مستِ عشق اپنے جگر کے ٹکڑوں کو ہی بطور گزک کھاتے ہیں اس کی ٹھوڑی کو چومنے سے جو سیب جیسی ہے۔ محروم رہتے ہیں۔ گزک: شراب کے منہ کا ذائقہ بدلنے کے لئے جو چیز استعمال کی جائے۔ عشاق گویا شرابِ عشق پی چکے ہیں۔ اب انہیں گزک کے طور پر لخت جگر کھانے کو ملتا ہے)

(۹) حضرت خضرؑ کا کیا پوچھتے ہو کہ، توفیق خداوندی ان کی رہنما بن گئی۔ ورنہ کوئی شخص اپنی کوشش سے (دہ ویدار) آبحیات کے چشمے پر نہیں پہنچ سکتا (راہِ معرفت میں اللہ تعالیٰ کی مدد کے بغیر کوئی شخص کامیاب نہیں ہو سکتا۔ خضر کو بغیر اضافت کے پڑھنا چاہیئے۔ پہلا مصرعہ ایک نسخہ کے مطابق یوں بھی ہے۔ خضرِ توفیق با وراہ برم شد ورنہ الخ اس صورت میں خضر توفیق میں اضافت ہے اور معنی یہ ہونگے کہ توفیقِ خداوندی نے خضر بن کر میری معشوق کی طرف رہبری کی۔ وہ آبحیات کا چشمہ ہے کہ ہر شخص نہیں پہنچ سکتا۔)

(۱۰) اقبال مندی عروج کی کشش نے مجھے ایسے مرتبہ پر پہنچا دیا ہے کہ جہاں جبریلؑ کے بازوؤں اور پروں سے اڑ کر بھی نہیں پہنچ سکتے

(۱۱) اگر حضرت یوسفؑ کنوئیں سے اس شان اور حسن کے ساتھ نکلیں تو پھر ان کا آقا (جس نے انہیں خرید لیا تھا) خریداروں کے ہجوم کی وجہ سے انہیں خرید ہی نہ سکے (اگر یوسفؑ ایسے حسین ہوتے تو ہر شخص ان کا خریدار بن جاتا اور ایک سے ایک بڑھ کر قیمت لگاتا)

(۱۲) نظیری! مجھے ڈر ہے کہ کہیں کانوں کے ہوش بھی نہ جاتے رہیں۔ اس لئے کوشش کر کہ یہ لذتِ دیدار کانوں تک نہ پہنچے (آنکھوں نے اس کے حسن کو دیکھا ہے اور وہ مدہوش ہو کر رہ گئی ہیں۔ اگر یہی حسن "صوت" بن جائے تو کانوں کی قوتِ سماعت بھی اسی میں محو ہو کر رہ جائے۔ شنیدن۔ مصدر بمعنی آلۂ سماعت یعنی کان)

غزل نمبر ۶۸

بحر ہزج مثمن سالم — ارکان مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن

عنانِ دل ز خود رائی بفریادم نگہدارد ۱ بظالم کاندراں دل نالۂ مظلوم رہ دارد

دلِ دیوانہ ام را گنج در ویرانہ افتادہ است ۲ گدائے عشقبازی با جمالِ بادشہ دارد

چو گوید کفر مجذوبے باستغفار حاجت نیست ۳ کسے کز عشق گمرہ شد چہ پروائے گنہ دارد

مرا گر ہست کبرے در دماغ از کبریائے اوست ۴ حباب از جوشِ دریا باد نخوت در کلہ دارد

تجلّی جمالے ہست در ہر جا کہ ذوقے ہست ۵ بیاباں شور اگر مے آورد یوسفؑ بچہ دارد

فقیرے را کہ شبہا تکیہ گاہ از خشتِ آں در شد ۶ چناں خوابد کہ گوئی تکیہ بر خورشید و مہ دارد

حکایتہائے عہدِ دوستی را کردہ ام از بر ۷ چو ہندوئے کہ بعد از سوختن ہیزم نگہ دارد

ہماں بہتر کہ نکشائی سرِ رازِ دلِ ما را ۸ کہ حرفِ ہجر خونیں نامۂ ما تہ بتہ دارد

بخاکِ پائے گلبن مینویسد شکوہ از غربت ۹ اگر بر شاخِ طوبےٰ بلبلے آرام گہ دارد

شبیخونِ غم از جا در نمے آرد نظیری را
زاشک و آہِ شب سلطانِ ما خیل و سپہ دارد

(۱) (دوسرا مصرعہ پہلے) میں تو اس لئے نالہ کرتا ہوں کہ اس کے دل میں (مجھ) مظلوم کا نالہ اثر کرے۔ مگر وہ (محبوب) از راہ خود رائی اپنے دل کی عنان کو میری فریاد کے سننے یا فریاد رسی) سے روکے رکھتا ہے میری فریاد کو نہیں سنتا اور نہ اس سے اپنی طبیعت کو متاثر ہونے دیتا ہے)

(۲) میرے دیوانے دل کا خزانہ ویرانے میں پڑا ہے (میرا دل قلاش ہے اس کی دولت اس کے پاس موجود نہیں ہے) گویا ایک فقیر ایک بادشاہ کے ساتھ عشق رکھتا ہے (محبوب بادشاہ ہے اور میرا دل گدا)

(۳) جب کوئی مجذوب کلمہ کفر کہے تو اسے توبہ و استغفار کی ضرورت نہیں ہوتی۔ (کیونکہ وہ حالت جذب کی وجہ سے معذور ہے) اسی طرح جو شخص عشق کے سبب گمراہ ہو جائے اسے گناہ کی کیا پرواہ ہے (کہ وہ بھی جذب عشق کی وجہ سے معذور ہے)

(۴) اگر میرے دماغ میں کسی قسم کا کبر و غرور ہے تو وہ اسی کی (دی ہوئی) عظمت و بزرگی کی وجہ سے ہے۔ (دوسرا مصرعہ مثال کے طور پر) حباب کے سر میں نخوت کی ہوا دریا ہی کے جوش کے باعث (پیدا) ہوتی ہے۔

(۵) جہاں کہیں ذوقِ عشق ہوتا ہے وہیں اس کی تجلی حسن موجود ہوتی ہے۔ اگر بیابان شورش میں آتا ہے تو اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ ایک کنوئیں میں حضرت یوسفؑ (مظہر حسن) قید ہو گئے ہیں۔

(۶) وہ گدا کہ کئی راتوں تک اس (معشوق) کے دروازے کی اینٹ اس کی تکیہ گاہ رہی ہے (ایسے مزے میں) سوتا ہے کہ گویا وہ چاند اور سورج پر تکیہ لگائے ہوئے ہے (اس کے در کا گدا فقیری کو شاہی سے بڑھ کر سمجھتا ہے) تکیہ بر چیزے یا کسے داشتن۔ اعتماد اور بھروسہ کرنا)

(۷) میں نے عاشقی کے زمانے کی داستانوں کو ازبر کر رکھا ہے (اور میرا ایسا کرنا اس ہندو کی مانند ہے) جو جل جانے کے بعد ایندھن کی نگہداشت کرتا ہے۔

(۸) یہی بہتر ہے کہ تو ہمارے دل کے راز کو کھولنے کی کوشش نہ کرے کیونکہ ہمارا نامہ دل (خونیں ہجر کی داستان کو تہ در تہ لپیٹے ہوئے ہے (قصہ عشق و فراق سنا نہیں جا سکتا۔ خونیں نامہ کی صفت بھی ہو سکتی ہے اور ہجر کی بھی یعنی خونیں ہجر کی داستان یا ہمارا نامہ خونیں)

(۹) (دوسرا مصرعہ پہلے) اگر کسی بلبل کو شاخ طوبیٰ پر بھی قرار گاہ مل جائے تو وہ پھر بھی درخت گل کی خاک پا کی طرف اپنی مسافری کا شکوہ لکھ لکھ کر بھیجتی رہے گی (عاشق کو معشوق کا دروازہ چھوڑ کر کتنا ہی مرتبہ بلند مل جائے وہ اس کو پسند نہیں کرتا۔ یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ وطن کو چھوڑ کر خواہ کس قدر آرام نصیب ہو مگر وطن نہیں بھولتا)

(۱۰) غم کے حملے نظیری کو ڈگمگا نہیں سکتے (از جا در آوردن: ڈھیلا دینا۔ قائم نہ رہنے دینا) کیونکہ ہمارا یہ سلطان (نظیری) رات کی آہوں اور آنسوؤں کا لشکر اور فوج رکھتا ہے (غم عشق کے مقابلہ کے لئے اس کا اشک و آہ موجود ہے (مطلب یہ کہ عشق میں آہیں کھینچتا اور آنسو بہاتا ہے)

غزل نمبر ۶۹

بحر رمل مثمن محذوف — ارکان:- فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلن

ناوکِ غم جاں شگاف سینہ گر جوشن شود ۱ عشق مقناطیس گردد دل اگر آہن شود
سینۂ پُر حسرتے دارم کہ از اندوہِ او ۲ تا بنزدیکِ لب آرم خندہ را شیون شود
پیش شد سرگشتگی چندانکہ پا ہم پیش شد ۳ سر بتاریکی نہادم تا رہے روشن شود
یک توجہ از تو در کار ست صد عالم مراد ۴ غم ندارم گر اجابت با دعا دشمن شود
شب ترنم ہائے غم بیدار دارد خلق را ۵ ہر کرا سوزد چراغے نالہ ام روغن شود
من ہم از فریادِ خود آزردہ میگردم ولیک ۶ گر بہ بندم لب ز افغاں سینہ ام روزن شود
بسکہ بےتو جامۂ جاں بر من تنگ شد ۷ گر گریباں را بدوزم چاک از دامن شود

وصل اگر خواہی نظیری شوق را سرمایہ ساز
نورِ عشق است ایں چراغِ وادیٔ ایمن شود

(۱) غمِ عشق کا تیر خواہ سینہ زرہ بھی بن جائے۔ جان کو چیر ڈالتا ہے۔ اور دل اگرچہ لوہا (سخت) ہو جائے مگر عشق مقناطیس بن جاتا ہے اور اسے اپنی طرف کھینچ لیتا ہے ؎

غم اگرچہ جاں گسل ہے پہ کہاں بچیں کہ دل ہے — غمِ عشق گر نہ ہوتا غمِ روزگار ہوتا

(۲) میں ایسا حسرت بھرا سینہ رکھتا ہوں کہ اس (معشوق) کے غم میں اگر میں ہنسی کو بھی لبوں کے نزدیک لاتا ہوں تو وہ بھی فریاد ماتم بن جاتی ہے۔ (حسرتیں اتنی ہیں کہ خوشی کا کوئی موقع ل ہی نہیں سکتا۔)

(۳) جس قدر میرے قدم آگے بڑھتے گئے اسی قدر میری سرگشتگی بڑھتی گئی۔ میں نے تاریکی کا رخ اس لئے کیا تا وہ (تاریکی) روشن ہو جائے (دشمن ہے تاریکی کی طرف جاؤں تو راہ روشن ہو جائے کیونکہ تقدیر الٹی ہے) ؎ مومن

ناز کا گریں تھے اب سے دعا ہجر یار کی — آخر تو دشمنی ہے دعا کو اثر کے ساتھ

(۴) تیری ایک توجہ کی ضرورت ہے۔ کہ میری مراد کے سینکڑوں جہاں بر آئیں گے۔ (تو۔ لزوم کے لئے ہے) اگر قبولیت میری دعا کی دشمن بن جائے تو مجھے کوئی غم نہیں ہے کیونکہ تیری ادنے توجہ میری کار برآریوں کی کفیل و ضامن ہے۔

(۵) میرے غم کے نغمے رات کو لوگوں کو سونے نہیں دیتے گویا جس شخص کے گھر میں بھی چراغ روشن ہوتا ہے میرے نالے اس کے لئے روغن بن جاتے ہیں (چراغ میں روغن ہو تو وہ بجھ نہیں سکتا۔ اہل درد رات کو میرے نالے سنتے ہیں تو وہ تاثر کی وجہ سے سو نہیں سکتے۔ گویا ان کا چراغ بھی جلتا رہتا ہے ؎

پھر چھیڑا حسن نے اپنا قصہ — بس آج کی شب بھی سو چکے ہم

(۶) میں بھی اپنی فریاد سے تنگ آ جاتا ہوں۔ لیکن کیا کروں کہ اگر لب کو فریاد سے روکتا ہوں تو میرے سینہ میں روزن ہو جاتا ہے (درد عشق کا ضبط طاقت انساں سے باہر ہے ؎

مرا دردیست اندر دل اگر گویم زباں سوزد — دگر دم در کشم ترسم کہ مغز استخواں سوزد

(۷) تیرے فراق میں میرے جسم پر جامۂ جان ایسا تنگ ہو گیا ہے کہ اگر میں گریبان کو ٹانکے لگاتا ہوں تو دامن پھٹ جاتا ہے (جان کو ایسے کپڑے سے استعارہ کیا ہے جو تنگ ہو. ظاہر ہے کہ اس قسم کا کپڑا اگر ایک طرف سے سیا جائیگا تو دوسری طرف سے پھٹ جائے گا. عشق میں گریبان و دامن کا پھاڑنا معلوم ہی ہے. مطلب یہ کہ تیری جدائی میں میری جان کا جسم میں رہنا مشکل ہے)

(۸) اے نظیری! اگر تو وصل چاہتا ہے تو شوق و طلب کو سرمایہ بنا. یہ نورِ عشق ہے (اور یہی بڑھ کر) وادیٔ ایمن کا چراغ بن جائیگا (عشقِ مجازی عشقِ حقیقی پر منتہی ہوگا)

غزل نمبر ۷

بحر ہزج مثمن سالم — ارکان:- مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن

دلم از نالہ خوش گردید امیدِ اثر باشد ۱ بسے آسودہ شستم ایں خدنگم کارگر باشد

اگر دزدیدہ دیدہ نہاں نباشد بہرِ پاسِ دل ۲ محبت از تغافلہائے بیجا در خطر باشد

ز ہجراں روزِ ما را در غبارِ عالمے دارد ۳ نباشد در شبِ ما روشنی گر صد سحر باشد

نگویم جرم او ارگشت شرمِ غمزہ را نازم ۴ کہ صد رہ مردہ ام دید و ز حالم بیخبر باشد

مکن دورم کہ بس دشوار باشد بال افشاندن ۵ اسیرے را کہ گردے زیں حرم بر بال و پر باشد

دلم تا خو باسایش نگیرد روزِ خورسندی ۶ بخاطر شیوۂ آید کہ آں جانسوز تر باشد

۷ نظیری شاد ہم باشی کہ خدمتگارِ دیرینی
کدامیں قدر و قیمت پیشِ او خاکت بسر باشد

(۱) اب کے مرتبہ میرا دل نالے سے خوش ہوا ہے اس لئے اثر کی امید ہے. میری چٹکی کو بہت آرام محسوس ہوا ہے میرا یہ تیر ضرور کارگر ہوگا (نشانے بیٹھے گا. شکاریوں کا خیال ہے کہ نشانے پر لگنے والے تیر سے چٹکی کو آرام محسوس ہوا کرتا ہے. شاعر نے نالہ کو تیر سے استعارہ کیا ہے)

(۲) اگر معشوق کی دزدیدہ نگاہیں بھی دل (عشاق) کی پاسداری کے لئے نہ ہوں تو پھر محبت (محبوب کے) بیجا تغافل کی وجہ سے معرضِ خطر میں ہو (وہ جو کبھی کبھی عشاق کو دزدیدہ نگاہی سے دیکھ لیتا ہے ان کے دل کو ڈھارس رہتی ہے کہ ہماری طرف سے بالکل ہی بے خبر نہیں ہے. اگر یہ بھی نہ ہو تو عاشق مایوس ہو کر عشق ترک کر دیں ؎
لاکھوں لگاؤ ایک چرانا نگاہ کا لاکھوں بناؤ ایک بگڑنا عتاب میں)

(۳) وہ (اپنے) ہجر کے سبب سے ہمارے دن کو ایک جہان تاریکی میں ڈالے ہوئے ہے (اس کے ہجر کے باعث ہمارا دن بھی شبِ سیاہ کی مانند تاریک ہو رہا ہے) اب اگر سو صبحیں بھی آ جائیں تو ہماری یہ شب (شبِ ہجر) روشن نہ ہو سکے گی.

(۴) اگر اس نے مجھے مار ڈالا ہے تو میں اسے اس کا جرم نہیں قرار دیتا. بلکہ میں اس کے غمزے کی (اس) شرم پر فخر کرتا ہوں کہ اس غمزے نے مجھے سینکڑوں دفعہ مردہ دیکھا اور پھر بھی میرے حال سے بے خبر ہی رہا (شرمِ غمزہ:- گویا غمزے نے مجھے مار ڈالا اور شرم کے مارے تجاہل سے کام لیا. گویا اسے خبر ہی نہیں کہ کس نے مارا ہے)

(۵) مجھے اپنی قربت سے دور مت کر کیونکہ اس قیدی پرندے کے لئے جس کے بازوؤں اور پروں پر اس چار دیواری کی گرد

پڑ چکی ہو اڑنا بہت مشکل ہے جو تیرے عشق میں پھنس چکا ہے اس کا تیرے در کو چھوڑ کر چلا جانا ممکن نہیں۔ گویا وہ ایک قیدی پرند ہے جو اڑنا بھول چکا ہے اور اس کے ساتھ ہی اس کے بال و پر اس دروازے کی مٹی سے لتھڑے ہوئے ہیں)۔

(۶) (اس خیال سے کہ کہیں، ایسا نہ ہو کہ میرا دل آرام و آسایش کا خوگر ہو جائے مسرت و شادمانی کے دن بھی اس معشوق کی طبیعت میں ایسی ایسی ادائیں آتی ہیں جو پہلے سے کہیں) زیادہ جانسوز ہوتی ہیں (عین مسرت وصل کی گھڑیوں میں بھی ہجر و فراق کی یاد سے تڑپا دیتا ہے)۔

(۷) نظیری! فرض کیا کہ تو اس بات پر خوش بھی ہو لے کہ تو اس کا، پرانا خدمتگار ہے مگر تیرے سر پر خاک! یہ تو بتلا کہ اس کے نزدیک تیری کیا قدر و قیمت ہے؟ (صرف دیرینہ خدمتگاری قابلِ فخر و مسرت نہیں۔ بلکہ محبوب کے نزدیک کچھ قدر و قیمت ہو تو پھر واقعی قابلِ فخر امر ہے)۔

غزل نمبر ۱۷

بحر مضارع مثمن اخرب مکفوف محذوف۔ ارکان: مفعول فاع لات مفاعیل فاع لُن

۱ هرگز بسیرِ گل دلِ محزوں نمی‌رود — یاراں زخیالِ غمزدہ بیروں نمی‌رود

۲ عشق از جہاں بریدن و از خود گذشتن ست — کارِ وفا زپیش بافسوں نمی‌رود

۳ مرداں بجا بعزم و توکل رسیدہ اند — یک دل رسیدہ نیست کہ در خوں نمی‌رود

۴ از زخمِ عشق در بنِ ہر سنگ کشتۂ ایست — از خونِ ما کجاست کہ جیحوں نمی‌رود (ن جستہ)

۵ لذت بخواب بردہ و شادی بغافلی — در ہر دلے کہ او بشبیخوں نمی‌رود

۶ در حرفِ تلخ نوش لباں صد قبقہ ایست — کوتاہ میں ز لفظ بمضموں نمی‌رود

۷ مرغانِ دشت راز غمِ دل جراحتے ست — شب نیست کیں خروش بہاموں نمی‌رود

۸ از بسکہ رد شد از درِ مقصود حاجتم — آہم ز انفعال بگردوں نمی‌رود

۹ آنرا کہ گوشِ دل شنوِ نالۂ لبیست — عاشق بدرس پیشِ فلاطوں نمی‌رود

۱۰ راہ وفا ز تفرقۂ عشق بستہ شد — دیر است ناقہ بر سرِ مجنوں نمی‌رود

"بوئے نسیمِ فقرِ نظیری شنیدہ است
از رہ بتاج و تختِ فریدوں نمی‌رود

(۱) غمزدہ شخص کا دل ہرگز سیرِ گل کو نہیں چاہتا۔ حزین خلق کے خیال سے یا کسی وقت نکلتا ہی نہیں (عاشق کو معشوق کے سوا کوئی چیز پسند نہیں آتی اس کے لئے محبوب کا رخسار ہی گلزار ہے
غم فراق میں تکلیف سیر باغ نہ دو
مجھے دماغ نہیں خندہ ہائے بے جا کا

(۲) دنیا سے کٹ جانا اور الگ ہو جانا اور خودی سے گزر جانا عشق ہے وفا کا کام کسی جادو اور منتر سے انجام نہیں پا سکتا (عشق و وفا کا تقاضا یہ ہے کہ ہو کہ دنیا کے تعلقات سے بکلی انقطاع کر لیا جائے اور خودی کو ترک کر دیا جائے)

(۳) (راہِ عشق و معرفت کے بہادر اپنے پختہ ارادے اور خدا پر بھروسہ کے سبب کسی مرتبہ پر پہنچ چکے ہیں۔ کوئی بھی دل رسیدہ (عاشق) ایسا نہیں ہوگا جو خون میں لت پت نہ ہو رہا ہو۔ عشاق اور عرفا اپنے عزم و توکل کے سبب عشق و معرفت کی مصیبتیں برداشت کر کے ہی مراتبِ بلند پر فائز ہوتے ہیں

بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن　　خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را)

(۴) ہر پتھر کیسے عشق کے زخموں کے سبب کوئی نہ کوئی کشتہ پڑا ہے ایسی جگہ کونسی ہے جہاں ہمارے خون کا دریا نہ بہ رہا ہو (عشاق نے ہر مقام پر اپنی جانیں پیش کیں اور اپنا خون بہایا ہے)۔

(۵) (دوسرا مصرعہ پہلے) ہر وہ دل جس پر وہ معشوق یا عشق شبخون نہیں مارتا، وہ نیند میں مزے لیتا ہے اور غفلت میں خوشیاں مناتا ہے (خوابِ غفلت میں وہی مبتلا ہو سکتا ہے جس کے دل میں عشق کے جذبات پیدا نہیں ہوئے۔ ورنہ عاشق کو نیند اور غفلت کہاں)

(۶) شیریں لبوں (معشوقوں) کی کڑوی باتوں میں سینکڑوں نکتے مضمر ہیں مگر کوتاہ بین شخص لفظ سے مضمون تک نہیں پہنچتا وہ الفاظ کو ظاہری معنوں پر محمول کر کے ان کی حقیقت کی طرف سے آنکھ بند کر لیتا ہے۔ اور اس لئے ان نکتوں سے جو ان میں موجود ہیں بے خبر رہتا ہے۔ مفہوم یہ ہے محبوب کے انکار میں جو اقرار کا پہلو اور اقرار میں جو انکار کا رنگ ہوتا ہے۔ اس کے ادا شناس بہت تھوڑے ہیں۔ یہ مضمون اگرچہ پرانا ہے لیکن نہایت لطیف ہے نظیری کا پیرایہ دلکش نہیں اس کے مقابلے یہ شعر دیکھئے ؎

میرے اصرار پیہم میں نہاں تھی میری مایوسی　　ترے اقرار آساں سے ترا انکار پیدا ہے

خود تیرے ہونٹ یہ کہتے ہیں کہ بوسہ لے لو　　اور معشوقوں کی ہوتی ہے اجازت کیسی

(۷) جنگل کے پرندوں کو بھی غم دل (عشق) کا زخم لگ چکا ہے۔ اسی لئے کوئی رات ایسی نہیں گزری کہ یہ خروشِ عشق جنگل میں نہ اٹھتا ہو۔ (مرغانِ دشت کے خروش کو غمِ عشق کا نتیجہ قرار دیا ہے)

(۸) چونکہ میری حاجت درِ مقصود سے رد ہو چکی ہے بلا اس کے دروازہ سے جو میری حاجت روائی کے لئے درِ مقصود ہے میں ناکام لوٹ چکا ہوں اس لئے اب شرمندگی کی وجہ سے میری آہ آسمان پر نہیں جاتی ؎

نالہ جاتا تھا پرے عرش سے میرا اور اب　　لب تک آتا ہے جو ایسا ہی رسا ہوتا ہے)

(۹) جس شخص کے دل کے کان سننے کی قابلیت رکھتے ہوں۔ اس کے لئے ایک نالہ ہی کافی ہے۔ وہ اس ایک نالہ سے عشق کے اسرار و رموز کو معلوم کر سکتا ہے، عاشق سبق پڑھنے کے لئے افلاطون کے پاس نہیں جایا کرتا (عاشق کا علم علم عشق ہے۔ جو دل سے تعلق رکھتا ہے نہ کہ فلسفہ و حکمت کی مسائل) عشق اور عقل شعر کی دنیا میں ہمیشہ اسی کشمکش میں مبتلا رہے ہیں۔ عقل و خرد کی پاسبانیاں ایک طرف اور عشق غیور اور بیباک کی جانبازیاں دوسری طرف یہ کشمکش ازلی اور ابدی ہے اور اس کشمکش کا بہترین مفسر آج کل اقبال ہے ؎

اچھا ہے دل کے ساتھ رہے پاسبانِ عقل　　لیکن کبھی کبھی اسے تنہا بھی چھوڑ دے

بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق　　عقل ہے محو تماشائے لب بام ابھی

(۱۰) عشق کے تفرقہ کے باعث وفا کا راستہ بند ہو چکا۔ عرصہ ہوا کہ ناقہ کیلئے مجنوں کے پاس بھیک جاتا (جمعیتِ عشق یہ ہے کہ عاشق عشق میں یکسو ہو کر معشوق کے سوا کل دنیا و مافیہا سے بے پروا اور بے خبر ہو جائے۔ تفرقہ اس کے برعکس جمعیت کا نتیجہ یہ تھا۔ کہ معشوق خود عاشق کی جدائی میں بیتاب ہو کر اس کی تلاش کو نکلتا اور وفا کا نام زندہ کرتا۔ مگر اب چونکہ یہ کیفیت نہیں رہی، اس لئے وہ حالت بھی قائم نہیں رہی۔ مختصر یہ کہ عشق صادق لوگوں میں نہیں رہا۔)

(۱۱) نظیری (فقر کی نسیم کی خوشبو سونگھ چکا ہے۔ اس لئے وہ اب فریدوں کے تاج و تخت (سلطنت) کیلئے بھی (اس) راستے کے بھٹک نہیں سکتا (نظیری فقر کو فریدوں کی سلطنت سے بڑھ کر جانتا ہے۔ پامال مضمون ہے۔ اور سعدی کے اس مشہور شعر کی تفسیر ؎

اے دل اگر بہ دیدۂ تحقیق بنگری　　درویشی اختیار کنی بر توانگری)



غزل نمبر ۲۷

بحر رمل مثمن مخبون محذوف مسکّن — ارکان: فاعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلن

سازم آں مے نمک آلود کہ بیغم باشد ۱ افگنم مشک دراں حُقّہ کہ مرہم باشد

(ن زخم نمک سود)

ہست راحت الم کلبۂ احزاں بر من ۲ غم ازاں خانہ کنم وام کہ ماتم باشد

ہر شبم عشق بافسونِ نوے بندد خواب ۳ کاگہے پیش شود بند چو محکم باشد

شرحِ سودائے دلم راہ سر ساماں مطلب ۴ کار آنست کہ چوں زلفِ تو درہم باشد

دعویِ ذرہ دروغ است کہ عاشق باید ۵ کم بقاتر برِ خورشید ز شبنم باشد

ہر کسے از تو نشانے بگماں میگوید ۶ کس ندیدیم کہ در بزم تو محرم باشد

ہرگز از نخلِ پری کس ثمرانس نچید ۷ تخمِ ایں مہر گیا در گلِ آدم باشد

غیر اخلاص و محبت نبود شیوۂ ما ۸ جور و بیداد براں غمزہ مسلّم باشد

نکند بندۂ مجبور گناہے امّا ۹ ادب آنست کہ در پیشِ تو ملزم باشد

گر ملائک ز سرِ سدرہ بحاجت آیند ۱۰ زلفت از کف ندہد گر ہمہ حاتم باشد

۱۱ از تنک حوصلگی ہائے نظیری در وصل
عشقِ حرمانِ ابد گر دہدش کم باشد

(۱) میں اس شرابِ عشق کو اس لئے نمک آلود بنا رہا ہوں۔ تاکہ وہ بے غم کی ہو جائے۔ (نمک ملانے یا اس کے استعمال سے شراب کا نشہ کم ہو جایا کرتا ہے۔ یہاں نمک سے مراد آنسو ہیں۔ آنسو بہانے سے غم کم ہو جایا کرتا ہے) اور میں اس ڈبیہ میں مشک ڈالتا ہوں۔ تاکہ وہ مرہم کا کام دے۔ (میں اپنی آہوں کو آسمان پر پہنچاتا ہوں۔ آہیں نکالنے سے دل کا بوجھ ہلکا ہو جاتا ہے۔ گویا آبلوں نے مرہم کا کام دیا۔ اگرچہ مشک زخم کے لئے مضر ہے مگر یہاں وہی مفید ہے) دوسرے معنی وہ شراب جو بے غم یعنی بے کیف ہوتی ہے۔ اس میں نمک ملا کر اس کو تیز کرتا ہوں اور مرہم میں مشک ملاتا ہوں تاکہ زخمِ جگر کی لذت میں شدت اضطراب کا اضافہ ہو۔

(۲) غموں کی جھونپڑی کا رنج و الم میرے لئے راحت کا موجب ہے میں تو ایسے گھر سے غم کو بطور قرض لیا کرتا ہوں جس میں ماتم بپا ہو (ماتم کدہ سے بڑھ کر غم کہاں ہوگا۔ مطلب یہ کہ میں رنج و غم کو برداشت کر کر کے اس کا عادی ہو چکا ہوں۔ بلکہ مجھے اسی میں راحت محسوس ہوتی ہے)

(۳) عشق ہر رات نئے جادو سے میری خواب بندی کر دیتا ہے۔ کیونکہ جس قدر بند (خواب بندی کا) مضبوط ہوگا اسی قدر بیداری زیادہ ہوگی (عشق کے سبب مجھے نیند نہیں آتی۔ گویا وہ نئے سے نئے جادو کے ذریعہ ہر شب میری خواب بندی

کر دیتا ہے ۔اس کی خواب بندی کا عمل گویا روزانہ دہرایا جاتا ہے کہ کہیں اثر میں کمی نہ آ جائے ۔)

(۴) میرے دل کے سودائے عشق کی شرح کے لئے مہروساماں کی تلاش مت کر کہ حقیقت میں درست کام وہی ہے جو تیری زلفوں کی طرح پریشان ہو (درہم ہو) عشق میں دل پریشان ہے اور یہ پریشانی ہی شایانِ عشق ہے ۔)
عاشقی ! عاشقی میں ناکامی — یہ میری داستان ہے پیارے

(۵) ذرہ کا دعوےٰ جھوٹا ہے کیونکہ عاشق کو تو یہ چاہیئے کہ وہ آفتاب کے مقابلے میں شبنم کے قطرے سے بھی کم بقا ہو (ذرہ کا دعوےٰ عشقِ خورشید غلط ہے ۔ اگر وہ عاشق صادق ہوتا تو آفتاب کے سامنے اتنی دیر بھی باقی نہ رہتا جتنی دیر شبنم رہتی ہے ۔ عاشق وہ ہے جو جمالِ معشوق کو دیکھتے ہی نقدِ جان اس کے حوالہ کر دے ۔)

(۶) ہر شخص تیرا انتساب صرف گمان اور اٹکل کی بنا پر دیتا ہے ۔ ہم نے ایسا کسی کو بھی نہیں دیکھا جو تیری محفل کا رازدان ہو (اس ذاتِ سرمدی کے متعلق حقیقت سے آشنا کوئی بھی نہیں ۔سب لوگ اپنی اپنی سمجھ اور عقل کے متعلق قیاس آرائیاں کرتے ہیں ؎

حرم جویاں درے را مے پرستند — فقیہاں دفترے را مے پرستند
برافگن پردہ تا معلوم گردد — کہ یاران دیگرے را مے پرستند

(۷) کسی شخص نے بھی کبھی پری کے درخت سے محبت دانش کا پھل نہ چنا ۔ بلکہ یہ مہر گیا کا بیج صرف انسان ہی کی فطرت میں رکھ دیا گیا ہے (پری کو نخل قرار دیا ہے اور اسی کی مناسبت سے ثمر کا لفظ لایا ہے ۔مطلب یہ ہے کہ تخمِ عشق صرف انسان کا خاصہ ہے)

(۸) ہمارا شیوہ اخلاص و محبت کے سوا کچھ نہیں ۔اور ظلم و ستم اس غمزہ کے لئے مسلّم ہے (عاشق کا شیوہ اخلاص و محبت اور معشوق کا طریقہ غمزوں سے ظلم و ستم کرنا ہے ۔

(۹) بندۂ مجبور تو کوئی گناہ نہیں کرتا ۔لیکن ادب یہی ہے کہ وہ تیرے سامنے ملزم قرار دیا جائے (بندہ مجبور ہے ۔کوئی کام وہ اپنے اختیار سے نہیں کرتا ۔ اس کے گناہ بھی اس کی مجبوری کا نتیجہ ہیں ۔ دوسرے لفظوں میں وہ سب کچھ تیرے ہی حکم سے کرتا ہے مگر یہ کہنا کہ تو اس سے گناہ کرواتا ہے ۔ گستاخی ہے ، اس لئے اسی کو ملزم کہنا چاہیئے مسئلۂ جبر و اختیار وہ گرہ ہے کہ سلجھنے سے اور الجھتی ہے ۔اور جو اس مسئلہ پر دنیائے شعر میں کہا گیا ہے خود ایک گرہ کی حیثیت رکھتا ہے ۔ لفظوں کے الٹ پھیر ، ذہنی قلابازیاں اصل حقیقت سے گریز بھی کچھ ہے ۔نہیں تو جواب اس سوال کا نہیں ہے ۔
فانی میرے عمل ہمہ تن جبر ہی سہی — سانچے میں اختیار کے ڈھالے ہوئے تو ہیں

(۱۰) اگر سدرۃ المنتہیٰ کی چوٹی پر سو فرشتے بھی مانگنے کے لئے آئیں ۔ تو خواہ حاتم (جیسا سخی) ہی کیوں نہ ہو تیری زلف کو ہاتھ سے نہیں دے گا (عاشق سب کچھ دے سکتا ہے مگر تیری زلف کو کسی صورت میں بھی ہاتھ سے نہیں دے سکتا)

(۱۱) نظیری کی کم حوصلگی کی وجہ سے اگر عشق اسے عین وصل میں ہمیشہ کی محرومی دلا دے تو وہ بھی تھوڑی ہے (نظیری بہت تنک حوصلہ نکلا کہ وصل میں اپنے اوپر ضبط قائم نہ رکھ سکا ۔اگر اس بنا پر اسے بطور سزا ہمیشہ کے لئے محرومِ وصل کر دیا جائے تو پھر بھی یہ اس کے لئے کافی سزا نہیں ہے ۔)

غزل نمبر ۳۷

بحر ہزج مثمن سالم — ارکان :- مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن

۱ کسے کو تشنۂ وصل ست با کوثر نمے سازد — بآبِ خضر اگر عاشق رسد لب تر نمے سازد
۲ کلہ بخشی و سربازی شرابِ عشق مے آرد — سرے کیں نشاۂ گر مش ساخت با افسر نمے سازد
۳ بشیدائی مزن طعنم کہ ہست از آب و خاک دل — کہ طفلش غیر حرفِ عاشقی از بر نمے سازد
۴ عجب گر آسماں ساماں تواند داد کارم را — چو طالع از کسے برگشت با اختر نمے سازد
۵ کدامیں شعلہ روشن مے کند مشب چراغم را — کہ مور سے رائمے بینم کہ بال و پر نمے سازد

اگر بیگانہ گر محرم دلش میسوزد از دردم ۶ کسے سوہم نمے بیند کہ چشمے تر نمے سازد

ز روز وصل در رشکم ز شام ہجر در افغاں ۷ دلے دیوانہ دارم کہ با دلبر نمے سازد

رہ غیرت خطرناکست پہنایش تماشا کن ۸ دراں وادی کہ عشق او دست با تن سر نمیسازد

برائے امتحان دارد چہ مانی را چہ آذر را ۹ اگر خود میشود بتگر ز خود بہتر نمے سازد

ہماں عشقست بر خود چیدہ چندیں داستاں ورنہ ۱۰ کسے بر معنیٔ یک حرف صد دفتر نمے سازد

ندانم حال شبہائے نظیری ایں قدر دانم

۱۱ کہ جز بالیں نمے گرداند و بستر نمے سازد

(۱) وصل کا پیاسا کوثر پر قناعت نہیں کر سکتا۔ عاشق اگر آبحیات (کے کنارے) کے پاس بھی پہنچ جائے تو وہ لبوں کو تر نہیں کرتا (عاشق کو تیرے دیدار کی ضرورت ہے۔ وہ کوثر اور آبحیات کا پیاسا نہیں ہے) ؎

وہ زندہ ہم ہیں کہ ہیں روشناس خلق اے خضر
نہ تم کہ چور بنے عمر جاوداں کے لئے

(۲) شراب عشق کلاہ بخشی اور سربازی (کا وصف) پیدا کر دیتی ہے (جو شخص عشق کی شراب پی لیتا ہے یعنی عاشق ہو جاتا ہے وہ پھر سر اور سر کی زینت کے سامانوں کی پروا نہیں کرتا) جس سر کو نشہ (شراب عشق کا) گرما دیتا ہے وہ تاج کے ساتھ موافقت نہیں کر سکتا (وہ تاج کو اتار پھینکتا ہے۔ عاشق محبوب کے لئے سلطنت و حکومت کو بھی لات مار دیتا ہے)۔

(۳) مجھے عشق و عاشقی کا طعنہ نہ دے کہ میرا دل ایسی آب و خاک (فطرت سے) وجود میں آیا ہے کہ جہاں کے بچے عاشقی کے سبق کے سوا اور کچھ یاد ہی نہیں کرتے (عشق دل کی فطرت میں رکھ دیا گیا ہے اس لئے میں عشق ورزی کے لئے معذور ہوں۔ گویا دل کا خمیر عشق ہی کی سرزمین کی مٹی سے اٹھایا گیا ہے) ؎

شاد باش اے عشق خوش سودائے ما
اے طبیب جملہ علتہائے ما

(۴) اگر آسمان میرے کام کو سر انجام دے سکے تو تعجب ہوگا کیونکہ جب کسی شخص کی قسمت ہی اس سے پھر گئی ہو تو وہ پھر ستارہ کو کیا کرے۔ (طالع و اختر کا ستارہ گردش میں ہوتا ہے اس کا اپنے مقصد میں کامیاب ہونا ناممکن نہیں)

(۵) وہ کونسا شعلہ ہے جو آج رات میرے چراغ کو روشنی بخش رہا ہے (میں کس کے عشق میں جل رہا ہوں؟ تجاہل) کوئی چیونٹی بھی ایسی نظر نہیں آتی جو بال و پر نہ نکال رہی ہو (میری روشنی عشق سے چیونٹیاں بھی پروانوں کی طرح آمادہ جانبازی نظر آتی ہیں) مطلب یہ کہ میرے عشق نے بوالہوس کو بھی عشقباز بنا دیا ہے (نہایت اچھا شعر ہے۔ ہنگامہ عاشقی نے وہ بازار گرم کیا ہے کہ ذرات موجودات کے دل میں تپش و ذوق کے جلوے تڑپ رہے ہیں۔

(۶) خواہ کوئی بیگانہ ہو اور خواہ میرا محرم راز ہو ہر ایک کا دل میرے درد پر جلتا ہے کوئی شخص ایسا نہیں جو میری طرف دیکھتا ہو اور اس کی آنکھیں تر نہ ہو جاتی ہوں (غم عشق نے مجھے اس قدر زبوں حال بنا رکھا ہے کہ کوئی شخص آنسو بہائے بغیر میری حالت کو نہیں دیکھ سکتا)

(۷) میں روز وصل کے سبب رشک میں ہوں اور شام فراق کے باعث فریاد میں میرا دل ایسا دیوانہ ہے (محبوب کے ساتھ خواہ اس کا وصل ہو اور خواہ اس کا ہجر، کسی طرح نباہ نہیں کرتا (نہایت نفیس مضمون ہے۔ غالب نے اسے بہت صاف کیا ہے ؎

تنگیٔ دل کا گلہ کیا یہ وہ کافر دل ہے
کہ اگر تنگ نہ ہوتا تو پریشاں ہوتا

دوگونہ رنج و عذاب است جان مجنوں را
بلائے صحبت لیلیٰ و فرقت لیلیٰ ؎

(۸) غیرت عشق کا راستہ نہایت خطرناک ہے اس کی وسعت ملاحظہ ہو کہ جس وادی میں اس کا محبوب کا عشق موجود ہوتا ہے وہاں سر تن سے موافقت نہیں کر سکتا (عشق میں غیرت ہوتی ہے۔ عاشق عشق میں سر تک دے دیتا ہے۔ شاعر اس کو غیرت عشق پر محمول کرتا ہے۔ کہ سر گویا یہ نہیں گوارا کرتا کہ تن بھی عشق میں اس کا شریک کار ہو)

(۹) بیشک وہ آزمایش کے لئے مانی یا آزر کو بلا لے بلکہ اگر وہ خود بھی بت گر بن جائے تو اپنے سے بہتر (تصویر یا بت) نہیں بنا سکتا (معشوق اپنے حسن میں کامل ہے (اس سے بہتر صورت نہ کوئی نقش سے بڑا مصور اور نہ کوئی قابل سے قابل بت تراش ہی بنا سکتا ہے

بلکہ خود محبوب بھی اگر بت گر بن کر اپنے سے بہتر بُت بنانا چاہے تو ممکن نہیں یہ شعر نعتیہ مضمون کا حامل بھی ہو سکتا ہے۔ مسئلہ امتناع نظیر اس سے بہتر پیرائے میں شاید ادا نہ ہو سکے۔ اس سے پہلے نوٹ میں ایک کلاسیکی شعر چلا آیا ہے ؎

بصورت تو بُتے کم تر آفرید خدا
ترا کشیدہ و دست از قلم کشید خدا

(۱۰) جو کچھ عشق کے متعلق کہا گیا اور لکھا گیا ہے وہ خود عشق کی ہی ہنگامہ آرائی ہے۔ ورنہ انسان کی کیا مجال تھی کہ ایک لفظ عشق کی شرح میں دفتر کے دفتر لکھ ڈالتا۔ مطلب یہ ہوا کہ اس داستان میں فطرتاً وسعت اور انتشار کی طاقت موجود ہے کہ بے اختیار پھیلتی ہی چلی جاتی ہے۔ ع

عشق میگویم و جان مے دہم از لذت وے

(۱۱) یہ تو معلوم نہیں کہ رات نظیری پر کیسے گزرتی ہے۔ ہاں یہ خبر ہے کہ بستر نہیں بچھاتا البتہ اضطراب میں پہلو بدلتا ہے تو تکیہ ساتھ بدل لیتا ہے۔

غزل نمبر ۸۷

بحر مجتث مثمن مخبون محذوف — ارکان:- مفاعلن فعلاتن مفاعلن فعلن

۱ بیا کہ بے تو غم از خاطرم بدر نرود — وداع از دل و ہجرانم از نظر نرود
۲ دراں بساط کہ من خوانِ عشرت آرایم — مگس ز تلخیِ من جانبِ شکر نرود
۳ ز شہرِ خویش مرا شہرۂ تو دور انداخت — باختیار کسے جانبِ سفر نرود
۴ چہ میشود چو کریماں رہِ غریب زنند — رہِ دیار بہ بندند تا خبر نرود
۵ بطبعِ شوقِ تو نازیم و آں پُر آرائیش — کہ گر سخن رود از خاطرت اثر نرود (ن: شورش)
۶ دلِ نزار و تنِ بردبار خواہد عشق — کہ از نسیم بجوش آید و بسر نرود
۷ چو خونِ مُردہ سیاہ روئے باد در تہِ پوست — دلے کہ بر سرِ پیکان و نیشتر نرود
۸ دلم بیادِ تو دربا نمود چشم و ہنوز — مئے خیالِ تو در ظرفِ مختصر نرود

۹ برآستانہ رہے مے نما نظیری را
کہ قدرِ مجلسِ خاصاں بایں قدر نرود

(۱) آ جا کہ تیرے بغیر میرے دل سے غم نہیں جا سکتا (تیرے) وداع ہونے کا منظر میرے دل سے اور تیری جدائی کا نقشہ میری نظر سے کسی طرح دور نہیں ہوتا۔

(۲) جس مقام پر میں عشرت کا دستر خوان بچھاتا ہوں وہاں مکھی میری تلخی (تلخ عیشی) کو چھوڑ کر شکر کی طرف نہیں جاتی (مکھی تیری کو پسند کرتی ہے) بلکہ میری تلخی عشق میں شکر سے بڑھ کر لذت ہے۔ ہوس پرست اگر عشق کی تلخیوں سے خبردار ہوں تو ہوس چھوڑ کر عشق اختیار کر لیں۔

(۳) تیری شہرت نے مجھے اپنے شہر سے دور نکال پھینکا ورنہ کوئی شخص اپنی مرضی سے تو سفر پر نہیں جاتا (شہرۂ تو: تیرے عشق میں جو مجھے شہرت ہوئی وہ دور دراز علاقوں تک پھیل گئی۔ حالانکہ میں اسے پسند نہ کرتا تھا۔ تو گویا میں اپنی مرضی کے خلاف سفر

کرنے پر مجبور ہوا ہوں۔ یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ تیری شہرت حسن سن کر میں ترک وطن کر کے تیرے پاس آ گیا)۔

(۴) اگر سختی نو نخ ہی مسافروں کو لوٹنا شروع کر دیں اور دوسرے ملکوں کے راستے بند کر دیں۔ تاکہ ان کی خبر تک نہ جا سکے تو پھر کیا نتیجہ ہو۔ اگر ایسا ہی راہزنی پر اتر آئیں تو پھر خدا ہی حافظ ہے)

(۵) میں تیری شوخ طبیعت اور اس کی اس پذیرائی (اثر قبول کرنے کا مادہ) پر نازاں ہوں کہ تیرے دل سے اگرچہ میری بات اتر جائے مگر اس کا اثر نہیں جاتا۔ اگرچہ تو میری گذارشات کو بھلا دیتا ہے مگر ان کا کچھ نہ کچھ اثر تیرے دل میں باقی رہتا ہے۔ بیں اتنے پر بھی پھولا نہیں سماتا ؎

کس منہ سے شکر کیجئے اس لطف خاص کا ۔ پرسش ہے اور پائے سخن درمیاں نہیں

(۶) عشق کا تقاضا یہ ہے کہ دل نہایت تیز (یعنی لطیف اور رقیق ہو) یہ حرکت نسیم سے مضطرب ہو جائے۔ لیکن جسم مصائب کا خوگر ہو کہ اضطراب قلب پر ضبط کر سکے۔ اور منہ کے بل نہ گر پڑے۔

آنکھ کو حسرت دیدار کی دولت بخشی ۔ عشق نے آگ کو مٹی میں سمونا چاہا

(۷) (دوسرا مصرعہ پہلے) وہ دل جو تیر و نشتر کی نوک ہر نہ چلے (عشق کی سختیوں کو برداشت نہ کرے) خدا کرے وہ مردے کے خون کی طرح کھال کے نیچے سیاہ رہ رہی رہے (وہ دل جو عشق کی لذت سے نا آشنا ہو وہ دل کہلانے کا مستحق نہیں)۔

(۸) میرے دل نے تیرے خیال میں آنکھوں کو دریا بنا دیا (آنکھوں سے آنسوؤں کے دریا بہا دیئے) اور پھر بھی تیرے خیال کی شراب مختصر سے ظرف میں نہیں سما سکتی (دل کا ظرف اتنا فراخ ہے کہ اس نے اپنے لہو کو آنسو بنا کر آنکھوں کے ذریعہ دریا بہا دیئے ہیں۔ مگر اس کے باوجود اس کا ظرف اتنا وسیع نہیں ہے کہ اس میں تیرا خیال اور تصور پوری طرح سما سکے)۔

(۹) نظیری کو اپنی چوکھٹ دکھا دے (اجازت دے کہ وہ تیری چوکھٹ پر بیٹھ جائے) کیونکہ خواصوں کی مجلس کی شان میں اتنی سی بات سے کمی نہیں آ جائے گی (میں حقیر ہوں اور تیری مجلس میں عوام کو بار نہیں مل سکتا۔ مجھے آستانہ پر ہی جگہ دے دے۔ کہ اس سے مجلس کی قدر میں کمی نہ ہو گی)۔

غزل نمبر ۵۷

بحر مضارع مثمن اخرب مکفوف محذوف الآخر ۔ ارکان: مفعول فاعلات مفاعیل فاعلان

آمد سحر که دیر و حرم رفت و رو کنند ۱ تا بازم از نصیب چه خول در سبو کنند

ما قابلِ نشاط و شکر خند نیستیم ۲ تا شهدِ خوشگوار کرا در گلو کنند

آنانکه تنگ ظرفیِ ما را شنیده اند ۳ مے بهر آزمایشِ ما در سبو کنند

آلودگی ز گریه زدامان نمیرود ۴ دلقِ مرا بشعله مگر شست و شو کنند

تصدیع کم کنند گل و باده تا بکے ۵ در کارِ بیدماغیِ ما آبرو کنند

کو زخمِ عاشقانه که در جلوه گاهِ حسن ۶ صد چاکِ دل بتارِ نگاهے رفو کنند

تو کارِ دل بغمزهٔ معشوق واگذار ۷ بے طاقتی مکن که نکویان نکو کنند

حقِ عطائے عشق نسازند هیچ ادا ۸ گر خلق عمر در سرِ ایں گفتگو کنند

دیگر ز آبِ دیده نظیری بخوں نشست ۹ چنداں نماند دل که غم و غصه رو کنند!

(۱) (پھر) صبح نکل آئی ہے کہ لوگ دیر و حرم کو صاف (پاک) (جھاڑو بہار رہے ہیں) کر ڈالیں۔ دیکھیں قسمت سے میرے سبو میں پھر کون سا خون ڈالتے ہیں (صبح ہوتے ہی مندر و مسجد کو لوگ صاف کرنے لگتے ہیں۔ لیکن میری قسمت میں نہیں معلوم کیا تازہ مصیبت آنے والی ہے)

(۲) ہم تو مسرت اور شکرِ خند کے قابل نہیں ہیں (ہماری قسمت میں نشاط و مسرت کہاں)، دیکھیں کہ خوشگوار شہد کس کے حلق میں ٹپکاتے ہیں (کون خوش نصیب دیدارِ معشوق یا لذائذ و حظائظ دنیوی سے شاد کام ہوتا ہے)

(۳) وہ جنہوں نے ہماری تنگ ظرفی (کے متعلق کوئی بات) سُن رکھی ہے۔ (وہ آئیں اور) ہماری آزمائش کے لئے شراب سبو میں ڈالیں (ہماری تنگ ظرفی کی داستانیں غلط ہیں۔ آزما کر دیکھ لو۔ کہ مٹکوں کے مٹکے چڑھا جائیں۔ مے بہ ساغر نہیں بلکہ مے سبو کنند کہہ کر اپنی وسعتِ ظرف کو ظاہر کیا ہے)

(۴) دامن کی آلودگی صرف رونے سے نہیں جا سکتی (رونے سے گناہ صاف ہو جاتے ہیں۔ شاعر کہتا ہے۔ کہ اگرچہ لوگوں کے گناہ گریہ سے دھل جاتے ہیں۔ مگر میرے گناہ ایسے سنگین ہیں کہ میرا دامن آبِ گریہ سے نہیں پاک ہو سکتا) اس لئے میری گدڑی کو تو شاید آگ ہی سے پاک صاف کریں۔ (جو کپڑا پانی سے پاک نہ ہو اُسے جلا دیا کرتے ہیں۔ مطلب یہ کہ مجھے شاید آتشِ دوزخ میں جلنا پڑے)

(۵) شراب و گلاب دردِ سر کو کم کریں۔ (مجھے زیادہ زحمت نہ دیں) کیونکہ آخر کب تک وہ ہماری بے دماغی کے کام میں یہی کہہ کر دکھتے رہیں گے:۔

(۶) کہاں ہے کوئی عاشق نا سزا زخم! (کیونکہ حُسن کی جلوہ گاہ میں دل کے سینکڑوں چاک نگاہ کی ایک تار سے رفو کر ڈالتے ہیں (محبوب کی ایک نگاہ عاشق کے تمام غموں کو بھلا دیتی ہے۔ جامۂ دریدہ اور زخم کو ٹانکا لگانا یا کہتے ہیں۔ گویا معشوق کی نگاہ کبھی دھاگا ہے۔ جس سے زخمِ دل سیا جا سکتا ہے ؎ دل شکستہ دران کوئے میکنند درست ٭ چنانکہ از خود نشناسی کہ از کجا بشکست

(۷) تو اپنے دل کے کام کو معشوق کے غمزے کے حوالے کر دے بے تابی (کی اظہار) نہ کر کہ جو لپکتے ہیں (محبوب) وہ اچھا ہی کریں گے (معشوق تمہارے دل سے مناسب سلوک کریں گے۔ نکویاں بعشوق

(۸) (دوسرا مصرعہ پہلے) اگر لوگ تمام عمر اسی گفتگو میں صرف کریں۔ تو پھر بھی عشق کی بخششوں کے حق میں سے کچھ بھی ادا نہیں کر سکیں گے کہ عشق انسان کو کیا کچھ بخش دیتا ہے۔ اس کی فہرست طویل ہے اور انسان اُن میں سے ایک کا حق بھی ادا نہیں کر سکتا)۔

(۹) نظیری پھر آنکھوں کے پانی (آنسوؤں) کے سبب خون میں بیٹھا ہوا (خون ہو رہا ہے) اب (میرا) دل اتنا (اس قدر) کبھی نہیں رہا۔ کہ غم و غصہ اُس کی طرف رُخ کر سکیں۔ (دل بالکل خون ہو کر بہ چکا ہے۔ غم و غصہ کہاں سما سکتے ہیں)

غزل نمبر ۷۶

بحر ہزج مثمن اخرب مکفوف محذوف الآخر — ارکان: مفعول مفاعیل مفاعیل فعولن

عیشم خوش ازآں شعلۂ افروختہ باشد ۱ نُقلِ دلِ ریشم جگرِ سوختہ باشد

از محنتِ آں ستم آنکس شود آگاہ ۲ کز تیغِ جفا چاک دلے دوختہ باشد

در عرصۂ گلزار کند نالہ زتنگی ۳ مُرغے کہ بکنجِ قفس آموختہ باشد

نیکوئی ما در رہِ بازار خریدند ۴ عیبش بمتاعیست کہ بفروختہ باشد

محتاجیِ ما باعثِ آسائشِ ما شد ۵ غارت نخورد ہر کہ نیندوختہ باشد

گرمی مفروشید کہ در مجلسِ ما نیست ۶ شمعے کہ نہ از سوزِ خود افروختہ باشد

از صدقِ نفس چند زنی لافِ نظیری ۷ مُشکست ہمہ عُرب اگر سوختہ باشد

(۱) میرا عیش تو کچھ اس بھڑکتے ہوئے شعلہ (استعارہ ہے جگر سوختہ کے لئے) ہی سے اچھا معلوم ہوتا ہے۔ میرا زخمی دل میرے جگر سوختہ کو نقل بناتا ہے (لختِ جگر سوختۂ عشق میں کھاتا ہوں)

(۲) میری خاموشی (لب بستن) کی مشقت سے وہی شخص آگاہ ہو سکتا ہے جس نے کبھی جفا کی تلوار سے چاکِ دل (کر دا کر پھر) سیا ہو (تلوار سے زخم کھانا اور پھر اس زخم کو ٹانکے لگوانا جس قدر تکلیف دہ اور درد انگیز ہے عشق کے درد کو خاموشی سے آہ کئے بغیر برداشت کرنا بھی اتنی ہی ناقابل برداشت ہے۔)

(۳) (دوسرا مصرعہ پہلے) وہ پرندہ جسے کنجِ قفس میں پڑھایا گیا ہو۔ وہ وسعتِ گلزار میں تنگی کے سبب نالہ و فریاد کرنے لگتا ہے۔ (جن حالات میں کوئی شخص پرورش پاتا ہے وہ انہیں مخصوص اور محدود حالات میں خوش رہتا ہے۔ ورنہ وہ گھبرانے لگتا ہے یہی حال عاشق کا ہے کہ وہ محبوب کے عشق کے محدود دائرہ ہی میں بند رہنا چاہتا ہے۔ اور اس سے باہر کی کائنات سے اسے وحشت ہوتی ہے۔)

(۴) ہماری نیکی اور خوبی کو تو لوگوں نے بازار میں خرید لیا۔ مگر اس کا عیب ایسا سامان نہیں ہے جو بک سکے (ہماری سی خوبیاں لوگوں نے اپنے میں پیدا کرلیں عیش۔ اس کا عیب۔ بے وفائی، یا عادت جور و ستم وغیرہ۔ ہمارے سوا اس کے عیب کا کوئی خریدار نہیں)

(۵) ہماری محتاجی ہماری آسائش کا سبب بن گئی کیونکہ جس شخص نے کچھ جمع نہ کیا ہو وہ لٹتا نہیں۔ ہمارے پاس جب کچھ نہیں ہے تو لٹنے کا خوف کیسا؟) ع

رہا کھٹکا نہ چوری کا دعا دیتا ہوں رہزن کو

(۶) (ہمارے سامنے گرمی کا اظہار نہ کرو (ہمارے سامنے اپنی گرمیٔ عشق کے متعلق دعویٰ مت کرو) کیونکہ ہماری مجلس میں کوئی ایک شمع بھی ایسی نہیں جو اپنے ہی سوز دروں سے نہ بھڑک اٹھی ہو (ہماری مجلس میں سب لوگ آتشِ عشق سے جل رہے ہیں) سہ

میں اپنی آگ میں خود جل رہا ہوں دیر سے ہمدم
نہیں کرتا طوافِ آتشِ بیگانہ برسوں سے

(۷) اے نظیری! تو اپنے کلام کے خلوص کے متعلق کب تک لاف مارتا رہے گا۔ اگر مشک جل جائے تو پھر وہ محض شرب دیسہ (ہے۔ (تیرا صدق نفس مشک سے مشابہ ہے لیکن تیری لاف زنی نے اسے بیکار کر دیا ہے۔ جیسے مشک جل جانے سے بیکار ہو کر رہ جاتا ہے۔)

غزل نمبر ۷۷

بحر مضارع مثمن اخرب مکفوف مقصور — ارکان: مفعول۔ فاع لات۔ مفاعیل فاعلان

۱ زاں خُم کہ زاہداں بقدحِ آب جو کنند — شوریدگانِ صومعہ مے در سبو کنند
۲ پابستہ جملہ مُہرِ سلیمان و جامِ جم — گر خاکِ راہِ میکدہ را شست و شو کنند
۳ در خشت و سنگِ میکدہ دیدم معائنہ — ذوقے کہ سالکاں بخیالِ آرزو کنند
۴ از خود گذشتہ دامنِ پرہیز تر نکرد — در چشمہ کہ خضر و سلیمان وضو کنند
۵ ظرفے بہم رساں کہ مبادا بسر روی — منصور را کمندِ بلا در گلو کنند
۶ خونتابہ زخم فاش کند ورنہ عاشقاں — تارِ جگر کشند و گریباں رفو کنند

با کاہلاں گذار نظیری شراب را
شاید گلے ز گلشن ایں دشت بو کنند

(۱) جس خُم سے زاہد لوگ اپنے پیالے میں آب جو ڈالتے ہیں اسی سے شوریدگانِ صومعہ (اہلِ تصوف) اپنے سبُو میں شراب انڈیل لیتے ہیں (وہی عبادت جس سے زاہدانِ خشک کوئی نتیجہ نہیں پاتے اسی سے اہلِ دل مستیٔ عرفان حاصل کر لیتے ہیں)

(۲) (دوسرا مصرعہ پہلے) اگر شراب خانے کے راستے کی گرد کو صاف کریں (میکدہ کے راستے کی جاروب کشی کریں یعنی سالکانِ کامل کی خدمت بجا لائیں) تو سب کو سلیمانؑ کی انگوٹھی اور جامِ جم مل جائے۔ دل پاک اور طبع صاف میسر ہو جائے)۔

(۳) (دوسرا مصرعہ پہلے) جس ذوق کی سالک خیال ہی خیال میں آرزو کرتے ہیں۔ (اور وہ انہیں حاصل نہیں ہوتا) میں نے ایسے اپنی آنکھوں سے (معائنہ) میکدے کے سقف اور اینٹ میں دیکھا ہے (ذوقِ معرفت جسے سالک تلاش کر رہے ہیں عرفان کے میکدے میں موجود ہے۔ میکدہ اربابِ تصوف کی اصطلاح میں اس مقام کا نام ہے جہاں مشائخ جمع ہوں)

(۴) (دوسرا مصرعہ پہلے) جس چشمے پر خضر اور سکندر وضو کرتے ہیں۔ (یعنی چشمۂ آبحیات) وہ شخص جو خودی کو ترک کر چکا ہو۔ وہ اپنے دامنِ پرہیزگاری کو اس سے تر نہیں کرتا۔ (جو ذاتِ احدیت کے عشق و معرفت میں سرشار ہے۔ وہ آبحیات سے جسمانی زندگی حاصل کرنا گناہ خیال کرتا ہے)

(۵) پہلے ظرف بہم پہنچا لے (حوصلہ پیدا کر لے) ایسا نہ ہو۔ کہ تیرا سر جاتا رہے۔ (دیکھ لے کم ظرفی کی وجہ سے) منصور کے گلے میں مصیبت کا پھندا ڈال لیتے ہیں۔ (منصور کم ظرفی سے انا الحق کہہ اٹھا۔ اور پھانسی کا پھندا اس کے گلے میں ڈال دیا گیا۔ تو ایسا تنگ ظرف نہ ہو جیو)

(۶) یہ خونِ ناب زخم کو ظاہر کر دیتا ہے۔ ورنہ ہم عاشق لوگ (کبھی زخم کو ظاہر ہونے نہیں دیتے بلکہ) جگر سے تار (دھاگا سلائی کے لئے) کھینچ کر گریبان کو رفو کر لیا کرتے ہیں۔ (عاشق ضبطِ عشق کرتے ہیں۔ مگر ان کا خون آلودہ آنسو بے اختیار ٹپک کر افشائے راز کر دیتے ہیں۔ جیسے کوئی زخمی اپنے زخم کو چھپائے ہوئے۔ مگر زخم سے مواد خون پیپ وغیرہ بہہ کر اس کے زخم کو ظاہر کر دے)

(۷) اے نظیری شراب کو کاہل لوگوں کے پاس رکھ دے۔ شاید وہ (اسی طرح) اس جنگل کے باغ کے کسی پھول کی خوشبو سونگھ لیں۔ (کاہل۔ جو عشق و معرفت کی راہ کی تلاش میں کبھی نہیں نکلتے۔ شاید شراب انہیں مستیٔ معرفت و عشق کی کسی ادنیٰ سے ادنیٰ کیفیت سے آشنا کر سکے)

غزل نمبر ۸۷

بحرِ رمل مثمن مخبون مشعث مقصور — ارکان:- فاعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلان۔

۱ شب فغاں را بدرِ خلوتِ ما بارے بود — نالہ ہر چند اگر در دلش آزارے بود

۲ شورش و عربدہ در شبِ آں زلف انداخت — بختِ من بود اگر فتنۂ بیدارے بود

۳ خویشتن را بدمِ سحر بدمے بستم — ہر سرِ موئے مرا با رخ و قد کارے بود

۴ نہ غمِ مدعیاں بود نہ آشوبِ ندیم — گلِ بیخار مگو گلشنِ بیخارے بود

۵ مصرِ ویرانِ دلم را ز بس آمد شدِ او — یوسفے بر سرِ ہر کوچہ و بازارے بود

۶ بر دلِ خستۂ من بود نگاہش ہر چند — ہر طرف جاں بکف استادہ خریدارے بود

ن اغیدے

حسن وحیرت بہم افشائے غرض میکردند ، نہ غمِ پرسش و نے زحمتِ گفتارے بود

درِ وصالش بنظیری نفسے باقی بود

^۸ دیدمش بر سرِ آں کوے عجب خوارے بود

(۱) رات فریاد وفغاں کو ہماری خلوت کے دروازے سے پرانے کی اجازت تھی (ہم خلوت میں فریاد و فغاں کرتے رہے نتیجہ یہ ہوا کہ اس کے دل میں کوئی آزار تھا تو اسے ہمارے نالوں نے دور کر دیا (اگر محبوب کے دل میں ہماری طرف سے کوئی رنج تھا تو وہ ہمارے نالے سن کر جاتا رہا)

(۲) اس کی زلف کی سیاہی (شب) میں کوئی شورش اور لڑائی نہ تھی۔ بلکہ اگر کوئی فتنہ بیدار تھا تو وہ میرا اپنا ہی بخت تھا (میری محرومی و بدنصیبی کی وجہ اس کی زلفیں نہیں۔ بلکہ اپنا بختِ نارسا۔ بخت کو فتنۂ بیدار کہا ہے بخت خفتہ کو بیدار کہنا نہایت نفیس استعارہ ہے)

(۳) میں اپنے آپ کو جادو کے دم سے اس معشوق سے باندھ رہا تھا۔ اور میرے ایک ایک بال کو اس کے رخسار اور قد کے ساتھ ایک خاص تعلق تھا (میرے بال بال میں اس کے رخسار و قامت کا عشق سرایت کئے ہوئے ہے۔ گویا میں جادو کے زور سے اس کے ساتھ بندھا ہوا ہوں)

(۴) عشق اختیار کرنے سے پہلے، نہ مجھے رقیبوں (رقیب جھوٹے دعوے داران عشق) کا غم تھا اور نہ ندیم کی پریشانی صرف بغیر کانٹوں کا باغ۔ پھول مت کہو بلکہ پودا کہو کیونکہ کانٹوں کا ایک باغ تھا (انسان عشق ورزی سے یا تخلیق آدم سے پہلے بالکل مزے میں تھا۔ کسی قسم کی پریشانی اور غم نہ رکھتا تھا۔ یہ حالت ایسی تھی جیسے ایک باغ ہو جس میں کانٹوں کا نام تک نہ ہو حالانکہ ایک پھول بھی بغیر کانٹے کے نہیں ہوتا)

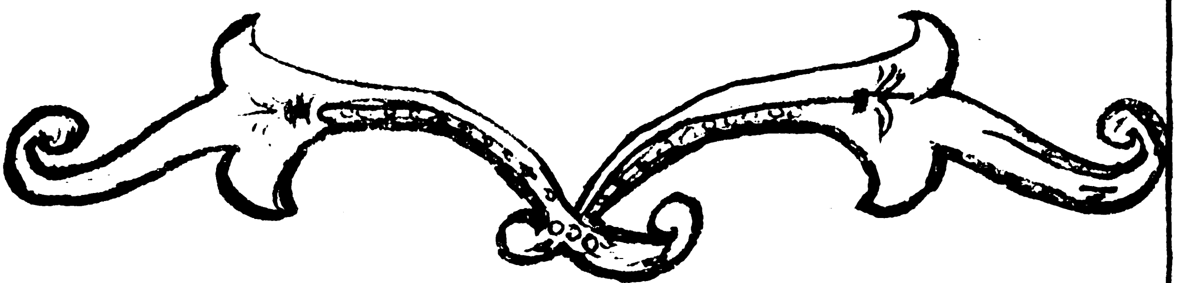
(۵) میرے دل کے دیرانے شہر میں اس کی گشت آمد و رفت کے سبب ہر کوچہ و بازار کے سر پر ایک یوسف موجود تھا۔ (خیال محبوب کے دل میں آنے کو اس کی آمد و رفت قرار دیا ہے۔ اور چونکہ وہ ہر وقت اور ہر آن عاشق کے دل میں آتا ہے۔ اس لئے یہ اس کی کثرت آمد و شد ہوئی۔ دل کو شہر قرار دیا ہے۔ جسے عشق نے برباد کر رکھا ہے۔ کہ معشوق کے سوا کسی کا وہاں گزر ہی نہیں ہوتا مگر کثرت تصور سے محبوب دل کے گوشے گوشے میں سرایت کر چکا ہے۔ اس لئے گویا دل کے ہر گلی کوچے کے موڑ پر ایک ایک یوسف موجود ہے)

(۶) اگرچہ سر حرف کوئی نہ کوئی خریدار جان کو ہتھیلی پر رکھے کھڑا تھا۔ (معشوق کو جان دے کر خریدنے کو تیار تھے یعنی جان تک اس پر نثار کرنے کو کھڑے تھے) مگر اس کی نگاہیں میرے خستہ دل پر (ہی جمی ہوئی) تھیں۔ (وہ میرے دل کے ٹکڑوں کو تکنا چاہتا تھا میرا ٹوٹا ہوا دل سب سے بڑھ کر تھا)

(۷) (معشوق کا حسن، اور عاشق کی حیرت آپس میں اپنی اپنی غرض کا اظہار کر رہے تھے۔ مگر اس طرح کہ نہ حسن کی باز پرس کا غم تھا اور نہ (حیرت کو) بولنے کی تکلیف۔ (معشوق کے رعب حسن کے سامنے ہمہ تن حیرت بنا کھڑا ہے زبان سے دونوں میں سے کوئی بھی کچھ نہیں کہتا۔ مگر آنکھوں ہی آنکھوں سب کچھ کہہ دیتے ہیں۔ کسی کا کیسا اچھا شعر ہے :-

من از حیرت تو از تمکیں نہ آیا ئے نہ تقریرے — چناں ماندہ کہ ہم زانو است تصویرے بتصویرے)

(۸) (اس محبوب کے وصال میں نظیری کا صرف ایک سانس باقی تھا (امید وصال میں آخری سانس لے رہا تھا) میں نے اسے دیکھا۔ کہ وہ اس کوچے میں عجب ذلت کی حالت میں تھا۔ (پہلے مصرعے کا دوسرا نسخہ درایں بر لاف کہ در قرب نظیری میزد لگے زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔ یعنی باوجودیکہ نظیری قرب یار کی بڑی لافیں مارا کرتا تھا۔ مگر درحقیقت اس کوچے میں اس کی کوئی قدر نہ تھی۔ بلکہ بیحد خوار تھا)



غزل نمبر ۷۰

بحر رمل مثمن محذوف — ارکان:- فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلن

۱ میروم جائیکہ غم آنجا ز دلہا میرود — نالہ از ہر جا کہ مے خیزد بآنجا میرود
۲ وقت جاں دادن بدنبالِ اجل بینم چنانکہ — گوئیا صد یوسف از پیشِ زلیخا میرود
۳ تحفۂ رضواں اگر بر کف ندارم دور نیست — تا بمرگ از اقلیم ایماں بہ یغما میرود
۴ شاید از دُردی بجنّا جاں فروشد میفروش — ہر کہ را یک درہم است آنجا بسودا میرود
۵ من نخواہم رفت اما بہر تسکین دلش — ہر کجا بینید گوئیدش کہ فردا میرود
۶ بر من اندوہِ ہجوم آوردہ از ہجرانِ او — گز درش تا میروم دل در تہِ پا میرود
۷ میروم نوعے زکوئے او کہ پنداری بخشم — صد قسم پیش و پس از بہرِ تقاضا میرود
۸ گر ز لوحِ چہرۂ لیلیٰ ہمی آرد سبق — خاطرِ شوریدۂ مجنوں بصحرا میرود ن نے
۹ شہر و صحرا را نظیری سوخت از آہِ وداع
میرود نوعیکہ پنداری ز دنیا میرود

(۱) میں ایسی جگہ جا رہا ہوں جہاں دلوں سے غم نکل جایا کرتا ہے (اور وہ وہ جگہ ہے کہ) نالہ خواہ کہیں سے اٹھے وہیں پہنچتا ہے (کوچۂ محبوب میں جا رہا ہوں کہ بیشمار عشاق اس کے عشق میں آہ و فغاں کرتے ہیں۔ اور وہ ان نالوں کو سنتا ہے)

(۲) جان دینے کے وقت میں موت کے پیچھے اس طرح دیکھتا ہوں گویا زلیخا کے سامنے سے سینکڑوں یوسف جا رہے ہیں (جان نہایت ہی عزیز ہے معشوق سے بڑھ کر پیاری ہے۔ ایک جان ایسی ہے گویا زلیخا سے سو یوسف جدا ہو رہے ہوں)

(۳) اگر میرے ہاتھ میں رضواں (داروغۂ بہشت) کا تحفہ (نور ایمان) نہیں ہے۔ تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں۔ کیونکہ بچپن سے لے کر موت تک میرا ایمان غارت ہوتا رہا ہے ۔

عمر ساری تو کٹی عشق بتاں میں مومن — آخری وقت میں کیا خاک مسلماں ہونگے

(۴) (اس امید پر کہ) شاید شراب فروش تلچھٹ ہیں سے کچھ حصہ محتاجوں کے پاس بیچ دے۔ جس کسی کے پاس ایک درہم بھی موجود ہے وہ خریدنے کے لئے وہاں (مے فروش کے ہاں) پہنچ جاتا ہے۔ (ہر شخص اپنی بساط کے موافق معرفت کا طالب ہے۔ آگے قسمت سے کسی کو شراب صاف اور کسی کو دردِل جاتی ہے)

(۵) میں (اس کا دروازہ چھوڑ کر) نہیں جاؤں گا۔ مگر اس کے دل کے اطمینان کیلئے جہاں کہیں اسے دیکھو۔ کہہ دو۔ کہ وہ (نظیری) کل چلا جائیگا (معشوق تقاضا کرتا ہے۔ کہ میں چلا جاؤں۔ گو میں جانے کا نہیں لیکن ایسا نہ ہو۔ کہ وہ عدم تعمیل حکم کی بنا پر برافروختہ ہو جائے اس لئے جہاں کہیں محبوب ملے اسے یہ کہہ کر کل چلا جائے گا ٹھنڈا کر دیا کرو۔)

(۶) اس کے فراق میں مجھ پر غم و اندوہ اس قدر ہجوم کر آئے ہیں کہ جب میں اس کے دروازے سے جاتا ہوں۔ تو دل پاؤں کے نیچے مسلا جاتا ہے۔ (ہجوم غم و الم میں دل مسلا جاتا ہے)

(۷) میں اس کے کوچے سے اس طرح نکلتا ہوں کہ گویا سینکڑوں آدمی بہرے آگے پیچھے غصہ سے تقاضا کرتے جارہے ہیں (نہایت مجبوری کی حالت میں نکلتا ہوں۔ گویا سینکڑوں آدمی غیظ و غضب کی حالت میں مجھے وہاں سے نکلنے پر مجبور کر رہے ہوں)

(۸) اگر مجنوں کا شوریدۂ عشق دل لیلےٰ کے چہرے سے سبق پڑھتا ہے تو اس کا نتیجہ یہ بھی تو ہوتا ہے کہ) وہ صحرا کی طرف نکل جاتا ہے (وحشتِ عشق میں دیوانہ ہو کر آبادی کو چھوڑ کر جنگل کو چلا جاتا ہے۔ یہی آرد کی جگہ نہی آرد ہو تو مطلب یہ ہوگا کہ مجنوں کا شوریدہ دل جب رخِ لیلےٰ کو دیکھتا ہے۔ اس کے دیدار اور محبت میں محو رہتا ہے اگر وہ سبقِ عشق کو ترک کر دے تو دیوانہ ہو کر جنگل کو نکل جائے

(۹) نظیری نے محبوب سے رخصت ہونے کے وقت کی آہ سے شہر اور آبادی کو جلا ڈالا۔ (محبوب سے جدا ہوتے وقت نہایت دردناک آہ کھینچی ہوہ تو اس طرح رخصت ہو رہا ہے۔ گویا دنیا ہی سے جا رہا ہے۔ (محبوب سے جدائی اس پر ایسی شاق گزر رہی ہے جیسے گویا اس کی جان جا رہی ہے)

غزل نمبر ۸۰

بحر مجتث مثمن مخبون محذوف — ارکان :- مفاعلن فعلاتن مفاعلن فعلن

بکُش بسوز کہ نامِ اماں نخواہم بُرد ۱ دعا بدردِ سرِ آسماں نخواہم بُرد

مکن ملاحظہ از کشتنم کہ روزِ جزا ۲ ز رشک نامِ ترا بر زباں نخواہم برد

ز دل طپیدن آغازِ عشق میگفتم ۳ کزیں معاملہ غیر از زیاں نخواہم برد

ز اضطرابِ دلم روزِ وصل معلوم ست ۴ کہ از بلائے شبِ ہجر جاں نخواہم برد

بس ست چند کنی از فراق بے رحمی ۵ دگر بخویش تحمل گماں نخواہم برد

اگر ز دامنِ یوسف کنند بالینم ۶ سرے کہ وقفِ تو شد زآستاں نخواہم برد

بایں ملال کہ من میرم دم بسوئے چمن ۷ چہ جائے غنچہ کہ برگِ خزاں نخواہم برد

نظیریا ایں چہ بلندی و تیز پروازیست
۸ ز شوق رہ بسوئے آشیاں نخواہم برد

(۱) (چنانچہ) مجھے مار ڈال اور (بے ترس) جلا دے میں اماں کا نام بھی نہ لوں گا۔ اور آسمان کے دردِ سر کے لئے دعا نہیں کروں گا (فریاد و فغاں کو آسمان پر پہنچا کر اُسے زحمت نہ دوں گا۔ کہ میرے آزارِ عشق میں کمی ہو یعنی عشق میں انتہائی آلام و مصائب برداشت کرنے کو تیار ہوں)

(۲) مجھے قتل کرنے میں تامل نہ کر۔ کہ حشر کے دن رشک کے سبب میں تیرا نام بھی زبان پر نہیں لاؤں گا۔ (روزِ جزا کی پرسش سے گھبرا کر میرے کرنے میں تامل نہ ہو۔ کہیں شکایت آوری ایک طرف رشک سے تیرا نام تک نہ لوں گا۔ امیر خسرو کہتے ہیں) ؎

چو ور ز حشر پرسند کہ خسرو را چرا کشتی — چہ خواہی گفت قربانت شوم تا من ہماں گویم

اپنی گلی میں دفن نہ کر مجھ کو بعد قتل — میرے پتے سے خلق کو کیوں تیرا گھر ملے

(۳) آغازِ عشق ہی کی دل کی تڑپ کو دیکھ کر میں کہا کرتا تھا۔ کہ اس معاملہ سے میں نقصان کے سوا کچھ حاصل نہ کروں گا (عشق کا آغاز ہی جب دل کی جلن بے قراری وغیرہ سے ہے تو انجام کا اندازہ اُسی سے ہو سکتا ہے)

(۴) میری روزِ وصل کی بے قراری اور بے چینی سے صاف ظاہر ہے۔ کہ میں شبِ ہجر کی مصیبت سے جان سلامت نہ لے جا سکوں گا۔ (جب میں وصل میں بیتابی کا یہ عالم ہے۔ تو ہجر میں کیسے زندہ بچ سکوں گا)

(۵)۔ اے فراق! بہت ہو چکی۔ کب تک بے رحمی کیے جائے گا۔ (میں کان پکڑتا ہوں کہ) میں پھر کبھی اپنے متعلق تحمل کا گمان نہیں کروں گا۔ میرا خیال تھا کہ میں عشق میں ہر قسم کی مصیبتوں کو مردانہ وار برداشت کر لوں گا مگر ہجر محبوب کے عذاب نے میرے اس زعم کو باطل کر دیا ہے۔ اور میں اُس کی برداشت کی تاب نہیں لا سکتا)

(۶) خواہ یوسف کے دامن کو میرا ٓنکھیں بنا دیں مگر جو سر تیرے لیے وقف ہو چکا ہے۔ اُسے تیرے آستانے سے نہیں اُٹھاؤں گا۔ (میں سر کو تیرے آستانِ محبت پر رکھ چکا ہوں۔ وہ اب کسی دوسرے کے سامنے نہیں جھک سکتا

اٹھی آتی ہے یہ عاشق سے اُس کی نقشِ کفِ پا کی — ہماری ویدہ کو خواب زلیخا عار بستر ہے)

(۷) جس رنج و ملال کی حالت میں چمن کی طرف جا رہا ہوں۔ اُس میں غنچہ کا تو کیا ذکر ہے خزاں کے موسم کے پتے تک بھی نہ پا سکوں گا۔ (مسرت و انبساط کو بہار چمن اور گل سے اور رنج و غم کو خزاں سے استعارہ کیا کرتے ہیں۔ شاعر کہتا ہے میں بیحد ملول ہوں۔ اس حال میں اگر باغ جاؤں تو باغ کو خزاں لے موسم سے بھی ابتر حالت میں پاؤں گا۔ رنجیدہ و غمگین انسان کو سامان شادی بھی ناگوار گزرتا ہے)

(۸) اے نظیری! میں کس قدر بلندی اور نیز پروازی ہے۔ اِس شوق بلند پروازی سے میں آشیاں کا راستہ نہ پا سکوں گا۔ (مضامین کی تلاش میں بہت بلند اُڑ رہا ہوں مگر خطرہ یہ ہے۔ کہ اتنے بلند مضامین کو ادا کیسے کر سکوں گا۔ یہ نظیری کا خاص مضمون ہے کہ باوجود فلک پروازی کے رسمیاتِ شعر کی پابندی قائم رہے۔ مولانا عبدالرحمٰن صاحب مراۃ الشعر نے اس مسئلہ پر نہایت تفصیل سے بحث کی ہے۔ اور اس شعر کو اپنے دلائل کی آخری کڑی قرار دیا ہے بیت۔ بزم خاص است ہر و نکتہ بدستور بیار — معنی دور طلب کن سخنِ دور بیار

غزل نمبر ۱۸

بحر رمل مثمن محذوف — ارکان:- فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلن

حسن چندے سر بدل شوخی و خود رائی دہد ۲ — شہ چو گیرد مملکت اول بیغمائی دہد
دیدۂ عاشق نیابد ذوق از دیدارِ دوست ۳ — گر نہ اول ترکِ دید نہائے ہرجائی دہد
لذتِ دشنامش از من پرس آبِ تلخ و شور ۴ — ذوقِ کوثر در مذاقِ مردِ صحرائی دہد
گر دوا زجان دادنم معلوم شوقِ روئے دوست ۵ — زاں نمے میرم کہ ترسم مرگ رسوائی دہد
دریا با نہائے گنجد اگر طغیانِ شوق ۶ — بند بکشاید چو سیلم سر بشیدائی دہد
گریۂ ما تلخ و طبعِ ملیح باں رنجش پذیر ۷ — صوتِ مطرب با دلش بگزار گیرائی دہد
شکوہ کمتر کن نظیری گر کسے یاری نکرد
۸ رختِ ما سوز د چہ نقصانِ تماشائی دہد

(۱) حسن کچھ عرصے تک رعنائی اور دل شوخی کو کھلی اجازت دے دیتا ہے۔ (سر دادن۔ کھلا چھوڑ دینا۔ اجازت دے دینا) کہ بادشاہ جب کسی ملک پر قبضہ کرتا ہے۔ تو پہلے لُٹنے کے لئے (لوٹنے والوں کو) دے دیتا ہے۔ (ابتدا میں معشوق شوخی و رعنائی سے زیادہ کام لیتا ہے گویا حسن بادشاہ ہے۔ اور شوخی و رعنائی اُس کی فوج کے ساتھ لٹیرے ہیں)

(۲) (دوسرا شعر پہلے) اگر عاشق کی آنکھ پہلے ہرجائی نظر بازی کو ترک نہ کر دے۔ تو وہ دیدارِ دوست سے کوئی ذوق نہیں پا سکتی (عشق کا لطف جبھی حاصل ہوگا۔ کہ عاشق ہر حسین صورت کو دیکھنا چھوڑ دے اور صرف حسنِ محبوب پر ہی قناعت کر لے)

(۳) اُس کی گالیوں کا مزہ مجھ سے پوچھ۔ کہ صحرائی آدمی کو تلخ اور کڑوا پانی کوثر کا سا لطف دیتا ہے (صحرائی لوگ پانی نہ ملنے کی وجہ سے شور اور تلخ پانی کو بھی غنیمت جانتے ہیں۔ اسی طرح مجھے معشوق کی گالیاں لذت دیتی ہیں۔)

کتنے شیریں ہیں تیرے لب کہ رقیب — گالیاں کھا کے بے مزہ نہ ہوا

(۴) میرے جان دینے سے مرے دوست سے میرا عشق تو ظاہر ہو جائیگا۔ مگر میں اس لئے نہیں مرتا۔ کہ مجھے خوف ہے۔ کہ میری موت (اُس کی) رسوائی کا باعث ہوگی۔ (اُس کے عشق میں جان دینے میں مجھے تامل نہیں۔ میں جان دے دوں۔ تو بیشک یہ تو معلوم ہو جائیگا کہ میں اُس کے عشق میں صادق ہوں۔ مگر مصیبت یہ ہے۔ کہ اس سے وہ رسوا ہو جائیگا۔ ایک تو اپنی سنگدلی کی وجہ سے دوسرے افشائے راز عشق کی وجہ سے)

(۵) اگر عشق کی طغیانی سیلاب کی طرح میرے بند کھول دے۔ اور مجھے عشق ورزی کے لئے کھلا چھوڑ دے۔ تو میں (اس قدر پھیل جاؤں کہ) بیابانوں میں بھی سماؤں۔ (عشق پھیلنے پہ آئے۔ تو زمین و آسمان کی وسعتیں اُس کے لئے تنگ ہیں)

(۶) ہمارا گریہ تلخ ہے اور میزبان (محبوب) کی طبیعت تلخیٔ گریہ سے، ناراض ہو جانے والی ہے! اس لئے اس کے دل کے پاس تو مطرب کی آواز (نغمہ) کو رہنے دو۔ کہ وہ اُسے سکون دے۔ (ہمارا گریہ تلخ نہیں بلکہ مطرب کی صدائے نغمہ محبوب کی طبیعت کی رنجش پذیری کو حائل بہ سکون کر سکتی ہے)

(۷) اے نظیری! اگر کسی نے (نظیری) مدد نہیں کی۔ تو گلہ نہ کر۔ کیونکہ اگر ہمارا اسامان جل رہا ہے۔ تو اس سے تماشائیوں کا کیا نقصان ہے۔ (اگر سوزِ عشق میں تمہاری کسی نے دستگیری نہیں کی۔ تو شکوہ فضول ہے کیونکہ جس کا نقصان ہوتا ہے۔ یا جس کو تکلیف پہنچتی ہے اُسی کو احساس ہوتا ہے۔ دیکھنے والے تو صرف تماشائی ہوتے ہیں۔)

غزل نمبر ۸۲

بحر ہزج مثمن اخرب مکفوف — ارکان مفعول مفاعیل مفاعیل فعولان

۱ گل آمد و لعلم ز دلِ سنگ بر آورد — اشکم ز تماشائے چمن رنگ بر آورد

۲ میخواست ز مرغانِ چمن شور بر آید — یک نغمۂ مغنی بصد آہنگ بر آورد

۳ عشق آمد و در شہرِ خود آئینِ خرد دید — تا شہر بتاراج رود جنگ بر آورد

۴ مطرب ز برم خرقۂ سالوس بدر کرد — گردِ ہمہ شہرم بدف و چنگ بر آورد

۵ شب نیست کہ از شادیِ بسیار نگریم — غم خوردنِ کم حوصلہ را ننگ بر آورد

۶ یکبار ز عیب و ہنرِ خویش ندیدم — در جیب و بغل آئینہ ام زنگ بر آورد

۷ در راہِ وفائے تو نہ طولیست نہ عرضے — شوخیِ تو فرسنگ بفرسنگ بر آورد

۸ ایں خوں شدہ دل بسکہ خراب است نظیری — در پیشِ تو نتوانمش از ننگ بر آورد

(۱) وہ پھول (جیسا محبوب) آیا۔ اور میرے پتھر کے (سے سخت) دل سے لعل (سرخ آنسو) نکال لایا۔ (میں حسینوں کو دیکھتا تھا اور اپنے دل کو متاثر نہ ہونے دیتا تھا گویا میرا دل پتھر تھا۔ کہ حسن سے اثر پذیر نہ ہوتا۔ مگر جس کو اب دل دیا ہے اس کی صورت دیکھتے ہی بے قابو ہو گیا اور آنکھوں میں آنسو آ گئے) اور تماشائے چمن سے (یعنی دیدار محبوب سے جو چمن زار حسن ہے) میرے آنسوؤں نے رنگینی حاصل کر لی (آنسو خون آلود ہونے کے سبب سرخ پھولوں سے مشابہ ہیں)

(۲) مطرب یہ چاہتا تھا۔ کہ مرغانِ چمن میں اس کے نغمہ کو سن کر شور و دیوانگی پیدا ہو جائے۔ اس لئے وہ ایک ایک نغمہ کو کئی کئی

پہلوؤں سے گانے لگا۔

(۳) عشق آیا اور اس نے اپنے شہر دل میں عقل کے طور طریقے اور رسم و رواج دیکھے۔ اس نے لڑائی شروع کر دی۔ تا کہ شہر کو ویران کر دے۔ دل عقل کا مالک تھا۔ مگر عشق اور عقل ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے۔ عشق نے آتے ہی دل کے آئین خرد و ہوشمندی کو زیر و زبر کر ڈالا۔ در شہر خود میں لطف یہ ہے کہ گویا دل درحقیقت عشق کی ملکیت ہے۔ اگر عقل و خرد بھی اس پر کبھی قابض ہو جائیں تو ان کا قبضہ عارضی اور غاصبانہ ہے۔ دیکھئے اقبال کی مشہور نظم رومی کے متعلق جو اس شعر سے شروع ہوتی ہے ؎

بے کشودم نشیبے بہ ناخن فکر عقدہ ہائے حکیم الیانی	آنکہ بیش خیال او گیتی خجل آمد تنگ دامانی
اور یوں ختم ہوتی ہے: ـ سر خرد راہ عشق سے پوئی	بچراغ آفتاب سے جوئی)

(۴) مطرب نے میرے تن پر سے مکر و ریا کا لباس اتار ڈالا۔ اور دف اور چنگ کے ساتھ مجھے تمام شہر کے گرد گھمایا۔ (عشق و معرفت میں ریاکاری نہیں رہتی۔ بدف و چنگ برآورد۔ اعلان کر دیا گیا۔ کہ اس نے خرقۂ سالوس اتار پھینکا ہے۔ یا یہ کہ خرقۂ سالوس کے سبب مجھے ذلیل کرنے کے لئے تمام شہر کے گرد پھرایا۔ کہ لوگ ایسے خرقہ پوشوں سے اجتناب کریں)

(۵) کوئی رات ایسی نہیں گزرتی جس میں کسی ایک خوشی کے سبب سے بکثرت نہیں روتا۔ رشادی۔ کوئی ایک خوشی یا کے جدت یا تنکیر۔ شادی بسیار۔ مرکب توصیفی بھی ہو سکتا ہے۔ وفورِ مسرت۔ وفورِ مسرت سے بھی آنکھوں میں آنسو آجایا کرتے ہیں کم حوصلہ کے لئے غم برداشت کرنا باعث ننگ ہے)۔

(۶) میں نے کبھی اپنے عیب و ہنر پر غور نہ کیا۔ گویا میرے آئینہ عقل کو جیب و بغل میں پڑے پڑے زنگ لگ گیا ہے (میں نے کبھی محاسبۂ نفس نہیں کیا۔ نتیجہ یہ ہے کہ اب مجھے عیب و ہنر میں فرق نہیں نظر آتا گویا میری قوت تمیز بیکار ہو گئی ہے جس طرح آئینہ کو اگر بیکار پڑا رہنے دیا جائے تو کچھ عرصے کے بعد وہ زنگ آلود ہو جائیگا)۔

(۷) تیری وفا کے راستے کا نہ طول ہے نہ عرض (معشوق کے ساتھ عاشق کی وفاداری کسی خاص منزل پر پہنچ کر ختم نہیں ہو جاتی بلکہ یہ منزل غیر مختتم ہے مگر اس خیال سے کہ عاشق گھبرا نہ جائے، تیری شوخی اسے ایک ایک فرسنگ کرکے لئے جاتی ہے (ایک منزل طے کر چکنے پر تیری شوخی کہتی ہے کہ راہ وفا میں ایک فرسنگ اور ہے جب عاشق وہ بھی طے کر لیتا ہے تو پھر وہ ایک فرسنگ باقی بتایا جاتا ہے۔ علیٰ ہذا القیاس)

(۸) اے نظیری! یہ غم شدہ دل چونکہ ویران اور برباد ہو رہا ہے اس لئے میں اسے شرم کی وجہ سے تیرے سامنے پیش نہیں کر سکتا (میرا دلِ برباد تیرے لائق نہیں ہے)

غزل نمبر ۸۳

بحر رمل مثمن مخبون مسکن — ارکان: ـ فاعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلن

نالہ را نیست اثر گر نہ شکایت دارد ۱ ورنہ با گرمیِ دعائیم و سرایت دارد

مردہ را زندہ نماید دمِ بابو العجباں ۲ آتش از گرمیِ ما چشمِ حمایت دارد

ذوقِ ہر مرغ باندازۂ پروازِ خود است ۳ عشقبازی نبود ہر چہ نہایت دارد

عملِ صالح و طالح بجوے نستانند ۴ ہر کجا کار تعلق بعنایت دارد

کس چہ داند ہمہ مایہ بنا بود رود ۵ جنسِ نایاب خریدم کہ کفایت دارد

دفترِ نالۂ ما را نگشایند ز ہم ۶ مُہر در دست برو تا چہ حکایت دارد — ن نامۂ

کفر و ایماں نبود شرط نظیری در عشق ۷
بتو کافر ہمہ کیم کہ ولایت دارد

(۱) نالہ اس لئے بے اثر ہے کہ وہ تیرا شکوہ رکھتا ہے ورنہ ہم مصروف دعا ہیں اور وہ تاثیر رکھتی ہے۔ نالہ کی نارسائی کی وجہ معشوق کا تغافل نہیں بلکہ اس میں محبوب کا شکوہ شامل ہے۔ اس لئے غیر مؤثر ہے۔

(۲) ہم ایسے بوالعجب ہیں کہ ہمارا سانس مردے کو زندہ کر دیتا ہے اور آگ ہماری گرمیٔ عشق سے حمایت کی امید رکھتی ہے اور عشق تو مردوں کو زندہ کر دیتا ہے۔ اور اس کی تیزی آگ کی حدت سے کہیں بڑھ کر ہے۔ چشم حمایت دارد۔ حمایت کی امید ہمیشہ اپنے سے زیادہ طاقتور سے رکھا کرتے ہیں۔ اس گرمیٔ حیات کے باوجود ہم اپنے محبوب پر مؤثر نہیں ہیں غالب

وہ نالہ دل میں خس کے برابر جگہ نہ پائے — جس نالہ سے شگاف پڑے آفتاب میں

وہ سحر مدعا طلبی میں نہ کام آئے — جس سحر سے سفینہ رواں ہو سراب میں

(۳) ہر پرندے کا ذوق اس کی پرواز کے مطابق ہے۔ جتنا کوئی مرغ بلند پرواز ہے اسی قدر بلند ذوق ہے۔ وہ عشقبازی ہی نہیں جس کی کوئی حد انتہا ہو۔ پرواز عشق کہیں ختم نہیں ہوتی۔

(۴) دوسرا مصرعہ پہلے۔ جہاں کام مہربانی سے تعلق رکھتا ہے وہاں نیک اور بد عمل کو ایک جو کے بدلے بھی نہیں لیتے۔ ہماری کاربرآری خدا کی درگاہ میں اس کی عنایت پر موقوف ہے۔ عمل مدار نجات و فلاح نہیں کہ ہمارے نیک و بد اعمال پر جو کے برابر ہوں۔

(۵) کسی کو کیا معلوم کہ وہ جنس تمام اصل سرمایہ کو بھی لے ڈوبے گی۔ ابہم مایہ نابود درود۔ بلفظی معنی تمام سرمائے کے ساتھ نابود ہو جائیگی۔ میں نے تو اپنے خیال کے مطابق ایک نایاب جنس (عشق) خریدی تھی کہ منفعت ہوگی اگر عشق مجھے بھی ساتھ لے ڈوبا ہے۔ تو اس میں میرا قصور نہیں۔ میں نے مفید کاروبار سمجھ کر اپنی دولت دل اس میں لگا دی تھی۔ جیسا کہ ایک کاروباری آدمی کیا کرتا ہے۔

(۶) ہمارے نالوں کے دفتر کو وہ کھولتے نہیں (راز ہمہ کشادن = پھاڑ کر الگ الگ کر دینا) کیونکہ اس پر درد کی مہر لگی ہوئی ہے معلوم نہیں اس میں کیا حکایت درج ہے۔ (اتنا انتظار کے نسخوں میں دیکھیں تو۔ نالہ کی جگہ نامہ ہے۔ تو مضمون اور بھی صاف ہو جاتا ہے)

(۷) اے نظیری! عشق میں کفر و ایمان کی کوئی شرط نہیں۔ میں تجھے وہ کافر دکھاؤں۔ جو ولایت کا درجہ رکھتا ہے۔ یا میں جو ولایت کا درجہ رکھتا ہوں۔ تجھے کافر دکھائی دیتا ہوں۔ (دوسرے ترجمہ کو دارد کا صیغہ غائب مانع معلوم ہوتا ہے۔ مگر اس قسم کی مثالیں اساتذہ کے کلام میں تلاش سے دستیاب ہو سکتی ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ معرفت و عشق مذاہب و فرقہ بندی کی قیود سے آزاد ہے۔ ۵ ہیچ اکسیر بتاثیر محبت نرسد — کفر آوردم و در عشق تو ایماں کردم)

غزل نمبر ۴۸

بحر رمل مثمن مخبون مقصور — ارکان:۔ فاعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلان

۱ باعث راندنم از بزم بجز عار نبود — ورنہ کس را من و بودن من کار نبود

۲ تا شدم از تو جدا تفرقہ پامالم کرد — دولت آں بود کہ ایں فرقت دیدار نبود

۳ ہمہ آساں ز جدائیِ تو مشکل گردید — ہیچ دشوار بدیدارِ تو دشوار نبود

۴ ببدی در ہمہ جا نام برآرم کہ مباد — خونِ من ریزی و گویند سزاوار نبود

۵ نالہ از بہرِ رہائی نکند مرغِ اسیر — خورد افسوسِ زمانے کہ گرفتار نبود

۶ عشقم از سود و زیانِ دو جہاں فارغ کرد — از چہ کارم ہمہ عمر ہمیں کار نبود؟

۷ خوش دلے کرد نظیری برش استمالی — صد سخن گفت کہ شایستۂ اظہار نبود

(۱) معشوق کے مجھے اپنی محفل سے نکال دینے کا سبب عار کے سوا کچھ نہ تھا۔ (اُسے عار آتی تھی۔ کہ مجھ جیسے حقیر شخص کو بھی اس کی محفل میں بار حاصل ہے) ورنہ کسی کو مجھ سے اور میرے وہاں ہونے سے کوئی سروکار نہ تھا۔

کچھ مری بیخودی سے تمہارا زیاں نہیں　　تم جانتا کہ بزم میں اک خستہ جان تھا

(۲) جب سے میں تجھ سے جدا ہوا ہوں۔ اس جدائی نے مجھے پامال کر رکھا ہے۔ اصل خوش بختی (دولت) یہی تھی جب کہ یہ فرقت دیدار نہ تھی۔ (تیرا دیدار ہی سب سے بڑھ کر خوش قسمتی ہے)

(۳) تیری جدائی میں تمام آسانیاں مشکلات میں تبدیل ہو گئیں اور تیرے دیدار کے ہوتے ہوئے کوئی دشواری دشواری نہ رہی۔

(۴) میں ہر جگہ بدی میں نام پیدا کرتا ہوں، برائیاں کرتا ہوں کہ بدنام ہو جاؤں تاکہ ایسا نہ ہو کہ تو میرا خون گرائے اور لوگ کہیں کہ یہ مناسب نہیں تھا اور تجھے ظالم و خطا کار قرار نہ دیں۔ اسی کے قریب قریب مضمون ہے۔ نظیری کے اس شعر کا۔

تا منفعل ز رنجش بے جا نہ بینمش　　مے آرم اعتراف گناہِ نبودہ را

(۵) قیدی پرندہ رہائی کے لئے فریاد نہیں کر رہا بلکہ (اس کی فریاد نتیجہ ہے اس کا کہ) وہ اس وقت کے متعلق غمزدہ ہے جب وہ گرفتار نہیں تھا۔ قیدی پرندہ جو فریاد کرتا ہے۔ گویا اس بات کے افسوس میں ہے کہ گرفتاری سے پہلے کا زمانہ رائیگاں چلا گیا۔ مطلب یہ ہے عشق میں مبتلا ہو کر عاشق کو محسوس ہونے لگتا ہے کہ اس کی پہلی زندگی بیکار اور برباد چلی گئی۔ کاش وہ پہلے سے اس میں مبتلا ہوتا۔)

(۶) عشق نے مجھے دونوں جہان کے سود و زیاں سے فارغ کر دیا ہے۔ (اے کاش میری اس سے پہلی تمام عمر بھی مجھے یہی کام رہتا (عشق میں نفع نقصان کی پرواہ نہیں رہی۔ از چہ کار سے لفظی معنیٰ از چہ کار کس وجہ سے تمام عمر مجھے یہی کام نہ رہا مضمون وہی ہے جو شعر سابق کا ہے)

(۷) نظیری نے آج رات اس معشوق کے پاس اپنے دل کو خوب خالی کر لیا کیونکہ اس نے سینکڑوں ایسی باتیں بھی کہہ دیں۔ جو اظہار کے لائق نہ تھیں (شکوہ و شکایت کے دفتر کھول کر دل ہلکا کر لیا۔ خوش یعنی خوب۔ دل خالی کردن۔ دل کا بوجھ اتار لینا۔ دل کو ہلکا کر لینا۔ یہ واقعہ واردات عشق میں بہت نادر ہے۔ حالی کہتا ہے ؎

رات ان کو بات بات میں سو سو دیئے جواب　　مجھ کو خود اپنی ذات پر ایسا گماں نہ تھا)

غزل نمبر ۸۵

بحر ہزج مثمن سالم　　ارکان: مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن

آتش

محبت با دلِ غم دیدہ الفت بیشتر گیرد　　۱　　چراغے را کہ دودے هست در سر زود در گیرد
پس از دار شکیبها بیشتر گشتم گرفتارش　　۲　　چو صیدے کہ جست صیادش زاول سخت تر گیرد
محبت بیشتر قایم شود چوں بشکند پیماں　　۳　　شکوفہ اول افشاند درخت آنگہ ثمر گیرد
اگر بادے وزد مشتاق را شور دماغ آرد　　۴　　دگر بوئے رسد مخمور را مستی ز سر گیرد
مشو از حالِ من غافل کہ زخم کاری دارم　　۵　　مبادا دیگرے صیدِ ترا از خاک بر گیرد
مرا ایں مے کہ برداز ہوش دل مجروح خواہد کرد　　۶　　حریفے آگہی باید کہ از عالم خبر گیرد

نظیری گوئے عشق است ایں نہ شاہد بازی و رندی
کہ گر یارے رود از دست کس یارے دگر گیرد

(۱) ایک دفعہ غم (عشق) دیکھے ہوئے دل میں (دوبارہ) محبت زیادہ اُلفت پذیر ہو جاتی ہے (دیکھ لو) کہ جس چراغ میں سے ابھی دھواں اُٹھ رہا ہو۔ اُس کی بتی جلد جل اُٹھتی ہے۔ (جو دل دردِ عشق میں ایک دفعہ مبتلا ہو چکا ہو۔ وہ دوبارہ عشق کے جذبات سے جلد متاثر ہو جاتا ہے۔ جیسے وہ چراغ جو ابھی ابھی بُجھا ہو۔ دوبارہ جلانے سے جلد جل اُٹھتا ہے اس مضمون کا سعدی کا ایک پورا شعر ہے اور اسی سے یہ شعر ماخوذ ہے

بینی کہ چہ گرم آتش در سوختہ میگیرد تو سوختہ تر از آتش من سوختہ تر زانم

(۲) (عشق محبوب سے) آزادی کے بعد میں پہلے سے بھی زیادہ اُس (کے عشق) میں پھنس گیا۔ (اور یہ کوئی عجیب بات نہیں کہ میں غم عشق کے مصائب سے آگاہ ہونے کے باوجود پھر اور زیادہ گرفتار کیسے ہو گیا۔ کیونکہ) جب کوئی شکار (ایک دفعہ گرفتار ہونے کے بعد) چھوٹ جاتا ہے۔ تو پھر شکاری اُسے پہلے سے زیادہ مضبوطی سے پکڑ لیا کرتا ہے (جب عاشق تنگ آکر ترکِ عشق پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ تو معشوق نئی رنگا رنگ ادا و ناز سے اُسے اور زیادہ فریفتہ کر لیتا ہے)

(۳) جب ایک دفعہ (عشق دوستی کا) عہد ٹوٹ جاتا ہے۔ تو پھر محبت پہلے سے بھی زیادہ مضبوط ہو جاتی ہے۔ (دیکھ لو) کہ درخت پہلے شگوفے گرا لیتا ہے۔ تو پھر اُسے پھل لگتا ہے۔ (گویا پیمانِ عشق کا ٹوٹ جانا درخت کی شگوفہ ریزی سے مشابہ ہے کہ اس کے بعد ہی عشق کامیاب ہو سکتا ہے۔ غزل کے یہ تینوں اشعار قریب قریب ہم مضمون ہیں۔ مگر ہر ایک کا اسلوب جدا اور تمثیلات سے (معشوق کی طرف سے) نے ہر ایک کو دوسرے سے ممتاز کر دیا ہے)

(۴) اگر ذرا سی ہوا بھی چلے۔ تو وہ عاشق کو وجد اور شور میں لے آتی ہے۔ اور اگر (محبوب کی) ذرا سی خوشبو بھی مخمور کو پہنچتی ہے۔ تو وہ نئے سرے سے مست ہو جاتا ہے)

(۵) میرے حال سے غافل نہ ہو۔ کہ مجھے بہت کاری زخم لگا ہے۔ ایسا نہ ہو۔ کہ تیرے شکار کو کوئی دوسرا زمین پر سے اُٹھا لے۔ (تیرے عشق میں نڈھال ہوں کبھی کبھی لطف و عنایت کی نظر سے میرے حال کو دیکھ لیا کر۔ کہ مایوس ہو کر کسی اور کی طرف مائل نہ ہو جائے۔ دل گویا معشوق شکاری ہے جس نے عاشق کو زخمی کر دیا ہے۔ زخمی شکار اگر نظر سے اِدھر اُدھر ہو جائے۔ تو ممکن ہے کوئی دوسرا شخص یا شکاری اُسے اُٹھا لے جائے۔ دیگرے برگیرد۔ دوسرے کا اُٹھا لے جانا بہ نظرِ ترحم بھی ہو سکتا ہے)

(۶) یہ شرابِ حسن نے مجھے مدہوش کر دیا ہے میرے دل کو زخمی کر کے رکھ دیا۔ اس لئے ایک ایسے حریفِ ہوشمند کی ضرورت ہے جو میرے حال کا خبر گیر رہے (میں دردِ عشق میں مبتلا ہوں۔ محبوب کو میری خبر گیری کرنی چاہیئے۔ گویا میں مست و مدہوش ہوں اور زخمی دل بھی اس حالت میں کوئی نگرانی کرنے والا چاہیئے۔ جو میری طرح مخمور و مست نہ ہو۔ حریف آگہ یعنی ایک حریف آگاہ ہوشمند دوست)

(۷) اے نظیری! یہ عشق کا کوچہ ہے۔ نہ شاہد بازی اور رندی (کا) کہ اگر ایک یار ہاتھ سے نکل جائے۔ تو کوئی دوسرا یار بنا لے۔ (ہرجائی پن رندی اور نظر بازی کا خاصہ ہے۔ عشق میں تو یک در گیر و محکم گیر کے اصول پر عمل ہوتا ہے۔)

غزل نمبر ۸۶

بحر مجتث مثمن مخبون ارکان: مفاعلن فعلاتن مفاعلن فعلاتن

۱ بہ ہجر و وصلِ تو جاں الفت و نزاع ندارد نشاطِ آمدن و کلفتِ وداع ندارد
۲ بشہر ما نفروشید جز رضا و محبت کسے دوکان نکشاید کہ ایں متاع ندارد
۳ براں فراز کہ من میکنم عروج مقامیست کہ ہیچ پایہ برآں پایہ ارتفاع ندارد
۴ چناں حقارتم از چشم اعتبار فگندہ است کہ دہر برمن و حالِ من اطلاع ندارد
۵ بہ رطلِ خونِ جگر میخورم ز بخت شکرم کہ سر ز جامِ تنک مشربم صداع ندارد

ز تیرگیِ شبِ انتظارِ شمعِ امیدم ۶ برابرِ پرِ پروانہ شعاع ندارد

عبث بوعدۂ لطفش دلت خوش ست نظیری ۷

کدام لطف کہ با بختِ تو نزاع ندارد

(۱) میری جان! میرے وصل و ہجر سے اُلفت و نزاع نہیں رکھتی۔ (اُسے نہ تیرے وصل سے محبت اور نہ تیرے ہجر سے نزاع و رنج ہے) وہ نہ تیرے آنے کی خوشی اور نہ تیرے رخصت ہونے کا رنج ہی رکھتی ہے۔ (کمالِ عشق میں معشوق کے وصل و ہجر کا امتیاز اُٹھ جاتا ہے۔

میرے حساب تو عاشق نہیں حریص ہے وہ   فراق و وصل میں کچھ بھی جو امتیاز کرے)

(۲) ہمارے شہر میں رضا اور محبت کے سوا کچھ اور مت پیش کر۔ (فروختن - بیچنا - اور ظاہر کرنا) یہاں کوئی شخص دکان نہیں کھول سکتا جس میں یہ سامانِ تجارت موجود نہ ہو۔ (عشق میں محبوب کی رضامندی اور پر خلوص محبت در کار رہے۔ اس کے سوا یہاں کسی چیز کی مانگ نہیں)

(۳) جس بلندی پر میں چڑھ رہا ہوں وہ ایسا مقام ہے۔ کہ کوئی درجہ بھی اُس درجے سے بڑھ کر بلند نہیں ہے۔ (عشق و معرفت کا مرتبہ تمام کائنات سے بلند تر و ارفع ہوا ہے)

(۴) حقارت نے مجھے چشمِ اعتبار سے اس قدر گرا رکھا ہے کہ زمانہ کو میری اور میرے حال کی کوئی خبر نہیں ہے۔ (میں ذلت و حقارت کی وجہ سے بالکل کس مپرسی کی حالت میں ہوں)

(۵) میں خونِ جگر کے پیالے کے پیالے بھر بھر پی رہا ہوں۔ اور (اپنی قسمت پر) خدا کا شکر ادا کرتا ہوں۔ کہ میرا مشربِ تنک آشامی کی وجہ سے دردِ سر میں مبتلا نہیں ہے۔ (تنک مشرب - کم ظرف - معمولی آشامیدن۔ رطل و جامِ گراں عادی مے نوش کو اگر شراب تھوڑی تھوڑی مقدار میں دی جائے۔ تو اُسے خمار کی وجہ سے دردِ سر ہونے لگتا ہے۔ شاعر کہتا ہے۔ کہ عشق میں خونِ جگر پیالوں کے پیالے پیے جاتا ہوں۔ گویا وہ شراب ہے۔ جامِ تنک مشرب وہ پیالہ جس میں تھوڑی سی شراب ڈالی جا سکے۔ چھوٹا پیالہ۔ رطل کے مقابل)

(۶) انتظار کی رات کو میری امید کی شمع تاریکی کے باعث ایک پروانے کے پر جتنی روشنی بھی نہیں رکھتی۔ (امید میں روشنی ہوتی ہے۔ اور یاس میں تاریکی۔ محبوب نے آنے کا وعدہ کر رکھا ہے۔ مگر وہ وعدے وفا کے لیے نہیں بلکہ شکست کے لئے کیا کرتا ہے۔ اس لئے عاشق انتظار میں تو ہے مگر اُس کے ساتھ ہی مایوس بھی ہے۔ گویا اُس کی شمعِ امید روشن ہے مگر نا امیدی کی شب کی ظلمت اُس پر ایسی چھا گئی ہے۔ کہ روشنی نام کو بھی باقی نہیں رہی۔ برابر پر پروانہ الخ اُس میں اتنی بھی چمک نہیں جتنی پر پروانہ میں ہوا کرتی ہے) اس مضمون کا ایک شعر ساغر نظامی کا نہایت نفیس ہے۔ جس میں یہ نفسیاتی نکتہ مضمر ہے۔ کہ انتہائی یاس میں کیفیاتِ فطری لباسِ اندوہ ہی میں ظاہر ہوتی ہیں:-

(۷) اے نظیری! تیرا دل اُس کی مہربانی کے وعدے پر فضول خوش ہو رہا ہے۔ وہ کون سی عنایت ہے جو تیری قسمت کے ساتھ بگاڑ اور مخالفت نہیں رکھتی۔ (تیری قسمت میں اس کے لطف سے سرفراز ہونا کہاں۔ اول تو اسی کی امید نہیں کہ وہ وعدۂ لطف کو وفا کرے۔ اور اگر بالفرض ایسا ہو بھی جائے۔ تو اس کی کیا ضمانت ہے۔ کہ اُس کے بعد اس ایک لطف کے بدلے ہزار قہر نہ کرے گا)

غزل نمبر ۸۷

بحر ہزج مثمن سالم   ارکان: مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن

کمند دامِ ما غیر از شکارِ غم نمے گیرد ۱ مگس بر خوانِ ما عیشے بجز ماتم نمے گیرد

نصیبِ دیگراں ہر لحظہ رطلِ خندہ لبریزست ۲ بجامِ ما تبسم نوبتِ ماتم نمے گیرد

بشیرینیِ محبت در دلِ دیگر زیادت کن ۳ کہ ظرفِ ما ازیں یک قطرہ بیش و کم نمے گیرد

مریضانِ دیارِ عشق خوش بیماری دارند ۴ کسے دارو نمے خواہد کسے مرہم نمے گیرد

حسابِ امشب و فردا بزلفِ درہمی دارم ۵ شمارِ ظلم و بیدادی کسے برہم نمے گیرد

سرے از خاکِ کو گم گشتہ ما ر کند شاید ۶ دلِ ما را بہیچ آں زلفِ خم درخم نمے گیرد

با آہ و نالہ میجوید منظیری بر درت راہے

سکندر صف نمے آراید و عالم نمے گیرد

(۱) ہمارا حال اور کنندہ غم کے سوا کچھ شکار نہیں کرتا۔ یہاں تک کہ مکھی کو بھی ہمارے دسترخوان پر ماتم کے سوا کوئی عیش کا سامان نہیں مل سکتا۔ دوسرے مصرعہ کا ترجمہ یوں بھی ہو سکتا ہے۔ کہ مکھی کو ہمارے دسترخوان پر ماتم کے سوا کسی چیز میں لطف ہی نہیں آتا غم و ماتم عشق میں ہمارا اوڑھنا بچھونا ہے)

(۲) دوسروں کی قسمت میں تو ہر آن ہنسی کے پیالے بھرے رہتے ہیں (گویا خندہ بھی شراب ہے جسے وہ پی کر سرشار ہیں یعنی اُن کو بافراط شادمانی و مسرت کے اسباب حاصل ہیں) مگر ہمارے پیالے میں کبھی تبسم بھی ماتم کی باری نہیں لیتا (ہم ہر آن ماتم میں ہیں ہنسی تو رہی ایک طرف ہمیں کبھی مسکرانا بھی نصیب نہیں ہوتا)

(۳) تو شیریں و میٹھی میٹھی باتوں اور لگاوٹ کی نگاہوں سے کیا و عشق کے دل کی محبت کو زیادہ کرے گا کیونکہ ہمارے ظرف میں تو اس سے ایک قطرہ بھی کم و بیش نہیں سما سکتا۔ (محبوب عاشق سے لطف و کرم اور مہربانی کا سلوک کرتا ہے۔ اس خیال سے کہ اُس کا عشق اور بھی زیادہ ہو جائے۔ وہ کہتا ہے کہ میرا عشق کمال کو پہنچ چکا ہے۔ اس میں اضافہ کی گنجائش نہیں۔ در دل دیگر میں نہایت لطیف پیرائے میں دوسرے مدعیانِ عشق پر چوٹ ہے کہ ان کی محبت ابھی ناتمام ہے اور اس میں ترقی کی گنجایش ہے)

(۴) دیارِ عشق کے مریض عجیب ہی بیماری میں مبتلا ہیں کہ نہ کوئی دوا کا خواہشمند ہے اور نہ کوئی مرہم ہی لیتا ہے (عاشق جراحتہائے عشق اور دردِ دل سے لذت اندوز ہوتے ہیں۔ اور نہیں چاہتے کہ اس آزار سے نجات پائیں ؎

نہ پوچھ نسخۂ مرہم جراحتِ دل کا کہ جس میں ریزۂ الماس جزوِ اعظم ہے

(۵) میرا امشب و فردا کا حساب اُس کی درہم و پریشان زلفوں سے پڑا کہ حساب و شمار کسی سے نہیں دین اور معاملہ کرتا یعنی میرا معاملہ اس کی پریشان زلفوں سے پڑ گیا ہے حالانکہ اُس کے ظلم و بیداد کا کوئی شخص شمار ہی نہیں کر سکتا (یہ میں ہی ہوں جو ان کے ظلم و ستم کو برداشت کرتا ہوں)

(۶) ہمارا گم گشتہ دل شاید اُس کے کوچے ہی کی خاک میں ملے۔ تو ملے و سر برکردن۔ سر اٹھانا۔ نمودار ہونا کیونکہ اُس کی خم درخم زلف اُس کو کسی قیمت پر بھی لینے کو تیار نہیں۔ (اس لئے اُس کی زلفوں میں نہیں بلکہ خاک کو میں جہاں محبوب نے اُسے بے قیمت سمجھ کر پھینک دیا ہے۔ ملیگا)

(۷) (یہ منظیری نہیں جو آہ و نالہ کے ساتھ تیرے در کا راستہ ڈھونڈتا پھرتا ہے۔ یہ سکندر نہیں ہے۔ جو صفیں (جنگ کے لئے) آراستہ کر رہا ہو۔ اور دنیا کو مسخر کر رہا ہو۔ (آہ و نالہ گویا فوجیں ہیں جن کے شور و شر سے معشوق گھبرا اٹھا۔ کہ یہ کون ہے فاتح کی افواج قاہرہ حملہ آور ہو رہی ہیں۔ عاشق اُسے تسلی دیتا ہے۔ کہ تم گھبراؤ نہیں۔ یہ میری آہیں اور نالے ہیں جو تمہارے دروازے کی تلاش میں ہیں۔ سکندر فوج آرائی اور عالمگیری نہیں کر رہا ہے)

غزل نمبر ۸۸

بحر ہزج مثمن سالم ارکان:۔ مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن

ز بیدادِ تو حرفِ مہر را نام و نشاں گم شد ، کتابِ حُسن را جزو محبت از میان گم شد

زمہر بوالہوس گر دولت عاشق نمے گردد ٢ طُفیلی جمع شد چندانکہ جائے میہمان گم شد

سحر بیتے مغنی میسرود از تو بیاد آمد ٣ چناں شورے برآوردم کہ وقتِ دوستان گم شد

بنالش خواستم جا در دلت افتادم از چشمت ٤ گدا آمد کہ صدرِ قرب جوید آستان گم شد

پس از عمرے شدم عرضے کنم خنداں بہ پیش آمد ٥ کہ مضمونِ سخن صد بار از دل تا زبان گم شد

متاعِ دیر اگر داریم بر ما رد مکن زاہد ٦ بعزمِ کعبہ میرفتیم راہِ کاروان گم شد

ہوس تا یافتُ رد از من مزاجِ کار ہا برگشت ٧ طرب تا بست در بر من کلیدِ آسمان گم شد تا یافت رد

ہوس را در فراقِ محرمت خوابِ گراں بگرفت ٨ طرب را در سراغِ عافیت نام و نشان گم شد

اگر پرسد کسے حالِ نظیری را بگوئیدش
کہ در دامست آں مرغے کہ شب از آشیاں گم شد ٩

(١) تیری بیداد کے باعث لفظِ محبت کا نام و نشان مٹ گیا۔ گویا حُسن کی کتاب میں سے محبت کے اوراق گم ہو چکے ہیں۔ (حُسن کے ساتھ محبت لازم ہے۔ اگر حسن کو ایک کتاب فرض کیا جائے۔ تو محبت اُس کا ایک باب ہے۔ تُو نے اس قدر بے دادی کی ہے۔ کہ محبت کا نام مٹا دیا ہے)

(٢) بوالہوس کی محبت کی وجہ سے عاشق تیرے دل کے پاس نہیں آنے پاتا۔ گویا طفیلی اتنے جمع ہو گئے ہیں۔ کہ مہمان کی جگہ نہیں رہی (تیرے دل میں بوالہوس کی محبت گھر کر چکی ہے۔ اور عاشقِ صادق کا تجھے خیال بھی نہیں آتا۔ حالانکہ دل میں جگہ پانے کے قابل وہی تھا۔ گویا عاشق مہمان تھا۔ اور بوالہوس کی محبت طفیلی۔ جب بوالہوس نے ہی تمام دل پر قبضہ کر لیا۔ تو پھر عاشق کے لئے جگہ کہاں رہی طفیلی مہمان ناخواندہ) ہے

کی اُس نے سینۂ اہلِ ہوس میں جا۔ آئے نہ کیوں پسند کہ ٹھنڈا مکان ہے)

(٣) صبح ایک گانے والا ایک شعر گا رہا تھا۔ کہ مجھے تیری یاد آ گئی۔ میں نے ایسا شور (گریہ و زاری) برپا کر دیا کہ دوستوں کا وقت (عیش و مسرت) کھو گیا (میری گریہ و زاری سے دوسروں کا عیش بھی منغض ہو گیا)

(٤) میں نے چاہا۔ کہ نالہ و زاری کے ذریعے تیرے دل میں جگہ پاؤں۔ مگر (اسی وجہ سے) تیری نظر سے گر گیا۔ گویا گدا اس لئے آیا تھا قرب کی مسند (قربِ معشوق کی عزت) حاصل کرے۔ مگر آستان ہی گم ہو گیا (زیادہ قرب ڈھونڈتے ڈھونڈتے معمولی تعلق خاطر جو حاصل تھا۔ وہ بھی جاتا رہا)۔ لکھنوی فراق کا شعر ہے ؎

دیکھ کر آنسو مزاجِ یار رحالی پھر گیا۔ میری کشتِ آرزو پر آ کے پانی پھر گیا

(٥) میں ایک عرصے کے بعد گیا کہ اُس کے سامنے کچھ عرض کروں۔ وہ ہنس کر پیش آیا۔ (جس کا اثر یہ ہوا) کہ بات کا مضمون دل سے زبان تک آتے آتے سینکڑوں دفعہ گم ہو گیا۔ (باوجود ہزار کوشش کے مجھے یاد نہ آیا کہ کیا کہنا چاہتا تھا۔ نظیری کا قریباً اسی کا ہم مضمون شعر ہے ؎

از یک حدیث لطف کہ آں ہم دروغ بود ۔ امشب ز دفترِ گلہ صد باب شُستہ ایم
گفتہ بودم چو بیائی غمِ دل با تو بگویم ۔ چہ بگویم کہ غم از دل برود چوں تو بیائی (سعدی)
یوں کہتے تھے یوں کہتے یو ں کہتے جو یار آتا ۔ سب کہنے کی باتیں ہیں کچھ بھی نہ کہا جاتا

(٦) اے زاہد اگر ہمارے پاس دَیر کا سامان موجود ہے۔ تو تُو ہماری تردید و مذمت نہ کر۔ کیونکہ ہم کعبہ کا ارادہ کئے جا رہے تھے۔ کہ قافلہ کا راستہ کھو گیا۔ (صوفیا کا خیال ہے۔ کہ راہِ معرفت میں دیر و حرم اور کفر و ایمان کی تمیز بے خبری پر دال ہے۔ شاعر کہتا ہے کہ ہم کعبہ کو جا رہے تھے۔ کہ دیر میں پہنچ گئے۔ گویا دیر حرم ہی کے راستے پر ہے۔ نہ کہ علیحدہ۔ جب ایسا ہے تو پھر سامانِ دیر یعنی بُت پرستی اور کفر کی مذمت کیسی) ہے

کعبہ میں جا کے بھول گیا راہ دَیر کی ۔ ایمان بچ گیا مرے مولا نے خیر کی)

(۷) جب سے میں نے ہوس کو رد کیا ہے (چھوڑا ہے) تمام کاموں کا مزاج ہی بدل گیا ہے۔ اور مسرت و شادمانی نے جب سے مجھ پر دروازہ بند کیا ہے آسمان کی چابی ہی گم ہو گئی ہے۔ دیکھے کبھی خوشی کا موقع نصیب نہیں ہوتا۔ گویا مسرت کے دروازے کو مقفل کرکے آسمان اس کی چابی کو کھو چکا ہے۔)

آسمان: از برشتی همرد انم ورکار | گاه شادی یا دبانی گاه اندوه لشکری

(۸) (شعرِ سابق کے ساتھ قطعہ بند) میری محبت و عنایت کی جدائی میں ہوس پر گہری نیند چھا چکی ہے۔ اور فسادوہانی کا امن و عافیت کی تلاش میں نام و نشان تک مٹ گیا۔

(۹) اگر کوئی شخص نظیری کا حال دریافت کرے۔ تو اس سے کہہ دینا۔ جو پرندہ رات اپنے آشیاں سے کھو گیا تھا۔ وہ جال میں پھنسا ہوا ہے۔ (نظیری جو مفقود الخبر تھا۔ یا عشق میں گھر بار ترک کر چکا تھا عشق کے دام میں گرفتار ہے۔)

غزل نمبر ۸۹

بحر مجتث مثمن مخبون محذوف۔ ارکان:۔ مفاعلن فعلاتن مفاعلن فعلن

۱ ز نکہتِ سحری شوقِ یار مے خیزد — جنوں ز سایۂ ابرِ بہار مے خیزد
۲ بروئے یار نگہ رشحہ بیز مے افتد — بزلفِ یار شکن قطرہ بار مے خیزد
۳ سحاب دل شدہ در کوہسار می گردد — غزال شیفتہ در مرغزار مے خیزد
۴ بہ دستگیریِ عشاقِ ناتواں احوال — ز زیرِ ہر شجرے صد نگار مے خیزد
۵ تنے کہ رفت ز پا بر عذار مے غلطد — سرے کہ رفت ز دوش از کنار مے خیزد
۶ نہ از وصالِ ملولاں ملال مے گیرد — نہ از فراقِ حریفاں خمار مے خیزد
۷ سماعِ رندی و گلگشت لذتے دارد — کہ بادشاہ ز سرِ اعتبار مے خیزد
۸ ہمیں کہ طائرِ فرصت رسید صید شکن — کہ صید افگنش از ہر کنار مے خیزد
۹ ہمیں کہ قسمتِ خود یافتی غنیمت داں — کہ از کمین گہِ شیراں شکار مے خیزد
۱۰ دریں ہوا درِ خلوت حکیم نکشاید! — کہ ہوش میرود و اختیار مے خیزد

جہاں خوش ست نظیری قلم بجلوہ درآر
"کہ گلشکر ز سرِ نوکِ خار مے خیزد

(۱) صبح کے وقت کی خوشبو سے یار کا عشق پیدا ہوتا ہے۔ اور ابرِ بہار کے سائے سے جنون پیدا ہوتا ہے (کہ صبح کی ہوا سے بوئے یار اور موسمِ بہار سے جنونِ عشق پیدا ہوتا ہے) نہایت نفیس شعر ہے۔ سایۂ ابرِ بہار سے جنون کا پیدا ہونا نفسیاتی طور پر شاید کلیۃً درست نہ ہو لیکن واردات عشق میں اور رومانیات شعر میں سایہ کی حرکات سے جو ایک دہشت سی ہوتی ہوئی سمجھی جاتی ہے اس کے جواز میں ملک الشعرا فیضی کا یہ مصرعہ پیش کیا جا سکتا ہے۔ کہ من دیوانہ ام از سایۂ دیوار مے ترسم اور حضرت میری عصرِ حاضر کے مشہور ڈرامہ نگار کی ایک تمثیل ہینری وڈسنا کا مرکزی خیال سایوں کی دہشت انگیزی ہے۔ اس کے مقابلے میں شیکسپیئر کا مسل…

غزل دیکھئے چه بیا بباغ و نقاب از رخِ چمن بر کش
اور یہ شعر قابلِ ذکر ہے

فرصت از کف مده غنیمت پندار | نیست گر صبحِ بہاری شبِ تارے دریاب

(۲) یار کے چہرے پر ہماری نگاہ قطرے ٹپکاتی ہوئی پڑتی ہے۔ اور یار کی زلفوں میں قطرے برسانے والے شکن پیدا ہوتے ہیں (عشق کو دیکھ کر ہماری آنکھوں میں آنسو آجاتے ہیں۔ فرطِ مسرت یا دردِ عشق سے)

(۳) دل بادل بن کر کوہسار میں چھایا ہوا ہے اور مست ہرن مرغزار میں موجود ہے۔

(۴) کمزور و بدحال عاشقوں کی دستگیری کے لئے ایک ایک درخت کے نیچے سے سو سو معشوق نمودار ہو رہے ہیں۔ (بہار کی وجہ سے باغ میں نگاروں کا جمگھٹ ہے۔)

(۵) جو جسم پھسل کر گر چکا تھا۔ وہ رخساروں پر لوٹ رہا ہے۔ اور جو سر کندھے سے جدا ہو چکا تھا۔ وہ پہلو سے پیدا ہو رہا ہے۔ (اثر بہار سے)

(۶) (اس موسم میں) نہ تو رنجیدہ دل لوگوں کے وصال سے ملال پیدا ہوتا ہے۔ اور نہ دوستوں کی جدائی سے خمار پیدا ہوتا ہے (بہار کی وجہ سے رنج و ملال آتے ہی نہیں)

(۷) رندانہ گانے بجانے اور سیرِ چمن میں وہ لذت ہے۔ کہ بادشاہ بھی اُن کو قابلِ اعتبار سمجھ کر (اُن کو اختیار کرنے کے لئے) اُٹھ کھڑا ہوتا ہے (دوسرا اعتبار لفظی ترجمہ اعتبار کی وجہ سے الخ)

(۸) جونہی کہ فرصت کا پرندہ سامنے آئے۔ اس کو شکار کر لو۔ کہ اُس کا شکار کرنے والا ہر طرف سے (کوئی نہ کوئی) اُٹھ رہا ہے۔ (فرصت کو غنیمت جانو۔ یہ گویا پرندہ ہے جو اُڑا چلا جاتا ہے۔ ہر شخص اس سے استفادہ کی خواہش رکھتا ہے۔ مگر کامیاب کم ہی لوگ ہوتے ہیں)۔

(۹) جونہی کہ تجھے اپنی قسمت (حصہ بخت) مل جائے۔ غنیمت جان۔ کہ یہ شکار (تیرا حصہ) شیر کی کمین گاہ سے نکل رہا ہے (شیر کی گھات سے بچ کر نکل آنا بہت ہی مشکل ہے۔ تمہیں جو کچھ قسمت سے مل رہا ہے یہ سمجھو کہ شیر کے پنجے سے نکل کے آیا ہے۔ اِس لئے غنیمت سمجھو)

(۱۰) (زمانے کی) اس ہوا میں دانا آدمی خلوت کا دروازہ نہیں کھولتا۔ (آلودگی فتنہ کی رغبت نہیں کرتا) کیونکہ ہوش جاتا رہتا ہے۔ اور اپنے آپ پہ سے اختیار اُٹھ جاتا ہے۔ (انسان بے ہوش اور بے اختیار ہو جاتا ہے اپنے دل یا طبیعت کو قابو میں نہیں رکھ سکتا)

(۱۱) اے نظیری تمام جہان (بہار کی وجہ سے) خوش ہے۔ تو بھی اپنے قلم کو ذرا جلوے میں لا۔ (مضامین تازہ شگفتہ لکھ) کیونکہ کانٹے کی نوک سے گلقند پیدا ہو رہی ہے۔

غزل نمبر ۹

بحر مجتث مثمن مخبون مقصور | ارکان: مفاعلن فعلاتن مفاعلن فعلان

چه شور بود که عشقت بمن کرامت کرد | که نارسیده قیامت دلم قیامت کرد
حدیثِ من که ز مجموعهٔ وفائے تو خواند؟ | ۲ | که نے بخونِ دل و دیده اش علامت کرد
بکعبهٔ دلِ مَن عاشقاں نماز آرند | ۳ | که قبله شد صنم و برهمن امامت کرد
بهر نماز کنم صد هزار سجدهٔ شکر | ۴ | که در دیارِ تو دل نیتِ اقامت کرد
قضائے کفر ادا میکنم که بر منِ عشق | ۵ | نماز و طاعتِ چل ساله را غرامت کرد
نثارِ دیده تصدق وهم که بختِ جواں | ۶ | بکوئے زهد و ریا نو برِ ندامت کرد

مزاجِ عشق نظیری حریص و سودائیست
دریں معاملہ نتواں ترا ملامت کرد

(۱) کیسی شورش و دیوانگی مجھ جو تیرے عشق نے مجھے عنایت کر دی۔ کہ قیامت کے آنے سے پہلے ہی میرے دل نے قیامت بپا کر دی (میرے دل نے عشق میں محشر بپا کر رکھا ہے۔ نالہ و فریاد کی وجہ سے)

(۲) کون ہے جس نے تیری وفائے مجموعہ میں سے میری (عشق کی) حدیث پڑھی ہو۔ اور اس کو دل اور آنکھوں کے خون سے ظاہر نہ کیا ہو۔ (جس نے میری داستانِ عشق کا مطالعہ کیا۔ وہ خون کے آنسو بہائے بغیر نہ رہا)

(۳) عاشق لوگ میرے کعبۂ دل کی طرف (رُخ کر کے) نماز پڑھتے ہیں کیونکہ بت اس کا میرے دل کا قبلہ تھا۔ اور برہمن اس کی امامت کرتا رہا۔ (صنم پرستی میں کمال حاصل ہونے کی وجہ سے میرا دل اب عاشقوں کا قبلہ ہو گیا ہے۔)

(۴) میں ہر نماز میں لاکھوں شکر کے سجدے بجا لاتا ہوں۔ کیونکہ میرے دل نے تیرے دیار میں اقامت (قیام) کی نیت کر لی ہے (اقامت میں ابہام ہے۔ نماز اور سجدہ اور نیت کی مناسبت سے بادی النظر میں اس کے معنی اقامت صلوٰۃ یعنی نماز کے لئے تکبیر کے معلوم ہوتے ہیں۔ مگر در اصل ٹھہرنے۔ قیام کرنے اور ڈیرہ ڈالنے کے لئے استعمال کیا گیا ہے)

(۵) اب میں کفر کی قضا ادا کر رہا ہوں کیونکہ عشق نے مجھ پر میری چالیس سال کی عبادت اور نماز کے سبب سے تاوان لگا دیا ہے (میں چالیس برس تک عبادت و نماز کا پابند رہا ہوں۔ اور اب عشق اختیار کیا ہے جو نماز پارو زہ اپنے وقت پر ادا نہ ہو سکے اس کی قضا دوسرے وقت میں دیا کرتے ہیں۔ تو چالیس سالہ عبادت کے زمانہ میں جو کفر کی ادائگی میرے ذمہ باقی رہی۔ اب اُس کی قضا دے رہا ہوں۔ مطلب یہ کہ عشق میں ترک رسوم مذہب لازمی ہے۔ ایک مفہوم اس شعر سے اور مستنبط ہوتا ہے کہ چالیس سالہ زہد و ریاضت کے مقابلہ میں اب جو کچھ عمر مستعار سے باقی رہ گئی ہے اس میں شدت سے داد عیش دے کر اپنے زمانہ ایمان کا کفارہ ادا کر رہا ہے۔ ؎

دل بدون دریں راہ بخت میر عیب است سالک را
خوش گرفتند زکو من کہ دادہ دلوئے ایماں را)

(۶) میں اپنی آنکھوں کے نثار کو بطور صدقہ پیش کرتا ہوں۔ (نثار دیدہ۔ آنسو جو آنکھوں پر نثار ہوتے ہیں۔ میں اُن کو صدقہ کرتا ہوں) کیونکہ میرے بخت جوان نے زہد و ریا کے کوچے میں ندامت کا تیا پھل نکالا ہے۔ (نو بر۔ ثمر نو رس۔ میں اپنی زہد و ریا پر نادم ہوں۔ اور ندامت کی وجہ سے آنسو بہاتا ہوں۔ ندامت حال ہی میں پیدا ہوئی ہے۔ اس لئے اُسے نوبر کہا ہے۔ آنسو گویا موتی ہیں جو ندامت کا ثمر لگنے پر بطور تصدق تقسیم کئے جا رہے ہیں)

(۷) اے نظیری عشق کا مزاج ہی حریص اور سودائی ہے۔ (اس لئے اگر تو بھی حریص اور دیوانہ ہے۔ تو عشق کی وجہ سے تجھے اس معاملہ میں ملامت نہیں کی جا سکتی۔ (عشق دیدار و وصلِ یار کا حریص اور شدتِ جذبات کی وجہ سے سودائی ہے)

غزل نمبر ۱۹

بحر رمل مثمن مقصور — ارکان۔ فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلان

۱ بے تو بر بال و پرِ مرغاں گلستاں تنگ بُود — صورتِ بلبل در حریم باغ بے آہنگ بُود
۲ حالِ آن گلگشتِ صحرائی کہ من کردم مپرس — لالہ را در تۂ ہر سنگ پُر خوں چنگ بود
۳ بے تو بر چشم نمک مے بیخت بادِ صبحدم — گرچہ مروارید مے سائید ہر جا سنگ بود
۴ سایہ مجنوں میشد از راہے کہ من کردم گزر — کز خیالت خیلِ صد لیلیٰ بقصد فرسنگ بود
۵ نامۂ دشمن ملالت بے تو مے بُرد از دلم — آنچہ بر مے چید زنگِ سینہ ام از زنگ بود

ت ہرن

نامهٔ دشمن ملالت بے تو مے برد از دلم ، آنچہ بر مے چید زنگ سینہ ام از زنگ بود

گر نمردم از نشاطِ دیدنت از من مرنج ، با نشاطم خصمی و با جانِ سختم جنگ بود

پیش ازیں چندیں نظیری شورش و مستی نداشت

تا نبودی جام بے ساقی و مے بے رنگ بود

(۱) تیرے بغیر پرندوں کے بال و پر کے لئے (اُن کی پرواز کے لئے) باغ (باوجود اپنی وسعت کے) تنگ تھا۔ اور باغ کی چار دیواری میں بلبل کی آواز نے شور مچا رکھا تھا (گرمیِ بازارِ عشق تیرے ہی سبب سے ہے)

(۲) میں نے جو صحرائی گلگشت کی ہے۔ اس کا حال کچھ نہ پوچھ۔ کہ میں نے دیکھا ہر پتھر کے نیچے لالے کی کئی کئی پھولوں کے نیچے خون سے بھرے (لالہ کے پھول اور سرخی میں خون سے تشبیہ دیا کرتے ہیں۔ ایک ایک پتھر کے نیچے کئی کئی پھول اُگے ہوئے تھے مطلب یہ کہ ہر جگہ اور ہر مقام پر عشق نے سینکڑوں دلوں کو پُرخون کر رکھا ہے۔ لالہ پتھروں میں اُگتا ہے معشوق کے دل کو بھی سنگ کہا کرتے ہیں)

(۳) تیرے فراق میں صبح کے وقت کی ہوا میری آنکھوں میں نمک پاشی کر رہی تھی۔ اگرچہ وہ (بادِ سحری) ہر اُس مقام پر جہاں کوئی پتھر موجود تھا ہو کر گزر رہی تھی۔ (موتی آنکھوں کو نور بخشتا ہے۔ اور پتھر سے رگڑ کر اجالا ہے۔ کہتا ہے۔ کہ تیرے فراق میں بادِ سحر بھی مجھے ناگوار گزرتی ہے گویا وہ میری آنکھوں میں نمک چھڑکتی ہے۔ حالانکہ وہ ہر مقام پر موتی بکھیرتی پھرتی ہے)

نسیم تیری سینے کے پار گزرے ہے ، تیرے فراق میں کیسی بہار گزرے ہے

(۴) جس راستے سے میں گزرتا تھا وہاں سایہ مجنون بن جاتا تھا کیونکہ تیرے خیال کے باعث سینکڑوں لیلاؤں کے گرد سینکڑوں میل تک (پھیلے ہوئے) تھے (عاشق کے خیال میں ہر آن معشوق آتا ہے۔ گویا مختلف معشوقوں کے گروہ ہر طرف پھیلے ہوئے ہیں اور عاشق کو وہی نظر آتے ہیں۔ جب اُس کا خیال لیلائیں پیدا کرتا ہے۔ تو سایہ گویا مجنون ہے۔ اور اُس کی رفتار کے ساتھ ہر قدم پر اُس کا سایہ گویا نیا مجنون پیدا کرتا ہے)

(۵) تیری جدائی میں رقیب کا خط میرے دل سے ملال کو دور کر دیتا تھا۔ وہاں جو چیز میرے سینہ کے زنگ کو دور کر رہی تھی وہ خود بھی زنگ ہی تھی۔ (رقیب کا خط فقط یہ ذوقِ پرستش پڑھ کر یا خود دیکھ میں بھی تیرے دردِ فراق میں مبتلا تھا میرا ملال دور ہو گیا۔ کہ اگر میں جدائی کی گھڑیاں جھیل رہا ہوں۔ تو رقیب بھی تو وصل و قرب کی لذتوں سے شاد کام نہیں ہے۔ رقیب کا خط ملال کی دوری کا باعث ہوا۔ گویا زنگ نے زنگ کو دور کر دیا)

(۶) اگر میں تیرے دیدار کی مسرت سے مر نہیں گیا۔ تو مجھ سے ناراض نہ ہو۔ کیونکہ جب میں نے تجھے دیکھا تو مسرت کے ساتھ میرا جھگڑا اور جانِ سخت کے ساتھ میرا جنگ شروع ہو گئی (میں تجھے دیکھنے کی شادی مرگ ہو جاتا۔ مگر ایک طرف جذبات مسرت سے اور دوسری طرف جانِ سخت سے جو تیری موجودگی کے سبب نکل کر جانا نہیں چاہتی۔ میری کشمکش شروع ہو گئی۔ اس لئے معذور رہا۔ غالب نے اسی شعر کے مضمون کو نہایت صاف کیا ہے ؎

میں اور حظِ وصل خدا ساز بات ہے ، جاں نذر دینی بھول گیا اضطراب میں)

(۷) اس سے پہلے تو نظیری اس قدر شورش اور مستی نہ رکھتا تھا۔ جب تک تو موجود نہیں تھا (یعنی جب تک وہ تیرے عشق میں گرفتار نہ ہوا تھا) اس وقت تک جام بغیر ساقی کے اور شراب بغیر کیف و رنگ کے تھی (تیرے عشق نے اس کو یہ شورش و مستی بخشی ہے)

غزل نمبر ۹۲

بحر ہزج مثمن سالم ارکان:۔ مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن

تو میرانی و جانم با تو ذوقِ گفتگو دارد ، گدا ہنگامِ مردن بادشاہی آرزو دارد

تو شمعِ بزمِ ہر کس گشتہ صحبت غنیمت داں ۲ کہ ایں پروانہ ہم با گوشۂ تاریک خو دارد

حرارت از برائے گرمیم بسیار مے باید ۳ دلِ چوں موم از سختی جدل با سنگ و رو دارد

کدامیں مجلس و ساماں کہ مے خوردن بیاد آرم ۴ چراغِ تیرہ دارم کہ مُردن آرزو دارد

ببدمستی ہنوز دگر متّہم دارد مرا ساقی ۵ ہنوز از بادۂ پارینہ ام پیمانہ بو دارد

ہنوز دگر باغباں درہائے باغ از ناز بکشاید ۶ کہ بلبل گشت مست و غنچہ اش مے در سبو دارد

کدامیں بود جامِ لطف کے دادی مظہری را ۷

ہنوز آں تشنہ لب آبِ عزیزی در گلو دارد

(۱) تو مجھے مار ڈالنا چاہتا ہے۔ اور میری جان تجھ سے گفتگو کا شوق رکھتی ہے گویا ایک گدا مرتے وقت بادشاہی کی آرزو رکھتا ہو۔ میری جان ایک گدا ہے تیرے ساتھ گفتگو کی حسرت بادشاہی ہے۔ مطلب یہ کہ مجھے مرنے میں عار نہیں مگر تیری باتوں کا لطف مجھے مرنے نہیں دیتا۔

(۲) تو ہر کس و ناکس کی محفل کی شمع بنا ہوا ہے اس عاجز کی صحبت و ہم نشینی کو غنیمت سمجھ کیونکہ یہ پروانہ اندھیری رات میں بھی اندھیرے گوشے کا عادی ہے۔ غم ہجر و فراق برداشت کر لینے کا عادی ہو چکا ہے۔ اگر اس کو اپنی ہم نشینی کا شرف نہ بخشے گا تو ایک ہو بیٹھے گا یہ پروانہ۔ کہہ کر یہ ظاہر کیا ہے کہ اگرچہ وہ گوشہ نشینی و عزلت اختیار کرے گا۔ مگر اس کے عشق و شیفتگی میں اس کمی نہ آسکے گی۔ بلکہ جونہی تمہاری شمع رخسار اس کی طرف رخ کرے گی اسے پروانگی پر آمادہ و مستعد پائے گی۔

(۳) مجھے گرمانے کے لئے بہت زیادہ حرارت کی ضرورت ہے کیونکہ میرا موم جیسا دل سختی میں پتھر اور لوہے کا مقابلہ کرتا ہے۔ اور ہر ایک کی محبت کے لئے میرا دل موم سے زیادہ نرم ہے۔ لیکن دوسروں کی محبت کے لئے دیکھو تو یہ پتھر سے زیادہ سخت ہے۔ موم نرم ہو آگ سے پگھل جاتا ہے۔ محبوب کی آتشِ حسن میں میرا دل پگھل کر موم ہو جاتا ہے۔ جس طرح پتھر کا پگھلنا ممکن نہیں۔ اسی طرح میرے دل کا غیر کے عشق کے لئے نرم ہونا ممکن نہیں۔ مرزا غالب کا یہ شعر بھی دیکھئے

دل سوگوار عارابت (؟) مے تلخ زمینا ہے ... (؟)

(۴) میرے پاس کوئی مجلس اور اس کا سامان موجود ہے کہ شراب نوشی کو یاد کروں میں تو ایک تاریک چراغ رکھتا ہوں جو بجھنے کو ہے۔ یعنی عیش و نشاط کی خواہش کس پر کرے کہ سامان ہی حاصل نہیں ہے۔

(۵) اگر ساقی مجھے بدمستی کا الزام لگائے تو بالکل جائز ہے کیونکہ میرا پیمانہ ابھی تک پرانی شراب کی بو رکھتا ہے۔ شراب دوشینہ کی شراب الست سے مراد ہے جس نے مجھے مست کر رکھا ہے۔ ابھی اس کی مستی زائل نہیں ہوئی ہے۔

(۶) اگر باغبان مغرور ناز کے سبب باغ کے دروازے کھولے تو بالکل مناسب ہے کہ بلبل مست ہو چکی ہے اور غنچہ اس کے لئے اپنے سبو میں شراب لئے ہوئے ہے۔ غنچہ گویا بلبل کو مست کرنے کے لئے سبو میں شراب لئے ہوئے ہے۔

(۷) کون سا تھا جام لطف جو تو نے مظہری کو دیا ... کوئی تشنہ لب ... آب عزیزی ... یعنی آب مجروحی ... محروم ہی رکھا۔

غزل نمبر ۹۲

بحر ہزج مثمن سالم ارکان:- مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن

منم مرغِ اسیرے مضطرب از بیمِ جانِ خود ۱ نہ ذوقِ دانہ دارم نہ امیدِ آشیانِ خود

۲ دل از امیدِ وصل و بیمِ ہجراں کردہ ام فارغ ۔ نشستہ گوشۂ وارستہ از سود و زیانِ خود

۳ ز قوتِ خویش یابم طعمِ زہر و شکرہا گویم ۔ کزیں نعمت تنم پروردہ مغزِ استخوانِ خود

۴ بباغِ روزگار آں خود ستا مرغِ کہن سالم ۔ کہ خود مے سنجم و خود مے سرایم داستانِ خود

۵ بنزدِ محرم و بیگانہ عیبِ خویش مے گویم ۔ بدشمن میدہم از سادگی تیر و کمانِ خود

۶ درِ صد شکوہ بر لب میکشاید یادِ نومیدی ۔ کسے کو تا زند قفلِ خموشی بر دہانِ خود

نظیری صبر کن کیں بند ازاں دل بگسلد روزے
ہنوز امیدوارم میکند ضبطِ زبانِ خود

(۱) میں ایک مرغِ اسیر ہوں جو اپنی جان سے مضطرب اور بیقرار ہو۔ نہ مجھے وادی کی خواہش ہے اور نہ اپنے آشیانے کی ہی امید رکھتا ہوں (عشق میں ترکِ خانماں تو کر چکا ہوں۔ اب ایک مرغِ اسیر کی طرح اضطراب ہے اور میں ہوں)

(۲) میں اپنے دل کو وصال کی امید اور فراق کے خوف سے فارغ کر چکا ہوں۔ اب وہ (دل) اپنے نفع نقصان سے آزاد ہو کر ایک گوشے میں بیٹھ گیا (کمالِ عشق میں وصل و ہجر میں امتیاز اٹھ گیا ہے۔ ورنہ اس سے قبل امید وصل کو نفع اور بیم ہجر کو زیاں تصور کیا کرتا تھا)

(۳) مجھے اپنی خوراک کے طور پر زہر کا کھانا ملتا ہے اور میں غذا کا شکر ادا کرتا ہوں کیونکہ میرے جسم نے اسی نعمت سے اپنے مغزِ استخواں کی پرورش کی ہے۔ (زہرِ عشق میری غذا ہے اور میرے رگ و ریشے اور گوشت پوست میں سرایت کر چکا ہے)

(۴) ہمارے زمانے کے باغ میں وہ پرانا پالا (اپنے منہ سے آپ اپنی تعریف کرنے والا) پرندہ ہوں۔ کہ خود ہی اپنا قصہ گاتا ہوں۔ اور خود ہی اس کو جانچتا (داد دیتا) ہوں۔ (دوسروں کی مدح و ذم سے بے نیاز ہوں)

(۵) میں اپنوں اور بیگانوں (سب) کے پاس اپنے عیب بیان کرتا پھرتا ہوں۔ گویا میں سادگی کی وجہ سے اپنا تیر و کمان دشمن کے حوالے کر رہا ہوں۔ (دشمن میرے عیب سے واقف ہو کر انھیں کو مجھ پر وجہ طعن بنائیں گے۔ گویا میں نے خود انہیں تیر و کمان مہیا کر دیا ہے۔ کہ وہ مجھے ہی نشانہ بنائیں)

(۶) ناامیدی کی یاد میرے لبوں پر سینکڑوں شکووں کا دروازہ کھول رہی ہے۔ (ناامیدی کے سبب میرے لب پر بے شمار شکوے آ رہے ہیں) آخر کب تک کوئی اپنے منہ پر قفلِ خاموشی لگائے رکھے۔ (مجبوراً یاس و ناامیدی سے تنگ آ کر آخر شکوہ کرنا ہی پڑتا ہے)

(۷) نظیری صبر کر کہ دل کا یہ بند ایک دن آخر کار ٹوٹ ہی جائے گا۔ ابھی مجھے کچھ امید باقی ہے۔ اس لئے وہ (دل) اپنی زبان کو قابو میں رکھے ہوئے ہے (ابھی محبوب سے امید و لطف باقی ہے جب بالکل ناامید ہو جائیگی۔ تو یہ مہر خاموشی کی مہر یا قفل عشق خود ہی ٹوٹ جائیگی)

غزل نمبر ۹۴

بحر رمل مثمن محذوف — ارکان:- فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلن

۱ روز آں آید کہ با صد خواریم بر در کشند ۔ پردۂ ناموسِ شب از روزگارم بر کشند

۲ بر سرِ پروانہ شمع از بہرِ آں سوزد کہ بست ۔ جاذبۂ عشقے کہ خاکستر بخاکستر کشند

ہیچ جا نگذاشت کز وے فتنہ باقی نماند | کاش چوں آید غمت رخت از درِ دیگر کشد
از درش تصدیع کم کردم چو دانستم کہ او | خطِ نسیانی مرا یکبارہ بر دفتر کشد
غم کہ ہر شب محلسم افسردہ زو میگشت رفت | امشب از جرأت چراغم دشنہ بر صرصر کشد
چارہ کز بیقراری تشنۂ وصلِ ترا | بر سراب ار چشم افتد دست از کوثر کشد

از فراق امشب نظیری محفلم ماتم کدہ ایست
بوئے خون آید چو عودم شعلہ در مجمر کشد

(۱) وہ دن آ رہا ہے کہ وہ مجھے نہایت ذلت کے ساتھ محلس میں سے (دروازے پر) نکال دے گی۔ اور رات میرے زمانے میں سے ناموس کے پردے کو خارج کر دے گی۔ یا وہ مجھے اپنی محفل میں سے نکال دے گا۔ رات کے پردے میں انسان کے عیوب و نقائص چھپ جاتے ہیں۔ مگر اس کی محفل سے نکالے جانے کی ذلت کو رات کی تاریکی بھی نہ چھپا سکے گی۔ (شب از روز گارم پردہ ناموس را بر کشد مصرعہ ثانی کا نسخہ)

(۲) پروانے کے جل جانے کے بعد اس کے سر پر شمع اس لئے جلتی ہے۔ کہ اس میں وہی عشق کا جذبہ موجود ہے جو خاکستر کی طرف کھینچ رہا ہے۔ پروانہ جذبۂ عشق سے سرشار ہونے کے سبب جل کر خاکستر ہو گیا۔ وہی جذبہ شمع کو جلا کر راکھ کئے دیتا ہے۔
عشق اول در دلِ معشوق پیدا مے شود | تا نسوزد شمع کے پروانہ شیدا مے شود

(۳) اس نے کوئی جگہ ایسی نہیں چھوڑی ہے جہاں اس (کے حسن) کا فتنہ باقی نہ رہا ہو۔ کاش جب تیرا غم (میرے پاس) آئے۔ تو دوسرے دروازے سے اپنا سامان اٹھا لائے۔ تیرے حسن نے ہر جگہ فتنہ بپا کر رکھا ہے چاہتا ہوں کہ غم عشق صرف میرا ہو کر رہ جائے۔ (رخت از در دیگر الخ اور کہیں موجود نہ رہے)

(۴) جب میں نے یقینی طور پر جان لیا۔ کہ وہ میرے تمام دفتر پر یکبارگی خطِ نسیان کھینچ دے گا۔ تو میں اس کے دروازے سے اٹھ آیا (تصدیع کم کردن۔ دردِ سر کم کرنا۔ زحمت نہ دینا گفتگو کو ختم کر دینا)

(۵) وہ غم جس سے میری محفل ہر رات کو افسردہ ہو جایا کرتی تھی۔ جاتا رہا۔ آج رات میرا چراغ جرأت کے سبب سے تند و تیز ہوا پر خنجر چلا رہا ہے۔ (پہلے میں غم سے مغلوب ہو جایا کرتا تھا گویا میں ایسا چراغ تھا جو غم کی ہلکی سی ہوا سے بجھ جاتا۔ اب خواہ مخالف غم کے جھکڑ چلیں میں متاثر نہیں ہوتا)

(۶) میرا کوئی چارہ کرے کیونکہ تیرے تشنۂ وصل کی آنکھ اگر سراب پر بھی پڑ جاتی ہے۔ تو وہ بیقراری کے باعث کوثر سے ہاتھ اٹھا لیتا ہے (مجھے زیادہ عرصہ محروم وصل نہ رکھ۔ کہ میری بیقراری بڑھ رہی ہے۔ ایسا نہ ہو میں مایوس ہو کر کسی دوسری طرف رخ کروں۔ تیرا وصل بمنزلہ کوثر کے ہے اور دوسرے حسینوں کا اس کے مقابلے میں بمنزلہ سراب کے)

(۷) اے نظیری! آج کی رات میری محلس فراق کی وجہ سے ماتم کدہ بن رہی ہے (ایسی) کہ جب میرا عود انگیٹھی میں جلتا ہے۔ تو اس میں سے خون کی بو آتی ہے (عود کے جلنے سے خوشبو آیا کرتی ہے۔ مگر فراق میں وہ بھی جل کر بوئے خون دیتا ہے)

غزل نمبر ۹۵

بحر مجتث مثمن مخبون محذوف — ارکان مفاعلن۔ فعلاتن مفاعلن فعلن

تبسمش بلب از شرم خشم و کیں گردد | کرشمہ اش گرہ از ناز بر جبیں گردد

کند بدیدۂ شکر ریز اشکِ تلخم را ۲ بخندۂ کہ از و زہر انگبیں گردد

از و بقیمتِ آسائشِ ابد بخرم ۳ جراحتے کہ دلم یک نفس غمیں گردد

چو باد از سرِ عالم بیکبار برخیزم ۴ اگر دمے بمن از مہر ہمنشیں گردد

نہ قبلہ دانم و نہ کعبہ کافرِ عشقم ۵ چو سجدہ پیشِ بت آرم قبولِ دیں گردد

گہے کہ جامۂ تقوے درند گویندم ۶ کہ دست کیست کہ پنہاں در آستیں گردد

سخن طرازی و دانش ہنر مظہری نیست
قبولِ دوست مگر نالۂ حزیں گردد

(۱) تبسم اس کے ہونٹوں پر آکر ہنسنے کی وجہ سے غنچہ اور کلیہ بن جاتا ہے۔ اور اس کی ادا ناز کے سبب پیشانی پر گرہ بن جاتی ہے (وہ مسکرانا چاہتا ہے مگر تبسم کے مارے غنچۂ گل کی شکل بنا لیتا ہے اور ادا کرنا چاہتا ہے مگر ناز سے پیشانی پر بل ڈال لیتا ہے۔ اس کا غصہ اور غنچہ دہانی نہیں مقصد ہی ہے)

بے نقابانہ نازنیں پر شوخی لے گئی بازی   تبسم نے عجب انداز سے چینِ جبیں کر لی

(۲) [illegible] وہ جب ہنستا ہے تو اس کے ذریعے جس سے زہر بھی شہد بن جاتا ہے میرے آنسوؤں میں تلخ آنسوؤں کو شکر ریز بنا دیتا ہے۔ (میں غم فراق [illegible] تلخ آنسو بہاتا ہوں۔ وہ آتا ہے اور میری حالت پر ہنسنے لگتا ہے۔ اس کا خندہ شیریں ہے تو گویا میرا گریۂ تلخ بھی اسے شادی دکھاتا ہے۔ تو گویا اس کا خندہ زہر کو شہد کی تاثیر بخشنے والا ہے)

(۳) میں اس سے وہ زخم (عشق) کہ جس سے میرا دل ایک لمحے کے لئے غمگین ہو جائے ہمیشہ ہمیشہ کی آسائش کو بطور قیمت دے کر خرید لوں (غمِ عاشق کا ایک لمحہ آسائشِ ابد سے بڑھ کر ہے)

(۴) اگر وہ [illegible] محبت کی وجہ سے ایک گھڑی بیٹھ جائے۔ تو میں اپنی خوشی کرکے ہوا کی طرح جہان سے ہی اٹھ جاؤں۔ (شادی مرگ ہو جاؤں جو باد از [illegible])

(۵) میں نہ قبلہ جانتا ہوں اور نہ کعبہ بلکہ میں تو عشق میں کفر اختیار کر چکا ہوں۔ (عشق میں قیودِ مذہبی سے آزادی پا چکا ہوں) میں جب بت کے سامنے سجدہ کرتا ہوں۔ تو وہ دوسرے دین کفر میں قبول ہو جاتا ہے (عشق میں سجدۂ کعبہ نہیں بلکہ سجدۂ بت قبول ہوتا ہے) "قبولِ دیں گردد" کا ایک مفہوم یہ ہے کہ کفرِ عشق میں استواری کی وجہ سے سجدہ بت کے آگے ہی کیوں نہ کیا جائے۔ وہ یہاں الٰہی کے اصول کے مطابق قبول ہوتا ہے۔ اس مضمون کو غالب نے تفصیل سے لکھا ہے

وفاداری بشرطِ استواری اصلِ ایماں ہے   مرے بت خانے میں تو کعبے میں گاڑو برہمن کو

(۶) جب وہ پارسائی کے [illegible] کو پھاڑ ڈالتے ہیں۔ تو [illegible] سے کہتے ہیں کہ کس کا ہاتھ ہے جو آستین میں چھپ جاتا ہے۔ (بڑے بڑے پارسا عشق میں مجبور ہو کر جامۂ پارسائی کو چاک چاک کر ڈالتے ہیں۔ گویا وہ عشق میں اس قدر سرشار ہو جاتے ہیں کہ انہیں خود اپنے ہاتھوں اور کپڑوں کی تمیز نہیں رہتی۔ مطلب یہ کہ عشق میں پارسائی قائم نہیں رہ سکتی)

(۷) اے مظہری! سخن آرائی (شاعری) اور دانشمندی کوئی ہنر نہیں ہے (ہاں) غمگین نالہ شاید محبوب کے ہاں قبولیت پالے۔ (عشق میں چرب زبانی اور ہوشیاری کوئی خوبی نہیں بلکہ یہاں درد اور نالہ و فریاد درکار ہیں)



غزل نمبر ۹۶

بحر ہزج مثمن سالم — ارکان:- مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن

۱ دلم را نورِ رحمت از وداعِ جاں فروگیرد
شہادت خانہ ام را پرتوِ ایماں فروگیرد

۲ دلِ پُر حسرتے دارم کہ ہر سو چشم بکشایم
سرشکِ گریہ ام از دیدہ تا داماں فروگیرد

۳ زبس سایہ بہم در کیشِ طاقت ناوکِ آہم
خراشِ سینہ ام را سوزنشِ پیکاں فروگیرد

۴ زخورسندی مداں گر بے تو بر بستر نہم پہلو
سرم را اضطراب از زانوئے حرماں فروگیرد

۵ درآں ساعت کہ آہم گرد راہ از چہرہ افشاند
جراحتہائے اہلِ درد را درماں فروگیرد

۶ بحسرت مے سپارم جاں بہ بند از گریہ چشمم را
کہ گر اشکے بیفتد دہر را طوفاں فروگیرد

اگر آید بجز یادِ تو در خاطر نظیری را
۷ ز دل تا بگذراند صد رہش نسیاں فروگیرد

(۱) جان کے رخصت ہوتے ہی میرے دل پر رحمت کا نور چھا جاتا ہے۔ اور میرے شہادت خانہ کو ایمان کا عکس گھیر لیتا ہے (تن خاکی کو چھوڑنے کے بعد رحمت ایزدی سے جا پیوست ہوتا ہوں اور ایمان سے اکتساب ضیا کرتا ہوں)

(۲) میرا دل ایسا پرحسرت ہے کہ جدھر بھی آنکھ اٹھاتا ہوں میری گریہ کے آنسو آنکھ سے لیکر دامن تک سب جگہ گھیر لیتے ہیں۔ (حسرت بھرا دل اس قدر رلاتا ہے کہ گویا آنکھ سے دامن تک پانی [illegible] رہا ہے۔ بہت روتا ہوں)

(۳) طاقت کے ترکش میں میری آہوں کے تیر اس طرح باہم رگڑ کھاتے ہیں کہ ناوک تیر سے برادہ جھڑ جھڑ کر میرے زخمِ سینہ پر گرنے لگتا ہے۔ (سینہ میں بیشمار آہیں اٹھ رہی ہیں۔ مگر میں ان کو روکتا ہوں۔ آہیں گویا تیر ہیں۔ جو ضبط کے سبب آپس میں رگڑ کھاتی ہیں جب تیر آپس میں رگڑ کھائیں۔ تو ان کی نوک سے برادہ جھڑیگا۔ اور برادہ زخم کو لگا رہتا ہے۔ مطلب یہ کہ آہوں کے ضبط کرنے سے زخم سینہ اور بھی بگڑ رہے ہیں۔ اگر آہ کر لیتا۔ تو طبیعت پر سے کچھ بوجھ ہلکا ہو جاتا ہے)

(۴) اگر میں تیری جدائی میں بستر پر لیٹ جاؤں۔ تو اسے خورسندی پر محمول نہ کر۔ بلکہ بیقراری میرے سر کو محرومی کے زانو سے اٹھا لیتی ہے (لیٹتا ہوں۔ تو آرام و خورسندی کے لئے نہیں بلکہ بے قراری و اضطراب کی وجہ سے تڑپنے کے لئے)

(۵) جب میری آہ راستے کی گرد کو چہرہ سے جھاڑتی ہے۔ تو اہل درد کے زخموں کا علاج ہو جاتا ہے (آہ سے دردمندی ہو جاتی ہے۔ میری آہ ایسی مؤثر ہے۔ کہ میرے دل کا تو کیا دوسرے اہل درد دلوں کا درد کم ہو جاتا ہے)

(۶) میں حسرت سے جان دے رہا ہوں اپنی آنکھوں کو گریہ سے روکے دے کہ اگر ایک آنسو بھی گر پڑا تو تمام زمانے کو طوفان گھیر لے گا۔ (گریہ حسرت سے تمام دنیا کو غرقاب کر دوں گا۔ غالب کہتے ہیں
یاں ہم آپ روتا رہا غالب تو اے اہل جہاں — دیکھنا ان بستیوں کو تم کہ ویراں ہو گئیں)

(۷) اگر تیری یاد کے سوا نظیری کے دل میں کچھ اور آئے۔ تو خدا کرے جونہی وہ اسے دل سے نکالے۔ اسے ہر طرف سے نسیان کی بیماری گھیر لے (اگر تجھے دل سے بھلاؤں۔ تو خدا کرے۔ مجھے کچھ بھی یاد نہ رہے)

غزل نمبر ۹۷

بحر ہزج مثمن سالم — ارکان:- مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن

۱ نشان آنکه کردم قطع امید از دیارِ خود — نهادم در حریمِ کوئے او سنگِ مزارِ خود

۲ برہمن از صنم برگشت و حاجی از حرم آمد — من و اخلاص و عرضِ بندگی و کوئے یارِ خود

۳ تو خواہی کافری داں طاعتم خواہی مسلمانی — مرا کاریست با صدقِ دلِ امیدوارِ خود

۴ خلل گر در بنائے دین و ایمانم شود سہلست — ندانم نقض در بنیادِ عہدِ استوارِ خود — ن ندارم

۵ زرِ کامل عیارم در وفا و دوستی خالص — گرم صد بار بگدازی نگردم از عیارِ خود

۶ لب امید داری بستہ ام از حرفِ نایابی — محبت میکند نوعے کہ باید کرد کارِ خود

۷ نظیری از تو در خوں زینتِ ہر دام از صیدے — تو ہم فتراک را آرایشے دہ از شکارِ خود — ن شد چون

(۱) اس بات کے نشان کے طور پر کہ میں نے اپنے دیار سے امید منقطع کر لی ہے۔ میں نے اُس کی گلی کی چار دیواری کے اندر اپنا سنگِ مزار رکھ دیا ہے (کہ مر کر بھی یہاں سے نہ جاؤں گا)

(۲) برہمن نے صنم کو چھوڑ دیا ہے۔ اور حاجی حرم کو چھوڑ کر آ گیا۔ دونوں نے وفاداری میں اُستواری کا ثبوت نہیں دیا۔ مگر میں ہوں اور سچی محبت ہے۔ اور عرضِ بندگی ہے اور اپنے یار کا کوچہ ہے۔ (میں خلوصِ محبت اور محبوب کی خدمت میں عرضِ غلامی کے لئے اُس کے کوچے میں مستقل طور پر قیام پذیر ہو چکا ہوں۔ اور برہمن اور حاجی کی طرح اس کوچے کو چھوڑ کر نہیں چلا جاؤں گا)

نہ عزمِ حرم کے وفا سے نہ صنم کدہ کی ہوا ہے — مجھے کام ہے دیارِ یار سے در یار پھر دیا ہے

(۳) تو خواہ میری طاعت کو کفر جان اور خواہ مسلمانی۔ مجھے تو صرف اپنے امیدوار دل کے صدق و خلوص سے کام ہے۔ (میں صدقِ دل سے طاعت بجا لاتا ہوں۔ مجھے اس سے بحث نہیں۔ کہ تم اسے کیا نام دیتے ہو)

(۴) اگر میرے دین و ایمان کی بنیاد میں خلل ہو۔ تو ممکن ہے۔ مگر میں اپنے مستحکم عہدِ عشق کی بنیاد میں کوئی خلل اور شکستگی نہیں پاتا (عہدِ عشق تو دو وفا کبھی نہیں ٹوٹ سکتا)

(۵) میں وفا اور دوستی میں بالکل کھرا اور خالص سونا ہوں۔ اگر تم مجھے سو دفعہ بھی پگھلاؤ۔ تو پھر بھی میرے کھرے پن میں فرق نہ آئے گا۔ (آزمائشوں اور امتحانوں میں پورا اتروں گا۔ اور سختیوں سے گھبرا کر ترکِ عشق و وفا پر آمادہ نہ ہو جاؤں گا)

(۶) میں نے اپنے امید کے لبوں کو ناکامی کے الفاظ ذکر سے بند کر رکھا ہے۔ (لبِ امید پر حرفِ ناکامی نہیں لایا) بیشک محبت اپنے کام کو اسی طریق سے انجام دیتی ہے جس طرح کہ انجام دینے کا حق ہے)

(۷) نظیری تیری وجہ سے زخمی ہے۔ اور ہر جال کی زینت شکار سے ہوتی ہے۔ (جو اُس میں پھنسا ہو) اس لئے تو بھی اپنے فتراک کو اپنے شکار سے آراستہ کر۔ (نظیری تیرا شکار ہے اسے اپنے فتراک میں باندھ لے)

غزل نمبر ۹۸

بحر رمل مثمن محذوف — ارکان:۔ فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلن

۱ در بروئے عیش تا بستیم دیگر وا نشد — صد کلید آورد بخت و قفلِ این در وا نشد

۲ در گریبانے کہ غم آویخت کمتر شد درست — خوشدلی کم دوخت دامانے کہ یکسر وا نشد

۳ تا غم از ویرانۂ ما راہِ آمد شد گشود — دیدۂ شمعِ امیدِ ما ز صرصر وا نشد

۴ ہمچناں مکتوبِ ناکامی بہم پیچیدہ ماند — نامۂ سربستۂ ما ہیچ جا سر وا نشد

۵ سعی کردم تا مگر از عشق بردارم دلے — قطرۂ خوں نابہ از روئے اخگر وا نشد

۶ اضطراب از بہرِ جاں بردن بسے پروانہ کرد — پیچ و تابِ شعلہ اش از بال و از پر وا نشد

۷ آنکہ شب خوابِ نظیری را بافسوں بست (بست)
ہیچ کارِ بستۂ او زاں فسوں گر وا نشد

(۱) جب سے ہم نے عشق میں پھنس کر عیش کا دروازہ بند کیا ہے۔ وہ پھر کھلا ہی نہیں میری قسمت بلکہ دروازہ یہاں راس دروازے کو کھولنے کو لائی مگر اس دروازے کا قفل کھل نہ سکا۔ عاشقی میں عیش کا حصول ناممکن ہے! اس میں بخت بھی یاوری نہیں کر سکتا۔ اس کے بالکل برعکس تقابل مطالعہ کے طور پر حالی کا شعر دیکھیے ؂

قفلِ درِ مراد سب اکبار کھل گئے — چھوڑا جب آرزو نے بھروسہ کلید کا

(۲) غم (عشق) جس گریباں میں اٹک گیا وہ پھر درست نہ ہوا۔ خوش دلی اس دامن کو نہیں سیتی جو سر بسر نہ کھل گیا ہو۔ غم عشق تمام دامن کو یکسر چاک کر ڈالتا ہے۔ اور اس حالت میں خوش دلی اور مسرت پاس بھی نہیں پھٹکتی۔ غم اگرچہ چاک داماں ہے تو خوش دلی اس کو سینے کا ذریعہ ہے۔

(۳) جب سے غم نے ہمارے ویرانہ (دل) کی طرف آمد و رفت کا راستہ پا لیا ہے اس وقت سے تیز و تند ہوا کی وجہ سے ہماری امید کی شمع کی آنکھ نہیں کھل سکی (جب سے عشق میں مبتلا ہوئے ہیں۔ ہماری کوئی امید پوری نہیں ہوئی۔ گویا غم بادِ صرصر ہے اور ہماری امیدیں شمع۔ بادِ صرصر میں شمع کیسے روشن رہ سکتی ہے)

(۴) ہماری ناکامی کا خط اسی طرح بند اور لپٹا ہوا پڑا رہ گیا۔ ہمارا سر بمہر نامہ کسی جگہ بھی کھولا نہ گیا۔ ہماری ناکامی و نامرادی کی داستان سے کوئی شخص بھی باخبر نہ ہو سکا ہمارے ضبطِ راز کی وجہ سے یا دوسروں کی بے التفاتی کی وجہ سے۔

(۵) میں نے کوشش کی کہ شاید عشق سے کسی ایک دل کو ہی اٹھا سکوں (بچا سکوں۔ نکال سکوں) مگر خونابہ کا ایک قطرہ آگ کی چنگاری سے جدا نہ ہو سکا۔ (عشق آگ کا شعلہ ہے۔ اور دل ایک قطرۂ خون۔ آگ پر سے قطرۂ خون کا اٹھا لینا ناممکن ہے جو دل عشق میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ وہ اسی میں جل بھن جاتا ہے)

(۶) پروانہ نوجوان کو جلانے کے لئے بہت تڑپا مگر شعلہ کی لپیٹ اور جلن اس کے بال و پر سے جدا نہ ہوئی۔ (عشق کے آخری درجوں میں عاشق جان بھی تو ترکِ عشق نہیں کر سکتا)

(۷) وہ جس نے نظیری کی رات کی نیند کو اپنے منتر سے باندھ دیا سو باندھ دیا۔ مگر اس جادوگر سے اس (نظیری) کا کوئی بھی بندھا ہوا مشکل کام کھل نہ سکا (عشق میں نظیری کی راتوں کی نیند حرام ہو گئی ہو گویا معشوق نے جادو کے زور سے اس کا خواب بند کر دیا)

کر رکھی ہے۔ مگر وہ صرف ابتدا ہی جانتا ہے وانجام سے واقف نہیں۔ کوئی کاربستہ اس سے واہ ہوا یعنی نظیری کو اس نے کبھی
تقرب یا ہم زبانی یار وصل سے شاد کام نہ کیا)

غزل نمبر ۹۹

بحر رمل مثمن محذوف — ارکان:- فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلن

دل نمیدانم کجا زیں آستانم میکشد ۱ مرگ مے بینم کہ با ہجراں عنانم میکشد
ہر سر مو بر تنم دارد خروشے از دِ داغ ۲ ہجر پیوند توا از رگہائے جانم میکشد
داشتم در سینہ پیکانِ خدنگ کارئے ۳ دستِ غیرت ایں زماں از استخوانم میکشد — ن ہجرت
میکند آسودگی سیرے بگردِ خاطرم ۴ گریہ ہم پائے ز چشمِ خوں فشانم میکشد
قصۂ وارستگی امروز پیشِ دل گذشت ۵ طرفہ حرفِ ناامیدی از زبانم میکشد
بر سر بازار جاں بازی کماں آویختم ۶ دستِ غیرت بشکنم گر کس کمانم میکشد
میکشم مہر از کمندِ او نظیری بعد ازیں ۷
گر بصد زنجیر آں نامہربانم میکشد

(۱) میں نہیں جانتا کہ میرا دل مجھے اس آستان سے کہاں لئے جا رہا ہے۔ میں یہ دیکھ رہا ہوں کہ موت ہجر کے ساتھ میری باگ کو کھینچے لئے جا رہی ہے (از چیزے عنان کشیدن:- کسی کام سے باز رہنا۔ با کسے عنان کشیدن:- کسی کے ہمراہ جانا) ہجر کی وجہ سے مر رہا ہوں۔ گویا ہجر اور موت دونوں ہم کار ہیں)
(۲) میرے جسم پر کا ہر ایک بال تیرے داغ ہو جانے کی وجہ سے (تیری جدائی میں) چیخ پکار کر رہا ہے۔ گویا تیرا ہجر میری جان کی رگوں سے اپنا تعلق توڑ رہا ہے۔ وہ تو میری رگ رگ میں سرایت کر چکا ہے۔ گویا تجھے میری رگہائے جان میں پیوست کر دیا گیا ہے اب جب تو مجھ سے جدا ہو رہا ہے تو گویا وہ پیوند ٹوٹ رہا ہے۔ اس کو جس قدر مجھے تکلیف ہو رہی ہے وہ ظاہر ہے)
(۳) میرے سینہ میں ایک کاری تیر کا نشتر چبھ رہا تھا۔ اب میرا دستِ غیرت اُس کو میری ہڈیوں میں سے نکال رہا ہے یا عشق کا تیر سینہ میں پیوست ہو کر رہ گیا لیکن تیر اب بیٹھ گیا تھا۔ میری طبیعت اس کو گوارا نہیں کرتی کہ تیرے سوا کسی اور کی جگہ ہو اگرچہ وہ تیرا ہی تیرِ عشق کیوں نہ ہو غیرت کی وجہ سے ہجرت ہو تو میں بالکل صاف ہو جاتے ہیں۔ وفا ہجر میں اپنی تکلیف محسوس کرتا ہوں۔ گویا ہڈیوں میں سے تیر کھینچا جا رہا ہے)
(۴) آسودگی میرے دل کے گرد سیر کر رہی ہے گریہ بھی میری خون برسانے والی آنکھوں سے پاؤں نکال رہا ہے۔ آسودہ خاطر ہوں۔ اور اس لئے گریہ سے فارغ ہوں) میلے اشتیاق سے چلے جا رہا ہوں گریہ نہیں رہا)
(۵) آج (عشق سے) آزاد ہو جانے کی داستان میرے دل کے سامنے بیان ہوئی۔ اس سے میری زبان سے ناامیدی کے عجیب الفاظ نکل رہے ہیں۔ (عاشق عشق سے آزادی کو پسند نہیں کرتا وہ اس قسم کی باتیں سن کر اس کی زبان سے بے اختیار ناامیدی کے کلمات نکل گئے کہ عشق سے فارغ ہو کر زندگی کا کوئی لطف نہیں)
(۶) میں نے جانبازی کے بازار میں کمان آویزاں کی ہے۔ اگر کوئی شخص میری کمان کو (چلّے پر چڑھا کر) کھینچ دے۔ تو میں اپنی غیرت کے ہاتھ تڑوا دوں۔ (بڑے بڑے بہادروں اور زور آوروں کی آزمائش کی ہے۔ وفا اور سختی برداشت کرنی پڑتی ہے۔ کمان بازار میں لٹکا دینا

دعوت مقابلہ دنیا کہ کوئی میری کمان کو اٹھا سکتا ۔ اور نہ کر سکتا ہے ۔ شاعر کہتا ہے کہ جانبازی میں میرا کوئی سہیم و شریک نہیں ۔ اگر کسی کو حوصلہ ہے ۔ تو آئے اور مقابلہ کر کے دیکھ لے ۔ غیرت کے ہاتھ میں عشق میں غیرت رکھتا ہوں ۔ کہ مجھ سا کوئی دوسرا نہیں ۔ اگر کوئی ایسا نکل آئے ۔ تو میں یہ دعویٰ غیرت چھوڑ دوں گا)

(۷) اے نظیری ! آئندہ وہ نامہربان اگر مجھے سینکڑوں زنجیروں میں بھی جکڑ لے ۔ تو میں پھر بھی اس کی گرفت سے سر نکال لوں گا ۔ (اب وہ خواہ کتنے ہی ناز و انداز دکھلائے ۔ میں اس کا عشق ترک کر دوں گا ۔ سوا سوختہ ہے کہ قابل مطالعہ
نشاں آتش میں پڑ کے بھی اضطراب لائے گا ۔ لئے تو جاتا ہے رشک اس کی انجمن سے مجھے

غزل نمبر ۱۰۰

بحر رمل مثمن محذوف ۔ ارکان :۔ فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلن

بر قفا چشمت نمے افتد چو ایں در وا شود ۱ آں زماں درگاہ بشناسی کہ صدرت جا شود
آنکہ او در کلبۂ احزاں پسر گم کردہ یافت ۲ تو کہ چیزے گم نکردی از کجا پیدا شود
دوست دارد از غریباں نالۂ بیچارگی ۳ عشق میخواہد کہ کشتی غرقہ در دریا شود
زو ہمہ خوبی ز ناز ستی ہما نا لائق است ۴ پردۂ ما بستہ ماند پردۂ او وا شود
ہر کہ مے خواہد کہ منشورِ خراباتش دہند ۵ باید اول خانماں برہم زن و رسوا شود
نشد بہار عمر ناپختست انگورم ہنوز ۶ نیست معلومم کہ آخر سرکہ یا صہبا شود
عمرہا آں گوہر آرم پایم ار آید بکار ۷ حلقۂ آں در بگیرم دستم ار گیرا شود

کم نظیری راست بر جائے نظر افگندہ ام
۸ وائے گر روزِ جزا چشم و دلم گویا شود

(۱) جب یہ دروازہ کھل جاتا ہے ۔ تو پھر تو پیچھے پھر کر بھی نہیں دیکھتا ۔ (در محبوب پر رسائی حاصل کرنے کے بعد کسی دوسری طرف توجہ نہیں کرتا ۔ جب تجھے مسند پر محبوب کے پہلو میں) جگہ ملتی ہے ۔ تو پھر تو درگاہ کو پہچانتا ہے (یعنی تیری آنکھیں کھلتی ہیں ۔)

(۲) وہ جس نے غمکدے میں (حضرت یعقوب نے بیٹا کھو دیا ۔ (آخر اس نے) پا بھی لیا ۔ تو نے جب کوئی چیز کھوئی ہی نہیں تو پائے کہاں سے ۔ (کچھ کھو کر ہی ملتا ہے مسلمہ اصول ہے)

(۳) (وہ ہم) غریبوں سے زاری اور عاجزی کے نالوں کو پسند کرتا ہے ۔ گویا عشق چاہتا ہے کہ کشتی دریا میں غرق ہی ہو جائے (عشق نالہ و زاری کا مقتضی ہے ۔ گویا خواہشمند ہے کہ عشاق زاری و فریاد کرتے رہیں ۔ اور آپ دریا میں غرق ہو جائیں ۔ غریبوں کا لفظ محتمل المعانی ہے ۔ ایک تو نالۂ بیچارگی کی رعایت سے عاجز و درماندہ ۔ دوسرے کشتی و دریا کی مناسبت سے مسافر مراد عشاق)

(۴) وہ ہمہ تن خوبی ہے ۔ اور ہم محض عیب اور برائی ۔ اس لئے یہی مناسب ہے کہ ہمارا پردہ ڈھکا رہے اور اس کا پردہ کھل جائے پہلے مصرعہ کا ترجمہ یوں بھی ہو سکتا ہے ۔ کہ خوبیاں سب اس کی طرف سے ہیں ۔ اور برائیاں ہماری اپنی طرف سے)

(۵) جو شخص چاہتا ہے ۔ کہ اس کو خرابات (کی جاگیر) کا فرمان دے دیں ۔ اسے چاہئے کہ وہ پہلے اپنے گھر بار کو تباہ کرنے والا اور رسوا ہو جائے ۔ (خراباتِ معرفت میں جگہ بھی مل سکتی ہے ۔ کہ پہلے علائق دنیوی کو لات مار کر فنا ہو ، عزت و ناموس کو ترک کر دے)

(۶) عمر کی بہار جوانی، گذر چکی اور ابھی تک میرے انگور خام اور کچے ہیں۔ مجھے معلوم نہیں کہ وہ انجام کار سرکہ بنیں گے یا شراب (انگور سے سرکہ بھی بنایا جاتا ہے اور شراب بھی۔ جوانی۔ جو عمر کی بہار ہے۔ گزر چکی اور ابھی تک قسمت و بخت نے یکسری یا وری نہیں کی۔ نہیں معلوم انجام کیا ہوگا۔)

(۷) اگر میرے پاؤں کام دیں تو اس کے کوچے کا عمرہ و طواف بجا لاؤں۔ اور اگر میرے ہاتھوں میں پکڑنے کی قوت ہو تو میں اس کے دروازے کا حلقہ ضرور پکڑ لوں (یا تو یہ مطلب ہے کہ عشق میں طاقت رفتار اور قوت گرفت جواب دے چکی ہے۔ یا یہ کہ میں اگر عبادت و ریاضت اور احکام شرع کو بجا نہیں لاتا تو میرا قصور نہیں کہ میں مجبور ہوں۔ اور اختیار بدست مختار ہے)

(۸) ایسے نظیری! میں نے کبھی کسی مقام پر سیدھی اور صحیح نظر کم ہی ڈالی ہوگی۔ (حقیقت اشیاء پر میری نظر نہیں پڑتی۔ بلکہ سطحی صورتوں اور شکلوں کو دیکھتا ہوں) کس قدر افسوس ہوگا۔ اگر جزا کے دن میری آنکھ اور دل بولنے لگے (میرے خلاف شہادت دینے لگے۔ کہ اس نے آنکھ سے دیکھنے میں اور دل سے محبت میں حقیقت و معرفت کو نظر انداز کر دیا)

غزل نمبر ۱۰۱

بحر رمل مثمن مخبون مسکن

ارکان:- فاعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلن

۱ ہر سرِ شاخ دریں باغ ہوائے دارد — ہر گلے رنگے و ہر مرغ نوائے دارد
۲ یک شکر کام امیدم ہمہ شیریں کردہ است — نزدِ خود ہر مگسے فرِّ ہمائے دارد
۳ برہمن ہم ز درِ بت کدہ نومید نشد — در ہر خانہ زنی خانہ خدائے دارد
۴ حسن ہر جلوہ کہ از جائے دلت را ببرد — از پئیش گر بروی رہ بجائے دارد
۵ نیست در حلقۂ مستاں ز من آلودہ ترے — اہلِ ہر سلسلہ انگشت نمائے دارد
۶ تا ز خورشیدِ وصالش بفراق افتادم — ہر کہ بر من گذرد طعنِ خطائے دارد — ن فردوس
۷ بفسونِ دہنش بارِ اقامت نکشا — کان سرِ چشمہ عجب زہر گیائے دارد
۸ تا بماند بغلط چہرہ فلک می بازد — گرچہ خصلے تہند ذوقِ دغائے دارد
۹ حذر از شہرتِ خونریز کسے باید کرد — کہ اگر کشتہ شود نوحہ سرائے دارد
۱۰ بمن آں کن کہ سزاوارِ جمالِ تو بود — شمع در سوزشِ پروانہ سزائے دارد

غمِ مخمور الفتِ معشوق مظہری باتست
"بودِ ہر ذرہ بخورشید بقائے دارد

(۱) اس باغ میں ہر ایک شاخ کوئی خاص شوق و ولولہ لئے ہوئے ہے۔ ہر پھول کوئی خاص رنگ اور ہر پرندہ کوئی خاص نغمہ رکھتا ہے۔ (ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر است)
(۲) (اس کی ہنسی کی) ایک شکر نے میری امید کے حلق کو شیریں کر دیا ہے۔ (ذرا اس شکر اگر اس نے مجھے پر امید کر دیا ہے)

اپنے نزدیک ہر گز بھی ہما کا دبدبہ رکھتی ہے (اس کی ذرا سی مسکراہٹ بھی بہت ہے پہلے مصرعہ میں کام تسکر کے ساتھ مل کر تسکر کام بمعنی شیریں دہن سے بھی پڑھا جاسکتا ہے اور امید کا مضاف الیہ بنا کر کام امید مراد بھی)

(۳) برہمن بھی بتکدہ کے دروازے سے ناامید نہیں ہوا اس لئے کہ تو جس گھر کا دروازہ بھی کھٹکھٹائے گا اس میں کوئی نہ کوئی گھر کا مالک موجود ہوگا پھر تو اس مالک حقیقی کا دروازہ کیوں نہیں کھٹکھٹاتا تاکہ بامراد ہو۔ برہمن بت سے ناامید نہیں ہوتا اور تو اس قادر مطلق سے ناامید ہوا جاتا ہے)

(۴) ہر اس جلوہ کا حسن جو تیرا دل چھینے لیتا ہے۔ (دل از جا بردن:۔ دل کو اپنی جگہ نہ رہنے دینا مبتلائے عشق کر لینا، اگر تو اس کا تعاقب کرے تو دیکھے معلوم ہو گا کہ وہ بھی آخر ایک خاص مقام پر پہنچ جاتا ہے (ہر حسن کا مرکز ایک ہے۔ اس لئے اگرچہ عشق مجازی ہی کیوں نہ ہو۔ وہ تمہاری عشق حقیقی کی طرف رہنمائی کرے گا)

(۵) مجھ سے بڑھ کر مستوں کے حلقہ میں کوئی گنہگار نہیں ہے (قاعدہ کی بات ہے کہ ہر سلسلہ والوں میں کوئی نہ کوئی انگشت نما ہوتا ہے (انگشت نما:۔ جس کی طرف اشارے اور طعن کے لئے انگلیاں اٹھیں۔ برائی میں مشہور۔ ہر خاندان اور سلسلہ میں کوئی نہ کوئی شخص اپنے عیوب کی وجہ سے انگشت نما ہوتا ہے مستوں کے حلقہ میں اس قسم کا شخص میں ہوں)

(۶) جب سے میں اس کے وصال کے بہشت سے فراق میں گرا ہوں جو شخص بھی میرے پاس سے گزرتا ہے مجھے گناہ کا طعنہ دیتا ہے (اس کا وصال گویا بہشت تھا فراق بہشت سے ہبوط ہے، اس لئے افتادم کا لفظ لایا ہے۔ آدمؑ کو لغزش کی وجہ سے بہشت سے نکال دیا گیا تھا میری حالت ہجر کو لوگ میرے کسی گناہ کا نتیجہ قرار دے کر مجھ پر طعنہ زنی کرتے ہیں) حسن مجازی کا حسن حقیقی کی طرف رہبری اگرچہ تصوف کے بنیادی اصولوں میں شمار ہوتا ہے لیکن بعض ارباب علم یہ دعویٰ بھی کرتے ہیں کہ تصوف اسلامی کی رو سے اس مسئلہ کی عام تعبیر سے کوئی نسبت نہیں ہے، اور یہ غ افلاطونی فلسفہ اور شاعری کی کلاسیکی ضمنیات کا اثر ہے)

(۷) اس کے منہ کے منتر کے پاس اپنے قیام کا سامان مت کھول (اس کا منہ جادو کا منتر ہے اس کے عشق میں گرفتار نہ ہو۔ کیونکہ وہ سر چشمہ عجیب زہر گیا رکھتا ہے (زہر گیا کے مقابلے میں کہ مؤثر محبت و الفت ہے۔ اس کا دہن زہر گیا، کی خاصیت رکھتا ہے تمہیں اس سے زہر ناکامی کے سوا کچھ حاصل نہ ہوگا)

(۸) آسمان جب تک موجود ہے دتا بماند، غلط مہرہ کھیلتا رہے گا (آسمان کبھی سیدھی چال نہ چلے گا) اگرچہ اس نے داؤ پر کچھ بازی نہیں لگا رکھی۔ مگر بھی پھر وہ فریب کا شوق رکھتا ہے (خصل لفتح خار داؤ اور داؤ پر جو نقدی لگائی جائے جس شخص نے داؤ پر نقد بازی لگا رکھی ہو۔ وہ تو اس نقدی کے بچاؤ کیلئے فریب کی کچھ وجہ جواز پیش کر سکتا ہے۔ مگر آسمان یونہی فریب کرتا ہے)

(۹) اس شخص کی خونریزی کی شہرت سے بچنا چاہئیے کہ اگر اسے قتل کر دیا جائے تو اس کا کوئی نوحہ کر نیوالا بھی موجود ہو (نوحہ گر مقتول کے قتل کو شہرہ آفاق کر دے گا۔ اور اس طرح قاتل رسوائے عالم ہو جائے گا۔ غالباً شاعر لطیف پیرایہ میں معشوق کو اپنے قتل کی دعوت دیتا ہے۔ کہ بدنامی سے مت ڈر میرا تو رونے والا بھی کوئی نہیں۔ اس لئے کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوگی شہرت خون ریز:۔ خونریزی کی شہرت۔ وہ شہرت جو مقتول ہونے پر حاصل ہوگی یا شہرت جو خونریز ثابت ہو گی۔ پہلے معنی بہتر معلوم ہوتے ہیں)

(۱۰) میرے ساتھ ایسا سلوک کر جو تیرے حسن کے شایان شان ہو شمع بھی پروانے کے جلانے میں مناسبت (کو ملحوظ) رکھتی ہے (تو بھی اپنے حسن کی سوزش سے مجھے جلا ڈال۔ اگر دوسرے مصرعہ کے معنی "شمع پروانے کو جلانے کی وجہ سے سزا پاتی ہے" کئے جائیں تو مفہوم بالکل بدل جائیگا یعنی تو مجھے جلا نہیں کیونکہ شمع الم مگر اس کے معنی کے لئے "در سوزش" کی جگہ "از سوزش" ہونا چاہیئے)

(۱۱) اے نظیری! غم نہ کھا کہ معشوق کا غم تیرے پاس موجود ہے اور ہر ذرے کی ہستی آفتاب ہی کی بدولت بقار و ثبوت رکھتی ہے (غم عشق۔ آفتاب اور عاشق ذرہ حقیر ہے۔ عاشق کی بقا غم معشوق پر موقوف ہے)

غزل نمبر ۱۰۲

بحر مضارع مثمن اخرب ارکان:۔ مفعول فاعلاتن مفعول فاعلاتن

گر تشنہ بر سر خم میسر م عجب نباشد ، رحمے نمے نمایند تا جاں بلب نباشد

با صد امید خوانند کز انتظار سوزند ۲ چوں در نمی کشایند کاش ایں طلب نباشد

صہبائے راز دادند سرمست شوق کردند ۳ گویند لب کشودن شرطِ ادب نباشد

من یک سبب ندارم در گیر بر درِ بخت ۴ یک مدعا نسازند تا صد سبب نباشد

چوں زلتے بہ بینند آمرزشے نمایند ۵ پائے اگر نلغزد جائے طرب نباشد

ہرگز دلِ توانگر لذت نیابد از عشق ۶ غم نیست عاشقاں را گر قوتِ شب نباشد

از عقدہائے دوراں دل بد مکن نظیری
۷ آنرا کہ واگذارند جز از غضب نباشد

(۱) گر میں غم سے پاس پیاسا مر جاؤں تو کوئی تعجب کی بات نہیں کیونکہ جب تک کوئی شخص جاں بلب نہ ہو۔ وہ رحم نہیں کیا کرتے عشق میں مے وصل سے آسانی سے سیراب نہیں کرتے،

(۲) وہ جنہوں نے ہمیں، سینکڑوں امیدیں دلا کر بلایا۔ اب انتظار میں جلا رہے ہیں۔ جب وہ دروازہ نہیں کھولتے تو کاش یہ طلب ہی نہ ہوتی (اگر عشق میں مبتلا کر کے جلانا اور انتظار ہی کروانا تھا تو ہمیں پہلے ہی سے جمال نہ دکھلایا ہوتا۔ جس کے فریب میں ہم آ گئے)

(۳) انہوں نے ہمیں راز کی شراب پلا دی اور عشق و محبت میں سرمست کر دیا۔ اور پھر ہمیں کہتے ہیں کہ لب کھولنا (اظہارِ راز کرنا) شرطِ ادب کے خلاف ہے (سرمستیِ محبت در راز کی حالت میں رازِ عشق کے اخفا کا حکم ہے ظاہر ہے کہ مستی میں بات کا منہ سے نکل جانا بس کی بات نہیں)

(۴) میرے قبضے میں تو ایک سبب بھی نہیں۔ حالانکہ قسمت کے دروازے پر جب تک سو سبب موجود نہ ہوں۔ ایک مقصد کو بھی پورا نہیں کرتے (بے شمار اسباب مہیا ہوں تب کہیں قسمت سے ایک مقصد پورا ہوتا ہے۔ پہلے مصرعہ میں "در گیر" "گرفت میں" کے معنوں میں ہے)

(۵) جب کوئی لغزش اور غلطی دیکھتے ہیں تو عفو و بخشش کو ظاہر کرتے ہیں (جس سے غلطی ہو اسی کو معاف کرتے ہیں)، اگر کسی شخص کا پاؤں نہیں پھسلتا (غلطی نہیں کرتا) تو یہ کوئی خوشی کا مقام نہیں (گناہ و لغزش کے بعد ندامت و استغفار سے گنہگار رحمت و بخشش کا مستحق ٹھہرتا ہے۔ جس سے گناہ ہی نہیں ہوا اس کا استحقاقِ آمرزش کیسا اس مضمون پر حافظ کا یہ شعر بے نظیر ہے اور تمام کوششیں اس کا منہ چڑا رہی ہیں ؎

نصیبِ ماست بہشت اے خدا شناس برو
کہ مستحقِ کرامت گنہگار انند)

(۶) توانگر آدمی کا دل عشق سے ہرگز کوئی لطف حاصل نہیں کر سکتا۔ عاشق تو وہ ہوتے ہیں کہ اگر ان کے پاس شب کا کھانا بھی موجود نہ ہو تو انہیں کوئی غم نہیں ہوتا (عشق میں برداشت شدائد کی قوت درکار ہے جو امراء میں نہیں پھر وہ عشق سے کیا لطف اندوز ہو سکتے ہیں)

(۷) اے نظیری! زمانے کی مشکلات سے بد دل اور ملول مت ہو کیونکہ جسے بالکل آزاد چھوڑ دیتے ہیں، وہ سوا غضب کے اور کسی وجہ سے نہیں (واگذارند۔ عقدہا کے مقابلے میں لایا ہے۔ مصائبِ زمانہ کو "عقدہ" گرہیں قرار دیا ہے۔ گویا جس شخص کو یہ گرہیں نہیں لگائی گئیں اور اسے "واگزار" کر رکھا ہے اس کی واگذاری قہر و غضب کی وجہ سے ہے نہ کہ لطف و کرم کے باعث)

غزل نمبر ۱۰۳

بحر مضارع مثمن اخرب محذوف — ارکان:- مفعول فاع لات مفاعیل فاع لن

آں بخت فتنه جو که تو دیدی بخواب شد ۱ واں دل که بود سخت تر از خاره آب شد
گلگونۂ ہوا و ہوس رنگ وا گذاشت ۲ خال و خطِ عروسِ طبیعت خراب شد
دل را که حرفِ سوختگاں داغ کرده بود ۳ میرفت تا بر آتشِ ایشاں کباب شد
در بحرِ شوق کشتیِ دل ریسماں برید ۴ در کوئے یار خیمۂ تن بے طناب شد
ایں بُو ز سنبل و گلِ ہر کشورے نخاست ۵ تا در خطا کدام گیا مشک ناب شد
دایم کسے بقافله بوده است پاسباں بیدار شو که چشمِ رفیقاں بخواب شد
خشکیِ لب به تشنه لباں آب میدہد ۶ تا مستعد شدیم دعا مستجاب شد
مستی چه خوب کرد که ایں پرده بر گرفت ۷ رخسارۂ حقیقتِ ما بے نقاب شد

تاریخِ واقعاتِ شہاں نا نوشته ماند
۸ افسانه که گفت منظہری کتاب شد

(۱) وه فتنه کا خواستمند بخت جسے تم نے دیکھا تھا وه سو گیا ہے (وه زمانه جب میں خود مشکلات اور حوادث کو دعوتِ مقابله دیا کرتا تھا گزر چلا اور وه دل جو پتھر سے بھی زیاده سخت تھا۔ اب پانی پانی ہو چکا ہے۔

(۲) ہوا و ہوس کے غازے کا رنگ چھٹ گیا (دور ہو گیا) اور طبیعت کی عروس کے خط و خال خراب ہو گئے (بڑھاپا آ گیا اور ہوا و ہوس کا رنگ سرد پڑ گیا۔ گو یا طبیعت جوانی میں عروس تھی جس کے خط و خال اب بگڑ گئے ہیں)

(۳) وه دل جس کو سوختگانِ عشق کی باتوں نے داغ کر رکھا تھا (وه دکھ سے عشق میں) جاتا رہا۔ یہاں تک کہ انہیں کی آگ میں جل کر کباب ہو گیا۔ (جو دل بھی عاشقوں کے حالات سن سن کر ان کی حالت پر افسوس سے کڑھا کرتا تھا۔ خود آتشِ عشق میں جل بجھا)۔

(۴) عشق کے سمندر میں دل کی کشتی نے رسیاں توڑ ڈالیں (تمام سہارے اور تعلقات ترک کر دیئے) اور یار کے کوچے میں جسم کا خیمه بے طناب ہو گیا (گر پڑا)

(۵) یه خوشبو ہر ایک ملک کے گلاب و سنبل سے پیدا نہیں ہوتی (معلوم نہیں خطا میں کونسی گھاس خالص مشک بنتی ہے (ایک ہی نوع کے مختلف افراد میں سے سر بلندی و عظمت کسی ایک آدھ ہی کے حصے میں آتی ہے)

(۶) قافلے میں ہمیشه کوئی نه کوئی پاسباں ضرور رہا کرتا ہے۔ تو بیدار ہو کیونکه باقی تمام رفیقان قافله سو گئے ہیں (باقی سب لوگوں پر غفلت چھا گئی ہے۔ تو تم ہوشیار رہو که بیخبری میں قافله لٹ نه جائے۔ اگر مصرعه کو بطور استفہام انکاری لیا جائے تو مطلب یه ہو گا که قافلے میں کوئی شخص ہمیشه پاسباں نہیں رہتا۔ کئی جا چکے تمہیں ہوش کرنا چاہیئے۔ که تمہاری باری بھی آنے والی ہے

فگنده ناقه عماری و ساربان غافل   متاع برده حرامی و کاروان خفته

(۷) ہماری خشکیٔ لب تشنہ لبوں کو آب دیتی ہے۔ ہم جب سے کمربستہ ہو گئے ہیں۔ ہماری دعا قبول ہو گئی ہے ز خشکیٔ لب دعا و زاری کرنے کی وجہ سے لب خشک ہو گئے ہیں۔ اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ تشنہ لبوں کو ہماری خشک لب سے مشابہت کی وجہ سے عزت و آبرو حاصل ہے۔ دوسرا مطلب یہ کہ گو دعا و زاری کی وجہ سے ہمارے لب خشک ہو رہے ہیں مگر ان میں وہ اثر د برکت ہے کہ تشنہ لبوں کو اپنی دعا کے ذریعے سے سیراب کر سکتے ہیں مستعد:۔ کمربستہ مراد دعا و عبادت پر کمربستہ ایک اور طرح یہ بھی معنی ہو سکتے ہیں کہ تشنہ لبوں کو ان کی خشکیٔ لب آبرو بخشتی ہے چنانچہ جب سے ہم مستعدِ عبادت در یاضت ہو کر تشنہ لب ہوئے ہیں ہمیں قبولیت دعا کا مرتبہ حاصل ہو گیا ہے)

(۸) مستی نے کیا خوب کیا کہ یہ پردہ اٹھا دیا اور ہماری حقیقت کے چہرے کو بے نقاب کر دیا رہم نے مستی میں افشائے راز کر دیا ورنہ ہماری حقیقت چھپی رہ جاتی۔ شاعر کی مراد "انا الحق" سے ہے کہ درحقیقت انسان بلکہ تمام کائنات بقول صوفیا، اسی وحدت کا ایک قطرہ ہے)

(۹) بادشاہوں کے واقعات کی تاریخ تو ان کی رہ گئی (ان کے لکھنے کی طرف تو کسی نے خاص توجہ نہ دی)، مگر جو افسانہ نظیری نے بیان کیا وہ کتاب بن گیا (داستان عشق یا اشعار نظیری محفوظ کر لئے گئے)

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق   ثبت است بر جریدۂ عالم دوام

غزل نمبر ۱۰۰

بحر ہزج مثمن اخرب مکفوف مقصور الآخر   ارکان: مفعول مفاعیل مفاعیل مفاعیل

۱ دوران مے حسرت ہمہ در ساغرِ ما کرد   بر ہر چہ نہادیم دل از دیدہ جدا کرد
۲ نکشود قضا شست کہ آہے نکشیدم   بر دوست ترم خوردہ خدنگے کہ رہا کرد
۳ بازوئے ہنر دارم و اقبال ندارم   میکوشم و کارے نتوانم بسزا کرد
ن ر ۴ فریاد بر آریم از آں یار مشعبد   کو از ازل ایں شعبدہ چرخ نما کرد
۵ خود طلعتِ خود دیدہ و گر پردہ برانداخت   خود فتنۂ خود گشت و دگر فتنہ بپا کرد
۶ با آنکہ لبش داد منادیٔ محبت   نہ بر سر مہر آمد و نے عہد وفا کرد
۷ ناوک فگنے بر سر ہر راہ نشانید   در عشق کمندم بگلو بست و رہا کرد
۸ دشمن بارم افگند و دوست بآتش   با اینہمہ حد نیست کہ گویم کہ جفا کرد
۹ چندیں سخنِ عشق کہ گفتند و شنیدند   کس حقِ محبت نتوانست ادا کرد
۱۰ برّند بجائے پر و بالش سر و منقار   مرغے کہ بلند از سر ایں شاخ نوا کرد

خورسند بتسلیم و رضا گشت نظیری
۱۱ مسکیں نتوانست خصومت بقضا کرد

(۱) زمانے نے حسرت کی شراب تمام کی تمام ہمارے ہی پیالے میں ڈال دی ہے (تمام حسرتیں میری قسمت میں لکھ دی ہیں) ہم نے جس چیز پر بھی دل رکھا (جس چیز کو بنظرِ پسند دیکھا) اسی کو ہماری آنکھوں کے سامنے سے ہٹا دیا۔

(۲) قضا نے کوئی تیر نہ چھوڑا جس کی وجہ سے میں نے آہ نہ کی ہو۔ (ہر تیرِ قضا کا نشانہ میں بنا) جو تیر بھی اس نے چھوڑا وہ میرے سب سے زیادہ پیارے کو لگا (دوست تر۔ سب سے زیادہ دوست یعنی دل)

(۳) میرے پاس ہنرمند بازو تو ہیں۔ مگر اقبال مندی نہیں میں کوشش کرتا ہوں (کوشش کا تعلق بازوئے ہنر سے ہے) مگر کوئی کام بھی بوجہ احسن نہیں کر سکتا کیونکہ اقبال یاور نہیں)

(۴) ہم اس شعبدہ باز دوست کی وجہ سے فریاد کرتے ہیں۔ کیونکہ اس نے روز ازل سے یہ آسمان کا شعبدہ چھوڑ رکھا ہے۔ (آسمان ہر روز نیا رنگ بدلتا ہے مگر آسمان خود کچھ نہیں کر سکتا۔ جو کچھ کرتا ہے اسی کے حکم سے کرتا ہے)

(۵) اس نے خود ہی اپنا چہرہ دیکھ کر پردہ الٹ دیا۔ خود ہی اپنے اوپر فریفتہ ہو گیا۔ اور پھر فتنہ برپا کر دیا (صوفیا کے عقیدہ "ہمہ اوست" کے مطابق سب کچھ وہ خود ہی ہے

خود کوزہ و خود کوزہ گر و خود گلِ کوزہ خود برسرِ بازار خریدار بر آمد

(۶) باوجودیکہ اس کے لبوں نے محبت کا اعلان عام کر دیا مگر نہ تو وہ کبھی بر سرِ محبت آیا اور نہ کبھی عہد کو وفا کیا۔

(۷) اس نے ہر راستے کے اوپر ایک تیر انداز بٹھا رکھا ہے۔ اور عشق کی کمند میرے گلے میں ڈال کر مجھے آزاد کر دیا۔ (ہر طرف عشق کے تیر انداز موجود ہیں۔ عشق کی کمند سے گلو خلاصی ممکن نہیں)

(۸) وہ دشمن کو بہشت میں ڈالتا ہے اور دوست کو دوزخ میں۔ باوجود اس کے میری طاقت نہیں کہ یہ کہوں کہ اس نے ظلم کیا ہے (وہ جو کچھ چاہتا ہے کرتا ہے اور وہی موزوں و مناسب ہوتا ہے۔ بڑے سے بڑا پارسا بطور استحقاق بہشت میں نہیں جا سکتا۔ اور بڑے سے بڑا ملحد و بے دین دہریہ کو اگر وہ اپنے فضل سے چاہے تو بہشت میں جگہ دے سکتا ہے۔ اور پارسا کو دوزخ میں بھیج سکتا ہے)

(۹) اگرچہ لوگوں نے عشق و محبت کی اس قدر باتیں کہی اور سنی ہیں۔ مگر کوئی شخص بھی محبت کا حق ادا نہ کر سکا (حقِ محبت ادا کرنا آسان کام نہیں)

(۱۰) (دوسرا مصرعہ پہلے) جس مرغ نے اس شاخ پر نغمہ بلند کیا (عشق کو راز افشا کیا) اس کے پر و بال کی جگہ سر اور چونچ کاٹ ڈالتے ہیں۔ اس مضمون پر عرفی کا ایک قطعہ بند یاد رکھنے کے قابل ہے ؎

صیدِ دل را کشند بہ بند کسے کہ اگر سر کشد سر اندازد
مرغِ جاں را برد بباغ گلے کہ اگر پر زند پر اندازد

(۱۱) نظیری دوست کی رضا اور تسلیم پر خوش ہو گیا (رہتا۔ دوست کی مرضی پر رضا مند ہو جانا تسلیم: اپنے کو دوست کی مرضی کے حوالے کر دینا، بے چارہ تقدیر سے نہیں جھگڑ سکتا تھا کہ اس کی تقدیر میں اس عشق کا عشق لکھا تھا۔)

غزل نمبر ۱۰۵

بحر رمل مثمن مخبون محذوف ارکان: فعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلن

نہ ز جہدم بکفِ بختِ عناں مے آید ۱ نہ بزورم زہِ دولت بکماں مے آید
نہ مرا بازوئے قایم نہ مرا دیدۂ راست ۲ ہمہ بے قصد خدنگم بہ نشاں مے آید
تو کہ آسودہ دلی از نفسم سود مخواہ ۳ منکہ شوریدہ ام آتش بزباں مے آید ن سوز
سخنِ مردمِ دیوانہ حقیقت دارد ۴ در عبارت باشاراتِ نہاں مے آید
عشق در مملکتِ عقل چو سلطاں گردد ۵ روش و عادتِ دیگر بمیاں مے آید

میکنم سور چو از خانۂ علائق برود ٦ مید ہم خیر چو از راہ بہ پایاں مے آید

ہمہ بر خویش ز بیم دم آخر سرزنند ٧ جائے خوف ست کہ کشتی بکراں مے آید

مردِ درگاہ و سراپردۂ عزت نبود ٨ ہر کہ دامن بسر پائے کشاں مے آید

وصل جویانِ تو بر بوئے نسیمے گردند ٩ کہ از بوئے تلف کاری جاں مے آید

طاقتِ جور و جفا نیست تُنک حوصلہ را ١٠ گریہ چوں نکند دل بفغاں مے آید

اینکہ با طبع شبابست نظیری چہ عجب

١١ پیرو دپیر بمیخانہ جواں مے آید

(١) نہ تو میری کوشش سے بخت کے ہاتھ میں (اختیار کی) باگ آتی ہے اور نہ میرے زور سے دولت کی زہ کمان میں آتی ہے۔ (زور بازو سے دولت حاصل نہیں کر سکتا۔ گویا کمانِ دولت کڑی ہے اور میں اسے زہ نہیں کر سکتا)

(٢) اگرچہ نہ تو میرے بازو ہی قائم ہیں۔ اور نہ میری آنکھیں ہی درست (دیکھ سکنے والی) ہیں (مگر اس کے باوجود میرے تمام تیر بے ارادہ نشانے پر بیٹھ رہے ہیں (آہیں با اثر ہیں)

(٣) تو کہ خوش دل ہے، میرے دم سے منفعت کی امید مت رکھ (میری تپش اور جلن تہیں اور تمہاری آسائش کو جلا دیگی یا یہ کہ تم میں عشق سے فیض پانے کی اہلیت نہیں)، اور میں جو شوریدہ اور دیوانہ ہوں میری زبان سے آگ جھڑتی ہے۔ (سخنانِ عشق گویا آگ کی چنگاریاں ہیں)

(٤) دیوانے آدمیوں کی باتیں حقیقت ہوتی ہے اور وہ (حقیقت) عبارت میں پوشیدہ اشاروں سے بیان کی جاتی ہے (دیوانگان طریقت و معرفت کی باتیں دراصل حقیقت کے اشارات پر مشتمل ہوتی ہیں)

(٥) جب عشق عقل کی مملکت پر فرمانروا بن جاتا ہے تو پھر نئے ہی طور طریقے رائج ہو جاتے ہیں (عقل کی جگہ دیوانگی و شیفتگی لے لیتی ہے)

(٦) جب گھر بار سے میرے تعلقات ٹوٹ جاتے ہیں تو خوشی مناتا ہوں۔ اور جب مجھے راستہ میں نقصان پہنچتا ہے۔ تو میں خیرات دیتا ہوں (عشق میں خانماں بربادی اور قطع علائق ہی کامیابی کا ذریعہ ہے)

(٧) سب لوگ آخری وقت (موت)، کے خوف سے اپنے آپ میں کانپتے ہیں۔ کیا یہ کوئی خوف کا مقام ہے کہ کشتی کنارے کے پاس آ رہی ہے (یعنی دراصل موت خوف کا موقع نہیں کیونکہ کشتی عمر ساحلِ زندگی کے کنارے لگ رہی ہوتی ہے۔ اس کامیابی پر خوش ہونا چاہیئے۔ استفہام کے بغیر دوسرے مصرعہ کا مطلب یہ ہوگا۔ یہ خوف کا مقام ہے کیونکہ کشتی ساحل کے کنارے لگ رہی ہے کنارے کے پاس کشتی کے ریت میں دھنس جانے کا خطرہ ہوتا ہے۔ موت کے وقت بھی خطرہ ہے کہ کشتی ایمان کفر اور انکار کی دلدل میں پھنس کر رہ نہ جائے)

(٨) (دوسرا مصرعہ مقدم) جو شخص فخر و ناز سے چلتا ہے (دامن بسر پا کشیدن: دامن کو پاؤں میں لٹکاتے ہوئے چلنا۔ علامت کبر و نخوت) وہ عزت کے مکان اور درگاہ کا مرد میدان نہیں۔ اسے طریقت کی بارگاہ اور حریم عزت میں جگہ نہیں مل سکتی)

(٩) تیرے وصل کے طالب اس نسیم کی خوشبو پر گرویدہ و فریفتہ ہیں۔ کہ جس سے جان کی تلف کاری کی بو آتی ہو (وہ ہوا جو تیرے کوچے سے آتی ہے اس کے ساتھ تیرے کوچے کے کشتگانِ ناز کی بوئے خون بھی شامل ہوتی ہے۔ یہ گویا عاشق کو پیغام جاں سپاری ہے۔ اور وہ اسے بصد ذوق لیتا ہے۔ یا یہ کہ نسیم میں بوئے جاناں شامل ہے اور وہ عاشقوں کا جان لیوا ہے۔ اس کے باوجود وہ اس نسیم کو پسند کرتے ہیں)

(١٠) تُنک حوصلہ شخص میں جور و جفا کے برداشت کی طاقت نہیں ہوتی کیونکہ وہ بیچارہ، جب ضبط گریہ کرتا ہے تو اس کا دل فریاد کرنے لگتا ہے (اور اس طرح ضبط برداشت کو جواب دے بیٹھتا ہے)

(١١) یہ جس حالت میں کہ نظیری طبع جوان رکھتا ہے (جوانی کے عالم میں اس کی جو کیفیت ہے) اس سے کوئی تعجب نہیں کہ وہ بوڑھا ہو کر مے خانے میں جائے اور جوان ہو کر نکل آئے (جوش اور زور بیان کا نظیری کی طبیعت میں کوئی ٹھکانا نہیں۔ بڑھاپے میں بھی عشق و الفت کی وجہ سے اس میں کمی نہ آئے گی)

غزل نمبر ۱۰۶

بحر مضارع مثمن اخرب مکفوف محذوف — ارکان: مفعول فاع لات مفاعیل فاع لن

۱ بیگانہ رو شود بدرِ آشنا رود — آں کس کہ آشنا بتو باشد کجا رود
۲ از خاکبوسِ کوئے تو تا پا کشیدہ ام — بر راہ من جدا روم و دل جدا رود
۳ احرام عہدِ روزِ ازل کعبہ کوئے تست — جز راہِ عشق ہر کہ رود بر خطا رود
۴ صہبائے راز بیش ز اندازہ میدہند — گر دم زند حریف سرش برہوا رود
۵ عشاق نازِ حسن نہ ارزاں خریدہ اند — بسیار سر کہ بر سرِ ایں ماجرا رود
۶ شادی کہ غبن میکشی و دم نمے زنی — در شہرِ ایں معاملہ باہر گدا رود
۷ عشق آمد و تمام بگوشم دروں دمید — رازے کہ درمیانِ مس و کیمیا رود
۸ ایں حاجیاں زدور صدائے شنیدہ اند — کس در درونِ پردہ چہ داند چہا رود
۹ زاں بحرِ موج زن چہ کم آید اگر شبے — بر کشت زارِ سوختہ آبِ بقا رود
۱۰ عریاں تنیِ عارفِ معنی جمالِ اوست — فرِّ ہما بماند و پرِّ ہما رود
۱۱ ما پیرہن ز سادگی از بر فگندہ ایم — وز کینہ دیر در برِ دشمن قبا رود
۱۲ غمگیں مباش زود نظیری فرح دہند — چوں بندۂ مطیع ہمہ بر رضا رود

(۱) اگر بیگانہ کو رد کر دیا جائے (نکال دیا جائے) تو وہ کسی آشنا کے دروازے پر چلا جاتا ہے۔ مگر جو شخص صرف تیرا ہی آشنا ہو وہ کہاں چلا جائے (عاشق تیرا در چھوڑ کر نہیں جا سکتا۔ بیگانہ رقیب کے متعلق کہتا ہے کہ وہ جذبات عشق حقیقی سے محض بیگانہ اور بوالہوس ہے اس لئے وہ "تو نہیں اور نہی اور نہیں اور سہی" پر عمل کر سکتا ہے مگر میرا عشق تو صادق ہے۔ اور اس لئے اول و آخر تو ہی میری امید گاہ ہے)

(۲) جب سے میں تیرے کوچے کی خاکبوسی کو چھوڑ کر نکلا ہوں۔ (پا کشیدن: روانہ ہو جانا۔ چلے جانا) اس وقت سے (حالت یہ ہے کہ) میں الگ راہ چلتا ہوں (اور میرا) دل الگ چلتا ہے جا رہا ہوں۔ مگر دل تیرے کوچے کو چھوڑ کر جانا نہیں چاہتا۔ اس کو اس طرح ادا کیا ہے کہ گویا دو ہم سفر ہیں مگر دونوں کی منزل مقصود مختلف ہے۔ اس لئے دونوں مختلف راستوں پر جا رہے ہیں۔ اور یہ واقعہ ہے کہ جب انسان کا دل کہیں جانے کو نہ چاہتا ہو تو اس کے قدم کہیں پڑتے ہیں اور اس کا خیال کہیں ہوتا ہے

دل چاہتا نہ ہو تو زباں میں اثر کہاں — ہوتی نہیں قبول دعا ترک عشق کی

(۳) روزِ ازل کا عہدِ اَلَست عاشقوں کا احرام ہے اور تیرا کوچہ ان کا کعبہ ہے اور عہدِ اَلَست کے بندھے ہوئے تیرے کوچے کے طواف میں ہمیشہ مصروف رہتے ہیں، اس لئے جو شخص بھی عشق (معرفت) کے راستے کو چھوڑ کر کسی اور راہ پر چلتا ہے وہ غلط جا رہا ہے۔

(۴) (تو بےنیازی کی شراب اندازہ سے زیادہ دے لیتے ہیں مگر (بیچارہ وہ) حریف بادہ جب ذرا دم مارتا ہے تو اس کا سر ہوا میں اڑ جاتا ہے (معرفت کی شراب سے سرشار ہو کر جب حالتِ جذب و سلوک میں راز افشا ہو جاتا ہے تو گردن اڑا دیتے ہیں۔ بیش از اندازہ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ "انا الحق" کہنے میں منصور معذوری کے قابل تھا۔ کہ اس کو اندازے سے زیادہ پلا دی گئی تھی یعنی اس کا ظرف اتنا نہ تھا۔ کہ وہ اس کو برداشت کر سکتا)

(۵) عاشقوں نے حسن کے ناز کچھ ارزاں تو نہیں خرید لئے بلکہ اس معاملہ میں بہت سے سر چلے جاتے ہیں (عشق میں سر تک نذرِ تیغِ قاتل کرنا پڑتا ہے۔ عاشقی آسان نہیں)

(۶) تو اس پر خوش ہے کہ (عشق میں) نقصان اٹھاتا ہے اور دم نہیں مارتا۔ مگر عشق کے شہر میں تو ہر فقیر کے ساتھ یہی معاملہ ہوتا ہے۔ (عشق میں تیرا ترکِ تعلقات و لذات کا نقصان برداشت کرنا کوئی بہت قابلِ فخر امر نہیں۔ ہر گدا سے یہ اظہار مقصود ہے کہ تو تو عشق میں امارت و سرداری اور انا و لاغیری کا دعوے دار ہے اور پھر اتنا نقصان برداشت کرنے پر فخر کرتا ہے۔ حالانکہ عشق میں جو بالکل معمولی درجہ رکھتے ہیں۔ وہ بھی اس قدر نقصان برداشت کر کے فخر نہیں کرتے)

(۷) عشق آیا اور اس نے میرے کان میں تمام راز پھونک دیا (بیان کر دیا) جو تانبے اور کیمیا کے درمیان ہوا کرتا ہے (میں تانبے کی طرح کم قیمت و حقیر تھا۔ عشق نے کیمیا کا کام کیا اور اب میں سونا ہوں)

(۸) ان حاجی لوگوں نے تو دہی سے ایک آواز سنی ہے۔ کسی کو کیا معلوم کہ پردے کے اندر کیا ہو رہا ہے (یہ صرف احکامِ ظاہری کو بجا لانے والے اسرار و رموزِ طریقت سے بےخبر ہیں)

(۹) اس ٹھاٹھیں مارتے ہوئے (دریائے) رحمت کے سمندر میں کیا کمی آ جائیگی۔ اگر کسی شب ایک جلی ہوئی کھیتی کو آبِ زندگی مل جائے (اس کے لطف و کرم کے بحرِ مواج سے اگر ہم سوختہ سامانوں کو سیراب کر دیا جائے تو اس سمندر میں کچھ کمی نہیں آ سکتی اقبال نے شاعرانہ بےباکی سے یوں کہا ہے ؎

تِرے ساغر میں مے باقی نہیں ہے | بتا کیا تو مرا ساقی نہیں ہے
سمندر سے ملے پیاسے کو شبنم | بخیلی ہے یہ رزاقی نہیں ہے

(۱۰) عارفِ حقیقت کی عریانیِ جسم اس (معشوقِ حقیقی) کے جمال کے سبب سے ہے (دیکھو) ہما کا شکوہ و شان باقی رہتا ہے۔ حالانکہ ہما کا پر خود ہما چلا جاتا ہے (کہتے ہیں کہ جس کے سر پر ہما کا سایہ پڑ جائے وہ پادشاہ ہو جاتا ہے۔ بادشاہی فرِ ہما ہوئی جو ایسے شخص کو حاصل ہو جاتی ہے۔ حالانکہ ہما جا چکا ہوتا ہے! اسی طرح عارفانِ راہِ طریقت پر اس جمالِ حقیقی کا سایہ پر تو افگن ہوتا ہے اور وہ دنیا و مافیہا کے علائق و اسباب سے منقطع ہو جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ انہیں اپنے تن تک کو ڈھانپنے کا ہوش نہیں رہتا مگر ان کی یہ عریانی تن فرِ ہما ہے کہ وہ اسی کو شاہی سے بڑھ کر خیال کرتے ہیں)

(۱۱) ہم نے تو بوجہ سادگی (بیوقوفی) اپنے جسم پر سے لباس اتار پھینکا۔ اور دشمن کے جسم پر اس کی دشمنی کے باعث قبا دیر تک رہتی ہے (قبا۔ چغہ۔ دشمن۔ شیطان مراد ہے۔ مطلب یہ کہ شیطان نے لباسِ فریب پہن کر آدمؑ کو نافرمانی پر آمادہ کر دیا۔ اور ان کا لباس اتر گیا۔ آدمؑ سادگی کے باعث شیطان کے فریب میں آ گئے)

(۱۲) اے نظیری! غمگین نہ ہو کہ جب فرمانبردار غلام بالکل آقا کی رضا پہ چلے تو پھر اس کو خوش کر دیا کرتے ہیں (شیوۂ تسلیم و رضا اختیار کرے گا تو تجھے ابدی مسرت حاصل ہو جائے گی)

غزل نمبر ۱۰۷

بحر مضارع مثمن اخرب مکفوف مقصور | ارکان: مفعول فاعلات مفاعیل فاعلان

دل کز تو شد بریدہ کم از سنگ و روی نبود ۔ پیوندِ روح بود بتو انس و خو نبود
قہر تو ناگہاں بسر آمد سبب نداشت ۔ ہجرِ تو اتفاق فتاد آرزو نبود ف وصل
ناسازیٔ نزاکتِ طالع سبو شکست ۔ با آنکہ دُردم آں قدر اندر سبو نبود

چشم و دماغ مردمِ عاقل گرفتہ بود ۴ یا خود گُلِ جنونِ مرا رنگ و بو نبود

عقلم کہ امتیاز نکرد ز گہر ز استخواں نکرد ۵ کامِ ہما برید و دُرش در گلو نبود

گر پُل براہِ نامہ و قاصد نمے شکست ۶ بسیار تیرہ آبِ محبّت بجو نبود

معجر فرو گذاشت بسر کانِ گُلِ غدار ۷ لایق بروئے مفلسِ ناشستہ رو نبود

گفتم کہ عہد بستن و تنہا گذاشتن ۸ دانی بد است اگرچہ نگویم نکو نبود

حُسنِ تو در تراز وئے ابرو بلا فروخت ۹ روزے بمن کہ دسترسِ سنگ ورو نبود

گفت آں زماں کہ غمزہ ام ایں ماجرا نوشت ۱۰ ہیچم بہ ہستئ تو سر گفتگو نبود

اے طائرے کہ نامہ سوئے دوست میبری

۱۱ گر پرسدت کہ بود نظیری؟ بگو. نبود

(۱) جو دل تجھ سے کٹ گیا (تجھ سے ترکِ محبت کر گیا) وہ پتھر اور کانسی سے کم سخت نہیں ہوگا میرا دل تو کسی طرح بھی تجھ سے جدا نہ ہو سکا کیونکہ میری تو روح کا تجھ سے پیوند تھا۔ صرف اُنس اور خو نہ تھی (کسی جگہ یا کسی شخص کے پاس رہنے سے اس سے کچھ اُنس ہو جایا کرتا ہے اور اس کی وجہ "عادت" ہوتی ہے کہ اس جگہ یا اس شخص کو دیکھنے یا ملتے رہنے کی وجہ سے طبیعت اس کی عادی ہو جایا کرتی ہے۔ میری محبت تجھ سے اس قسم کے "اُنس" "یا خو" کی بنا پر نہیں بلکہ وہ تو میری روح میں پیوست ہو چکی ہے جو کسی طرح جدا ہو ہی نہیں سکتی)

(۲) تیرا قہر اچانک ہمارے سر پر نازل ہو گیا۔ حالانکہ اس کی کوئی وجہ نہ تھی۔ اور ہمیں تیرے ہجر کے برداشت کرنے کا اتفاق ہوا۔ حالانکہ ہماری خواہش نہ تھی (تیرا قہر و ہجر تیرے ارادہ و اختیار کا نتیجہ ہے۔ ہماری خواہش و رضامندی کو اس میں مطلق دخل نہیں)

(۳) (میری قسمت کی نزاکت کی ناموافقت نے شراب کا مٹکا توڑ ڈالا۔ باوجودیکہ مٹکے میں تو اس قدر تلچھٹ بھی نہ تھی اور مٹکے میں تھوڑی سی تلچھٹ تھی شراب مطلق نہ تھی۔ میری قسمت اس قدر نازک اور مجھ سے ناموافق ہے کہ مجھے وہ بھی پینا نصیب نہ ہوئی اور بدقسمتی سے مٹکا ہی ٹوٹ گیا)۔

(۴) یا تو عقلمند لوگوں کی آنکھیں اور دماغ بند تھے، اور یا پھر میرے ہی جنون کے پھول میں کوئی رنگ اور بو نہ تھی (ارباب عقل نے میرے جنون عشق کی کیفیت سے کچھ بھی استفادہ نہ کیا۔ اس کو اس طرح بیان کرتا ہے جنون ایک پھول ہے جس میں رنگ بھی ہے اور خوشبو بھی مگر "عقلمندوں" کے دماغ اور آنکھیں بند ہیں کہ وہ نہ اس کی خوشبو سونگھ سکتے ہیں اور نہ رنگ کو دیکھ سکتے ہیں۔ عشق کا لطف "عقل" کی زنجیر سے نکل کر ہی پا سکتے ہیں)

(۵) میری عقل نے جو موتی اور ہڈی میں امتیاز نہ کر سکی۔ ہما کا حلق چیر ڈالا۔ حالانکہ اس کے گلے میں موتی نہ تھا (ہما ہڈی کھاتا ہے اس کے حلق میں ہڈی کے سوا کچھ نہیں مل سکتا۔ عقل کم اندیش ہے کہ موتی کی امید و تلاش میں ہما کا گلا چیر ڈالا۔ عقل کوہرِ عشق و حقیقت کی تلاش میں کامیاب نہیں ہو سکتی)

(۶) اگر میرے خط اور قاصد کے راہ میں پل نہ ٹوٹ گیا ہوتا تو (عشق و محبت کی) نہر میں محبت کا پانی کچھ زیادہ گدلا تو نہیں تھا (اگر میرے اور دوست کے درمیان نامہ و پیام کا سلسلہ منقطع نہ ہو جاتا تو یقیناً وہ بھی میری محبت کا دم بھرنے لگتا۔ کیونکہ اس کے دل میں میری طرف سے کچھ زیادہ کدورت نہ تھی)

(۷) اس نے سر پر دوپٹہ اوڑھ لیا۔ کیونکہ اس کا وہ پھول جیسا رخسار (گل عذار میں اضافت تشبیہی ہے) مجھ جیسے ناشستہ رو مفلس کے دیکھنے کے قابل نہ تھا (میں اس کا جمال دیکھنے کے قابل نہیں۔ اس لئے اس نے پردہ کر رکھا ہے)

(۸) میں نے کہا تم خود جانتے ہو کہ عہد وفا باندھنا اور پھر (چاہنے والوں کو) تنہا چھوڑ دینا بُرا ہے۔ اگرچہ میں نہیں کہتا کہ تمہارا عہد وفا

کر کے مجھے تنہا چھوڑ دینا، اچھا نہیں تھا (معشوق کی طرف سے عہد وفا کی شکست کو عاشق اپنے منہ سے برا نہیں کہتا۔ بلکہ "دانی" کہہ کر اس کی شہادت دلاتا ہے اور اس طرح اپنے منہ سے اس کی برائی بیان کرنے کے مقابلے میں کہیں زیادہ زور پیدا ہو گیا ہے)

(۹) تیرا حسن ابرو کی ترازو میں اس روز بھی میرے پاس بلائیں بیچ رہا تھا۔ جب ابھی پتھر اور کانسی دستیاب نہیں ہو سکتے تھے (دونوں ابروؤں کو ترازو کے دو پلڑوں سے تشبیہ دی ہے مطلب یہ کہ میں روز ازل سے عشق میں مبتلا ہوں ؎

باغمزہ ایں معاملہ پیش از الست بُود — حرف بلیٰ نبود کہ زخمم بلا رسید

سنگ و روترازو کی مناسبت سے لایا ہے کہ پتھر اور لوہے کے بات وزن کے کام آتے ہیں)

(۱۰) وہ کہنے لگا کہ جس وقت میرے غمزے نے یہ ماجرا لکھا۔ اس وقت مجھے تیری ہستی سے کوئی گفتگو نہ تھی (جب میں نے غمزہ دکھایا تو میرا مقصود تمہیں گرفتار عشق بنانا نہیں تھا یہ قطعہ بند ہے اور ازل معاملہ اور ہستی کی کارفرمائیاں اور حسن و عشق کے تعلقات ابدی ان اشعار کا موضوع ہے)

(۱۱) اے وہ طائر (نامہ بر پرندے) کہ دوست کی طرف خط لئے جا رہا ہے اگر وہ تجھ سے پوچھے کہ نظیری زندہ موجود تھا؟ تو کہنا کہ نہیں تھا۔ (نامہ محبوب کو پہنچنے تک زندہ نہیں رہ سکوں گا یا یہ میں اس کی ہستی کے مقابلے میں نیست ہوں)

غزل نمبر ۱۰۸

بحر مضارع مثمن اخرب مکفوف مقصور — ارکان: مفعول فاعلات مفاعیل فاعلان

۱ ساقی قدح نداد و سفالِ سبو نمود — چندانکہ جرعہ بچشمِ آبرو نمود
۲ میخواست بوسہ رختِ اقامت بگسترد — از فرشِ جبہہ راہ بران خاک کو نبود
۳ دندان زدِ ہزار نگاہِ گرسنہ بُود — لعلِ لبش کہ بادہ باآں رنگ و بو نبود
۴ درباخت دل بعشق مقمر ہر آنچہ داشت — ہرگز قمار خانہ باین رُفت و رو نبود
۵ از بیقراریٔ دلم ابرو ترش نکرد — باآنکہ میفروشِ مغاں نیک خو نبود
۶ تہ جرعہ نداد کہ اسرارِ دوستی — لایق بہرزہ مستِ سرِ چارسو نبود
۷ تا صبحدم صنم صنمم بود بر زباں — کانجا مجالِ عابد اللہ گو نبود
۸ زاں حسرتے کہ در دلِ من میفروش کرد — بزمِ مئے نشد کہ لبم خشک ازو نبود
۹ بس آرزو کہ داشت نظیریِ پختہ گو — امروز گنج یافت کہ در آرزو نبود

(۱) ساقی نے (مجھے) پیالہ نہ دیا (کہ اس سے پی لوں۔) اور میرے پاس مٹکے کا ٹھیکرا بھی نہ تھا (کہ اسی میں لے لیتا) گویا میری اتنی بھی آبرو نہ تھی کہ ایک گھونٹ ہی پی لیتا (بچشم جستن سے مضارع واحد متکلم)

(۲) بوسہ چاہتا تھا کہ اقامت کے لئے ڈیرہ ڈال دے مگر پیشانیوں کے فرش کی وجہ سے اس کوچے کی زمین پر راستہ ہی نہ تھا۔ میں چاہتا تھا کہ اس کے آستاں کو بوسہ دوں۔ مگر وہاں پہلے سے اس قدر عشاق پیشانیاں رگڑ رہے تھے کہ تمام گلی میں گویا پیشانیوں کا فرش بچھ رہا تھا۔ پھر میں آستان پر کیسے پہنچ سکتا)

(۳) (دوسرا مصرعہ مقدم) اس کے لعل جیسے (سرخ) لب کہ شراب میں بھی اُن جیسی رنگ و بو تھی۔ ہزاروں حریص نگاہوں کے دنداں زدہ تھے۔ (دنداں زدہ: یعنی ہزاروں عشاق کی حریص نگاہیں ان لعلہائے لب پر دانت رکھتی تھیں۔ دنداں زدن:- کاٹ کھانا۔ دنداں زدہ- اسم مفعول ترکیبی)

(۴) (دمیرے) دل نے اس قمار باز کے عشق میں جو کچھ بھی موجود تھا سب ہار دیا۔ ایسا کہ قمار خانہ میں بھی کبھی اس طرح سے جھاڑو نہ دی گئی ہوگی (باوجود صفائی کرنے اور جھاڑو دینے کے قمار خانے میں کچھ نہ کچھ خس و خاشاک کہیں نہ کہیں رہ جاتا ہوگا۔ مگر میرے دل کو عشق نے بالکل ہی جھاڑ پھیر دیا ہے۔ دل میں معشوق کے سوا گویا دوسرے خیالات خس و خاشاک ہیں کہ ان سے دل کو صاف کر دینا ہی بہتر ہے۔ مقمر- قمار باز)۔

(۵) (دوسرا مصرعہ مقدم) باوجودیکہ پیر مغاں نیک خو نہ تھا۔ مگر اس نے میرے دل کی بیقراری کی وجہ سے پیشانی پر بل تک نہ ڈالا (میری بیقراریٔ عشق دیکھ کر بڑے بڑے سنگ دل میرے ساتھ نرمی سے پیش آنے لگتے ہیں)

(۶) اس نے مجھے تہ کا ایک گھونٹ بھی نہ دیا (تہ جرعہ بہ قلب ترکیب اضافت یعنی جرعۂ تہ) کیونکہ دوستی کے اسرار و رموز ہر طرف گھومنے والے بیہودہ مست کے لائق نہ تھے (میں مستی میں آوارہ و مجنون پھرتا ہوں۔ مجھ جیسے شخص سے اسرارِ معرفت کی حفاظت ناممکن ہے اس لئے مجھے ان اسرار و رموز کی تلچھٹ بھی نہیں دی گئی۔ کیونکہ مئے ظرفِ قدح خوار کے مطابق دیتے ہیں)

(۷) جہاں اللہ کا نام لینے والے عابد کو بھی (اللہ گوئی کی) مجال نہ تھی۔ وہاں میری زبان پر صبح کے وقت تک صنم صنم کا ذکر رہا (ریاکارانہ اللہ گوئی سے مخلصانہ بت پرستی بہتر ہے جو جرأت ایک مخلص بت پرست میں ہو سکتی ہے وہ ریاکار اللہ پرست میں نہیں ہو سکتی)

(۸) اس حسرت کی بدولت جو مئے فروش نے (مجھے محروم مئے رکھ کر) میرے دل میں پیدا کر دی کبھی کوئی شراب نوشی کی محفل ایسی برپا نہ ہوئی کہ جس کی وجہ سے میرے لب خشک نہ ہوئے ہوں (محبوب نے اپنے وصل کی شراب سے مجھے محروم رکھا۔ اور اس حسرت میں میں خشک لب رہا۔ اب جب بھی کہیں "بزم مئے" قائم ہوتی ہے تو "اپنے مئے فروش" کی کم نگہی کی یاد میں میری حسرتیں تازہ ہو جاتی ہیں)

(۹) پختہ کو نظیری بہت آرزو میں کیا کرتا تھا۔ مگر آج اسے ایک ایسا خزانہ مل گیا ہے جو اس کی آرزو میں نہیں تھا (کئی بار اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا جا چکا ہے کہ اکثر اوقات مقطع سے نظیری کا شوق شاعری ظاہر ہوا کرتا ہے۔ ہر چند نظیری صنعت گری کا شیفتہ اور آرایش کلام کا خوگر ہے لیکن وہ محسوس کرتا ہے نقصان جذب دل ایسا بھی ممکن ہے کہ تعمیر آرایش اور تصنع کے معانی رنگیں اس کے تارِ تخیل میں پرو دیئے جائیں یعنی وہ خزانہ جس کا خواب میں بھی کبھی خیال نہیں آیا تھا میسر ہو جائے۔ اس سے پہلے بھی اشارہ کیا جا چکا ہے کہ نظیری صنعت گری الفاظ سے خود بھی کبھی کبھی بیزار ہو جاتا تھا۔ سہ

دلم از صنعتِ الفاظ نظیری بگرفت — اندمِ پیر ہری سادہ بیانے بمن آر

غزل نمبر ۱۰۹

بحر رمل مثمن اخرب مکفوف مقصور — ارکان: مفعول۔ فاع لات مفاعیل۔ فاع لات

۱ صبحے بنال راہِ فلک بر نبستہ اند — ہر چند در بر آمدہ در نبستہ اند

۲ حرمانِ تو زہمتے کوتاہ بینِ تست — ہرگز درِ کریم بکافر نبستہ اند

۳ سرمایۂ شناختِ چراغیست دادہ اند — اما رہِ چراغ ز صرصر نبستہ اند

۴ بر تشنگاں ببارِ تجلی برائے چیست — دریا کریم و ظرفِ ترا سر نبستہ اند

۵ ما مے زہم رخشِ ترا پے نکردہ اند — ما وحشی ایم بازِ ترا پر نبستہ اند

۶ عالم ز ظلمتِ شبِ حرماں سیاہ شد — کو آفتاب اگر رہِ خاور نبستہ اند

۷ مکتوبِ دوست داریٔ ما را جواب نیست — غیر از سرش ببالِ کبوتر نبستہ اند

ہر مرغ بر ہوائے گُلے آشیاں نہند ۸ بر شاخِ شعلہ بالِ سمندر نبستہ اند

تا چند عودِ خام نظیری فروختن ۹ دودے بر آر روزنِ مجمر نبستہ اند

(۱) کسی صبح کو اللہ کو فریاد کر کیونکہ آسمان کا راستہ بند نہیں کر دیا گیا (تمہاری دعا و فریادِ صبحگاہی اثرِ قبول سے محروم نہ رہے گی) اگرچہ تم دیر سے آنے ہو مگر ابھی (در) دانے کو بند نہیں کر لیا ہے۔ غفلت و مدہوشی سے جس وقت بھی توبہ کر کے اس درگاہ کی طرف جھکو گے معاف کر دیئے جاؤ گے۔

(۲) تیری محرومی تیری کوتاہ بین ہمت کا نتیجہ ہے۔ کیونکہ اس کریم کا دروازہ تو کبھی کافر پر بھی بند نہیں کرتے ہیں۔ پھر اگر تو بھی مستعد کمر بستہ ہو جائے تو کوئی وجہ نہیں کہ محروم رہے۔ سعدی کہتے ہیں ؎

اے کریمے کہ از خزانۂ غیب ‏ گبر و ترسا وظیفہ خور داری

دوستاں را کجا کنی محروم ‏ تو کہ با دشمناں نظر داری

(۳) اکارکنانِ قضا و قدر نے) تجھے تمیز کا سرمایہ دے کے طور پر) ایک چراغ (عقل و دل) دیدیا ہے لیکن اس چراغ کا راستہ صرصر پر بند نہیں کر دیا (حرص و ہوا کے جذبات تمہاری عقل اور دل کے لئے صرصر کا حکم رکھتے ہیں۔ کہ ان سے چراغِ تمیز بجھ جاتا ہے۔ اس لئے اسے ان سے بچاؤ)

(۴) پیاسوں پر خوب ابر برسا دے۔ آخر یہ کنجوسی کس لئے ہے کہ وہ کریم ایک سمندر ہے اور تیرے برتن کا منہ بھی بند نہیں کیا ہے (اس کے دروازے سے جتنا چاہو لو اور دوسروں کو بھی دو۔ اس کے خزانوں میں اس سے کوئی کمی نہیں آجائے گی)۔

(۵) ہم اگر وحشت زدہ ہو کر بھاگ رہے ہیں۔ تو تیرے گھوڑے کے تو پاؤں نہیں کاٹ دیئے ہیں (پے زدن کردن۔ پاشنہ بریدن برائے منع دویدن) اگر ہم وحشی ہیں۔ تو تیرے باز کے تو پر نہیں باندھ رکھے ہیں۔ (اگر ہم تجھ سے بھاگتے ہیں۔ تو خود ہم کو اپنی طرف کھینچ سکتا ہے یعنی وہ غالب کا مضمون کھڑ میں اور بزمِ ناز سے یوں تشنہ کام آؤں)

(۶) محرومی کی رات کی تاریکی کے سبب تمام دنیا تاریک ہو رہی ہے۔ اگر مشرق کا دروازہ بند نہیں کر دیا گیا تو آفتاب کہاں ہے (ہماری محرومی کی تاریکی سے دنیا اندھیر ہو رہی ہے۔ یہ ایسی تاریکی ہے کہ آفتاب بھی اسے روشن نہیں کر سکتا۔ آفتاب نکلا بھی ہو تو اس تاریکی کی وجہ سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نہیں نکلا)

(۷) ہماری دوستداری (محبت و عشق) کے خط کا کوئی جواب نہیں ہے اس لئے انھوں نے کبوتر کے بازو سے اس کے سر کے سوا کچھ نہیں باندھا ہے (ہمارا نامۂ محبت بے مثل و بے نظیر تھا۔ اس لئے وہ جواب سے قاصر رہے۔ جھنجلا کر کبوتر نامہ بر ہی کا سر کاٹ کر جواب خط کی جگہ اس کے بازو میں باندھ دیا یا یہ کہ محبوب نے ہمارے نامہ محبت کا کوئی جواب تو نہیں دیا البتہ کبوتر کا سر کاٹ کر اس کے بازو سے باندھ دیا ہے۔ کبوتر کے سر کو بازو میں باندھنے سے یہ اشارہ مقصود ہے کہ عشق و محبت کا انجام یہ ہوا کرتا ہے)

(۸) ہر ایک پرندہ کسی نہ کسی پھول کی محبت میں (باغ میں) آشیانہ بناتا ہے۔ سمندر (مرکب از سام + اندر۔ آگ کا کیڑا) کے بازو کو شعلہ کی شاخ پر نہیں باندھتے ہیں۔

(۹) اے نظیری! یہ عودِ خام کو ظاہر کرنے کا سلسلہ کب تک (جاری رہیگا) انگیٹھی کے سوراخ بند نہیں کر دیئے ہیں۔ تو دھواں نکال دے (عودِ خام: کچی عود مراد کلامِ ناقص۔ عود فروشی بطریقِ ہنر فروشی اور دوست فروشی یعنی اظہار عود گویا دھواں دے رہا ہے جب تک لکڑی اچھی طرح جلنے نہیں لگتی دھواں دیتی ہے۔ مطلب یہ کہ خام کلامی کو چھوڑ کر اور پختہ گوئی سے کام لے۔ دیکھئے اوپر والی غزل کا آخری شعر

غزل نمبر ۱۱

بحرِ رمل مثمن مخبون مسکن ‏ ارکان:۔ فاعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلن

حُسن جنبید ز خواب و مژہ برہم زد ۱ فتنہ برپا شد و نیشے برگِ عالم زد

۲ ہر چہ در پردہ نہاں بود ہویدا کردند — چہ شبے بود کہ ایں صبحِ سعادت دم زد

۳ بے محبت نمودند اجابت ہر چند — بانگِ تسبیحِ ملک بر فلکِ اعظم زد

۴ مطلبِ جملۂ ذرّات زجا بر جستند — مایۂ عیش چو بر خاکِ بنی آدم زد ن عشق

۵ خواست آئینۂ تحقیق بما بسپارد — قفلِ کوری بہ دل و دیدۂ نامحرم زد

۶ غرض آں داشت کہ از عشوہ اش آگہ باشیم — بر دروں زخم ز اندیشہ نمک از غم زد

۷ عقل چوں دید کہ عشق آمد و خونخوار آمد — لب فرو بست و دم از سلطنتِ خود کم زد

۸ روحِ آزاد کزیں معرکہ جاں بیروں برد — دست در حلقۂ فتراکِ خم اندر خم زد

سر ازیں قصہ نظیری نہ نیارد بیروں

۹ گرچہ عمرے بسخن گشت و ورق برہم زد

(۱) حُسن خواب سے بیدار ہوا - اور پھر پلک جھپکی۔ (اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ) ایک فتنہ برپا ہو گیا - اور جہان کی رگ پر ایک نشتر لگا دیا۔ (پلکیں گویا نشتر تھیں۔ جو حسن کے بیدار ہونے پر جہاں والوں کے دلوں میں نشتر کی مانند پیوست ہو کر رہ گئیں۔ یہاں حسن سے مراد حسنِ حقیقی ہے خواب سے بیدار ہوا یعنی جب تخلیق عالم کا ارادہ کیا)

(۲) جو کچھ بھی پردے میں تھا، نے سب کچھ ظاہر کر دیا - (پہلے) کیسی تاریک) رات تھی کہ اچانک اس صبح سعادت نے طلوع کیا۔ (دوسرا مصرعہ بطور تمثیل ہے تعظیم کے لئے۔ اور کلام کی فصاحت ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ تخلیقِ عالم سے پہلے سب کچھ راز میں تھا کُنتُ کنزاً مخفیاً وہ کائنات کے وجود میں آنے سے ظاہر ہو گیا فَاَحْبَبْتُ اَنْ اُعْرَفَ فَخَلَقْتُ الْخَلْق
گویا تخلیق عالم سے پہلے رات تھی گھپ اندھیری۔ تخلیق عالم کے ساتھ ہی صبح سعادت نکل آئی)

(۳) (دوسرا مصرعہ مقدم) اگرچہ فرشتوں کی تسبیح (خدا کی پاکیزگی بیان کرنا سبحان اللہ کہنا) کی آواز عرش عظیم تک پہنچی تھی مگر وہ محبت (کے درد) کے بغیر قبول نہ ہوئی۔ سہ

دردِ دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو — ورنہ طاعت کے لئے کچھ کم نہ تھے کرّوبیاں

(۴) جب سرمایہ زندگی بنی آدم کی مٹی کو دیا گیا۔ تو تمام ذرات کا مقصد پورا ہو گیا (انسان ہی تمام کائنات کی آرزو اور مراد تھا۔ یا یہ کہ وہی کائنات کی علت غائی تھا۔ جب وہ پیدا ہو گیا۔ تو گویا مقصد تخلیق عالم کی تکمیل ہو گئی۔ بر جستند کو جمع لانے کی وجہ میں نہیں سمجھ سکا۔ یا تو مطلب کی جگہ دوسرا لفظ چاہیئے۔ اور یا بر جستند کچھ اور ہونا چاہیئے۔ از جا بر جستن: خوشی سے اچھل پڑنا)

(۵) اُس (خالق کائنات) نے چاہا کہ تحقیق (حق کو پر کھنے اور جانچنے) کا آئینہ ہمارے سپرد کر دے۔ اس لئے اُس نے نامحرم دل اور آنکھ پر اندھے پن کا قفل لگا دیا۔ (اس ذات بے ہمتا کی معرفت کو تحقیق کے بعد پہنچنا انسان کے دل کی صفائی کا موجب ہے۔ اس کا دل آئینہ ہے۔ جو شخص اسرار معرفت سے نامحرم رہتا ہے وہ آنکھوں کا بھی اندھا ہے کہ مناظر قدرت سے اسرار معرفت کو نہیں دیکھتا اور دل کا بھی کہ کائنات عالم پر غور نہیں کرتا)

(۶) اس کا مقصد یہ تھا۔ کہ ہم اس کے عشوہ (ناز معشوقانہ) سے واقف ہو جائیں اس لئے اس نے ہمارے سینے میں اندیشہ کا زخم (لگا دیا) اور غم کا نمک (اس پر) چھڑک دیا (عشق میں اندیشۂ دل زخم کا درجہ رکھتا ہے اور زخم نمک سے بگڑ جایا کرتا ہے ہمارے زخمِ دل پر غم کا نمک چھڑکا گیا۔ دردِ عشق معشوق کے عشوؤں کو یاد دلاتا رہتا ہے)۔

(۷) عقل نے جب دیکھا کہ عشق (دل میں) آگیا ہے اور خونخوار ہو کر آیا ہے تو وہ خاموش ہو گئی اور اپنی سلطنت کا دعویٰ ترک کر دیا (عشق کے سامنے عقل نہیں ٹھہر سکتی۔ جہاں عشق آجاتا ہے وہاں عقل کی حکومت کا خاتمہ ہو جاتا ہے)

(۸) آزاد روح جو اس معرکہ سے جان سلامت بچا لے گئی تھی۔ اس نے اس کے پیچ در پیچ شکار بند کے حلقہ میں ہاتھ ڈال

(دل عشق میں مبتلا ہوا مگر جان سلامت تھی۔ وہ بھی اس کے شکار بند کے ساتھ بند ھ گئی یعنی اس کا شکار ہو گئی)

(۹) نظیری اس قصہ سے سر نہیں نکال سکتا (فارغ نہیں ہو سکتا کہ قصۂ عشق کی کوئی انتہا نہیں، اگرچہ اس کی عمر کا بہت بڑا حصہ شاعری میں گزرا اور کئی ورق اس نے الٹ کے دیکھے)

غزل نمبر ۱۱۱

بحر رمل مثمن مخبون مسکن — ارکان۔ فاعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلن

۱ شادیٔ عشقِ تو ہنگامۂ غم برہم زد — شورِ حُسنت نمکے بر جگرِ آدم زد

۲ شب ز دیدارِ تو گردید مہر آبستن — جامہ بر سنگ ز سورِ رخِ تو ماتم زد

۳ شہدِ لبہائے تو دکانِ مسیحا دربست — دست در دامنِ تیغِ نگہت مرہم زد

۴ کعبہ آمد حجرالاسودِ خالت بوسید — غوطہ در موجۂ چاہِ ذقنت زمزم زد

۵ تا قضا خالِ بہشتی جمالِ تو بدید — شست آں خال کہ بر ناصیۂ آدم زد

۶ بسخندانیِ تو طفل ندیدست کسے — گرہ اعجازِ لبت بر نفسِ مریم زد

۷ عشقِ دوشاب دل آنروز کہ سودائے تو پخت — مایۂ مہر بریں شیرۂ جانہا کم زد

۸ دوش میخواست قدم بر منِ افتادہ نہد — کندِ خاکِ من و بر دیدۂ نامحرم زد

۹ دولت از فیضِ دمِ صبحِ نظیری دریافت
دُر ندادند بغوّاص کہ بیجا دم زد

(۱) تیرے عشق کی مسرت نے میرے غم کے ہنگامے کو درہم برہم کر دیا اور تیرے حسن کے شور نے آدم کے جگر میں نمکینی پیدا کر دی (شور: جنون اور نمکین ملاحت تیرے حسن میں دیوانہ ہو کر انسان نے لطف پایا۔ یا تیرے حسن کی ملاحت و نمکینی نے جگر آدم کو نمک کی سی لذت بخشی۔ پہلے مصرعہ کا مطلب یہ ہے کہ تیرے عشق میں مبتلا ہو کر مجھے باقی تمام غموم و ہموم بھول گئے)

(۲) تیرے دیدار کی وجہ سے رات آفتاب کی حاملہ ہو گئی (تو اگر شب کو رخ دکھلائے تو ایسا معلوم ہو کہ گویا آفتاب نکل آیا ہے) اور ماتم نے تیرے رخسار کی خوشی میں اپنے کپڑے پتھر پر دے مارے (جامہ بر سنگ زدن: کپڑے صاف کرنا مگر یہاں کپڑوں کے پھاڑ ڈالنے کے معنی میں معلوم ہوتا ہے یعنی تیرے رخسار کو دیکھ کر ماتم نہیں رہا۔ پہلے معنی کے لحاظ سے مطلب یہ ہو گا۔ کہ تیرے رخسار کی خوشی میں غم نے کپڑے دھو لئے۔ تیرے استقبال کی تیاری کر لی۔ یعنی غم عشق ہو گیا)

(۳) تیرے لبوں کے شہد نے مسیحا کی دکان کو بند کر دیا ہے۔ (مسیحا بیماروں کو تندرست اور مردوں کو زندہ کر دینے کا معجزہ رکھتے تھے تیرے لب ان سے بڑھ کر ہیں۔ شہد لبہائے تو۔ تیرے لبوں کا شہد یعنی تیری شیریں کلامی) اور مرہم نے تیری نگاہ کے دامن میں ہاتھ مارا ہے (تیغ کا کام مجروح کرنا ہے۔ مگر تیری تیغ نگاہ میں وہ تاثیر ہے کہ جراحتہائے دل پر مرہم کا کام دیتی ہے (دست باکسی زدن برابری کا دعوے کرنا۔ دست در دامن کسے زدن: کسی کے دامن میں ہاتھ مارنا۔ کسی کے ذریعے سے کامیابی چاہنا)

(۴) کعبہ آیا اور اس نے تیرے خال کے حجر اسود کو بوسہ دیا۔ اور تیرے چاہ ذقن کی موجوں میں زمزم نے غوطہ لگا دیا۔ (حجر اسود کعبہ میں

میں ایک پتھر ہے جس کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت آدمؑ بہشت سے ساتھ لائے تھے۔ حاجی لوگ طواف کعبہ میں اسے بوسہ دیتے ہیں۔ خالِ رخِ محبوب حجرِ اسود سے بھی بڑھ کر ہے۔ کہ حجرِ اسود کو تو حاجی لوگ چومتے ہیں۔ اور اسے خود کعبۂ دل چومنے کو آتا ہے۔ یا یہ کہ تیرے رُخ کا خال حجرِ اسود سے بڑھ کر ہے کہ کعبہ بھی اسے چومنا چاہتا ہے۔ زمزم مکہ معظمہ میں پانی کا کنواں۔ جو حضرت اسمٰعیلؑ کے شیر خوارگی کے دنوں میں پیاس کی شدت سے تڑپ تڑپ کر ایڑیاں رگڑنے سے خدا تعالیٰ کی قدرت سے ایک چشمہ کی صورت میں اُبل آیا۔ اس کے پانی کو متبرک خیال کیا جاتا ہے۔ مگر محبوب کا چاہِ ذقن۔ زمزم سے بھی بڑھ کر ہے)

(۵) جب سے قضا نے تیرے حُسن کا خالِ بہشتی دیکھا ہے۔ اس نے وہ داغ جو حضرت آدمؑ کی پیشانی پر لگ گیا تھا۔ دھو ڈالا آدمؑ سے لغزش ہوئی اور ان کی پیشانی پر داغِ معصیت لگ گیا۔ تیرا خالِ رخ دیکھ کر کہ نہایت ہی خوبصورت اور زیبا ہے۔ قضا نے داغِ معصیت آدمؑ کو صاف کر دیا بہشتی کا لفظ خال اور جمال کے ساتھ کچھ اچھا معلوم نہیں دیتا۔ اگر مصرعہ یوں ہو کہ "تا قضا خالِ بہشتی جمالِ تو بدید" جب سے قضا نے تیری بہشتی جمال پر خال دیکھا ہے الخ تو میرے خیال میں بہتر ہو۔ مگر مجھے کلامِ نظیری میں اصلاح و ترمیم کا حق حاصل نہیں۔ عین ممکن ہے کہ اصل میں "بہشتی جمال" ہی نظیری نے لکھا ہو اور بعد میں "بہشتی جمال" ہو گیا ہو)

(۶) (مصرعۂ اولیٰ کا ترجمہ دو طرح پر ہو سکتا ہے۔ پہلا یوں کہ: کبھی کسی نے تجھ جیسا سخندان لڑکا نہیں دیکھا (یعنی مسیحؑ نے عہد میں کلام کیا۔ مگر تو ان سے بھی بڑھ کر ہے) دوسرا: تیری شاعری میں کسی نے کوئی "طفل" نہیں دیکھا (یعنی شعر ناقص و خام نہیں) تیرے ہونٹوں کے معجزے نے تو نفسِ مریمؑ پر گرہ لگا دی ہے (نفسِ مریم سے مراد اگر حضرت عیسیٰؑ ہوں۔ تو مطلب یہ ہے کہ تیرے ہونٹوں کا معجزہ حضرت عیسیٰؑ کے معجزے سے بڑھ کر ہے)

(۷) دو شتاب دل عشق نے جس دن یہ سودا (عشق و محبت کا) تیار کیا۔ تو اس نے ان (عوام کی) جانوں کے شیرے (خمیر یا دل میں مایۂ محبت کم ہی رکھا۔ (دو شتاب دل: خلیق و آنکہ ہر ساعت دلش بچیزے کشد۔ اسی لیے دو شتاب دلی۔ حاملہ عورتوں کی وہ کیفیت کہ ہر وقت کسی نئی چیز کے کھانے کی خواہش و رغبت کرتی ہیں عشق کو شاعر نے "دو شتاب دل" قرار دیا ہے کہ چاہتا ہے سب کچھ میرے قبضے میں آجائے)

(۸) کل رات وہ چاہتا تھا کہ مجھ افتادہ پر قدم رکھے (مجھے پامالِ عشق کر دے) اس لیے اس نے میری خاک اٹھائی اور نامحرم کی آنکھ میں مار دی۔ (کہ وہ نامحرمِ عشق ہونے کی وجہ سے اس قابل نہیں کہ عاشق کی پامالیٔ عشق کی تاب لا سکے یا اس کی نامحرم آنکھ اس پاکیزہ منظر کو دیکھنے کے قابل نہیں (مطلب یہ کہ میں نے عشق میں وہ کمال حاصل کر رکھا ہے کہ نامحرمانِ عشق اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے)

(۹) نظیری نے دمِ صبح کے فیض سے دولت پالی (دعائے صبحگاہی اور آہ و نالۂ نیم شبی نے نظیری کو دولتِ معرفت سے مالا مال کر دیا) اس غوطہ لگانے والے کو موتی نہیں ملا کرتے جو بے موقع "دم" لے (دم زدن: فخر و دعوے کرنا اور سانس لینا بھی۔ غوطہ لگاتے وقت سانس کو روک لیا کرتے ہیں۔ حالتِ غواصی میں سانس نہیں لیا جا سکتا۔ تو گویا اس حالت میں سانس لینے کی کوشش "بے جا دم زدن" اور مانعِ دست آوریٔ گُہر ہے (مطلب یہ کہ نظیری نے سحر خیزی اور دعا سے فیض حاصل کیا ہے۔ بیجا دعوی اور فخر و غرور سے یہ فیض حاصل نہیں ہو سکتا)

غزل نمبر ١١٢

بحر مل مثمن مخبون محذوف — ارکان۔ مفاعلن فعلاتن مفاعلن فعلن

۱ نہ فوتِ صحبتِ ایں دوستاں غمے دارد ۔ نہ مرگِ مردمِ ایں عہد ماتمے دارد

۲ میانِ اینہمہ احباب عیب پوشی نیست ۔ دریدہ پردہ تراست آنکہ محرمے دارد

۳ بجوشش ہیائی ہم صحبتاں زجائے مرو ۔ کہ پُرزنیش بود ہر کہ مرہمے دارد

۴ بہرزہ دفترِ امید ہر کجا مکشا ۔ کہ مبتلائے ہوا کارِ درہمے دارد

ہزار خنجر بہ ز ہر خار بایدش خوردن ۵ نکو سرشتے اگر طبعِ خورمے دارد

ز طعنِ گرسنہ چشماں دلیر ننماید ۶ ہلالِ عید کہ ابروئے پُرخمے دارد

ز کاوشِ مژہ رگہائے جانش بشگافد ۷ تُنک دلے کہ چو من چشمِ پُرنمے دارد

ز خویش و اہل گذر کن کہ ملکِ بیخویشی ۸ بروں ز عالم ایں خلق عالمے دارد

بجاہ و حشمتِ دنیا چرا قفا نکند

۹ کسے کہ ہمچو نظیری مسلّمے دارد

(۱) نہ تو ان دوستوں کی صحبت کا کھو جانا ہی کچھ غم رکھتا ہے۔ اور نہ اس زمانے کے لوگوں کی موت ہی کا کوئی ماتم ہوتا ہے (لوگوں میں باہم لطف، محبت اور ہمدردی و غمخواری باقی نہیں رہی)

(۲) ان اتنے دوستوں میں کوئی بھی عیب پوش نہیں ہے (یہ ترجمہ اس صورت میں ہے کہ "عیب پوشے" میں یائے وحدت یا نکرہ ہو اور اگر یائے مصدری ہو۔ تو "عیب پوشی" پڑھا جائے گا۔ اور معنی یہ ہونگے۔ ان سب دوستوں میں وصف عیب پوشی موجود نہیں ہے) اس لئے جو شخص بھی کوئی محرمِ راز رکھتا ہے۔ وہی زیادہ رسوا ہے (دریدہ پردہ تر اس کا پردہ زیادہ پھٹا ہوا ہے۔ محرم راز ہوتا ہے راز داری کے لئے۔ مگر اپنا ئے زمانہ میں دوستی و خلوص مفقود ہے۔ اس لئے محرم راز ہی دوستوں کے راز فاش کرنے والے ہوتے ہیں)

(۳) دوستوں اور ہمنشینوں کی میٹھی باتوں پر فریفتہ نہ ہو جا (راز جا رفتن: خوشی میں آکر دھوکا کھا جانا) کہ جس کے پاس مرہم ہوتا ہے وہی زہر سے بھرا ہوتا ہے (ان کی میٹھی باتیں مرہم معلوم ہوتی ہیں۔ مگر ان کے دل میں بغض و کینہ کا زہر بھرا ہے)

(۴) اپنے امید کے دفتر کو ہر جگہ یونہی نہ کھول (ہر ایک کو اپنی امیدوں کے قصے نہ سنا) کیونکہ جو شخص ہوس میں مبتلا ہوتا ہے اسی کا کام درہم برہم ہو جاتا ہے (اس کا کام انجام کو نہیں پہنچتا) ع

ع را ہر سہ حرف است و ہر سہ تہی

(۵) (دوسرا مصرعہ مقدم) اگر کوئی نیک فطرت شخص خرم و شاداں طبیعت رکھتا ہے تو اسے ہر ایک کانٹے سے ہزاروں خنجر کھانے پڑیں گے (زمانہ کسی کو شاداں نہیں دیکھ سکتا۔ کسی کو اگر ایک خوشی میسر ہوتی ہے تو اس کے بعد ہزاروں مصیبتیں اور تکلیفیں آ جاتی ہیں)

(۶) (دوسرا مصرعہ پہلے) ہلال عید جو پُرخم ابرو رکھتا ہے۔ وہ گرسنہ چشم لوگوں کے طعن کے سبب سے دلبر ہو کر ظاہر نہیں ہوتا (ہلال کی شکل ابروئے پرخم سے ملتی ہے۔ اور عید کا دن حریصوں کے لئے کھانے اور پینے کی فراوانی کی وجہ سے مرغوب خاطر ہے)

(۷) (دوسرا مصرعہ پہلے) وہ تنگ دل (کم حوصلہ) شخص جو میری طرح پُرنم (اشک آلود) آنکھ رکھتا ہے۔ اس کی جان کی رگیں مژگان یار کی خلش سے پھٹی جاتی ہیں (وہ تنگ حوصلگان عشق جو اشک ریزی سے اپنے راز کو فاش کر لیتے ہیں۔ عشق میں زیادہ دکھ اور آزار محسوس کرتے ہیں۔ "چشم پرنمے دارد" میں تاکید کا نہیں ہے کیونکہ اگر یہ معنی ہوں کہ میری طرح آنکھ کو آنسوؤں سے پُر نہیں رکھتا تو تنگ دل کی قید بے معنی ہو جاتی ہے)

(۸) خودی اور عزیز و اقارب کو چھوڑ دے کیونکہ ملکِ بے خویشی اس مخلوق کی دنیا سے باہر ایک اور ہی عالم رکھتا ہے (بیخودی کا عالم اور ہی کیفیت رکھتا ہے۔ جو دنیائے خودی اور عالم تعلقات میں میسر نہیں ہو سکتی۔

(۹) وہ شخص جو نظیری کی طرح کا دوست رکھتا ہو وہ دنیا کے جاہ و حشمت کی طرف کیوں پیٹھ نہ پھیر دے (ایسا دوست میسر ہو تو پھر جاہ و حشمت دنیا کی ضرورت نہیں۔ مسلم: امر تسلیم شدہ۔ و کسے کہ چیزے بدو سپردہ شود اور اگر مسلّمی بجائے معروف پڑھا جائے تو پھر اس کے معنی ہونگے مسلم الثبوت استاد ہونا)



غزل نمبر ۱۱۳

بحر رمل مثمن محذوف — ارکان:- فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلن

۱ بادۂ خاصِ محبت کے بنا محرم رسد — محرماں را دوستگانی از قفائے ہم رسد
۲ وقتِ عارف شب نکو گردد کہ در خوابست عام — یک دلِ بیدار را فیضِ ہمہ عالم رسد
۳ یافت گر دیوانۂ جاہے تعجب بہر چیست — از عجائبہائے دوراں دیو را خاتم رسد
۴ زادِ مسکیناں برہ بردار تا کے زندگی — تا سفالِ خضر باشد کے بجامِ جم رسد
۵ بر گلِ ما ابر اگر ہرگز نبارد خورمیم — مزرعِ نمناکِ ما را خوشہ از شبنم رسد
۶ شکر للہ کز خوشی و ناخوش بیادش میرسیم — بس ہمیں شادی کہ ما را از نصیبِ غم رسد
۷ ہر کجا تن چاک گردید از نمک انباشتیم — زخمِ ما بے باک جاناں را کجا مرہم رسد
۸ عشرتِ ساغر پرستاں زندہ دار مُردہ را — سور گردد در سرائے ما اگر ماتم رسد

سود از طاعت فروشیہا مظہری بر نداشت
۹ ہر کرا سرمایہ رد باشد کفایت کم رسد

(۱) محبت کی خاص شراب نامحرم کو کب مل سکتی ہے۔ بلکہ دوستگانی صرف محرمانِ راز ہی کو یکے بعد دیگرے ملا کرتی ہے۔ (دوستگانی اپنی باری کا پیالۂ شراب از راہ تواضع و خلوص دوسرے کو پیش کرنا اور نیز کسی کی یاد میں جو شراب پیتے پلاتے ہیں)

(۲) عارف کا وقت رات کو خوب رہتا ہے۔ جبکہ عام لوگ سو رہے ہوتے ہیں۔ گویا ایک بیدار دل (عارف شب بیدار) کو تمام دنیا کا فیض پہنچ رہا ہوتا ہے (کیونکہ تمام جہاں سو رہا ہے اور صرف وہی کسبِ فیض کے لئے بیدار ہے)

(۳) اگر کسی دیوانے کو کوئی مرتبہ مل گیا تو اس میں تعجب کی بات کونسی ہے کیونکہ زمانے کے عجائبات سے جن کو انگوٹھی مل جایا کرتی ہے (حضرت سلیمانؑ کی انگوٹھی گم ہو جانے کے قصہ کی طرف تلمیح ہے شعر کا مطلب ظاہر ہے)

(۴) تو اپنے سفر میں راستہ مسکینوں کا سا زادِ راہ اٹھا لے جا۔ کیونکہ جب تک خضر کا مٹی کا پیالہ موجود ہے۔ آبِ حیات سکندر کے جام میں نہیں ڈالا جا سکتا (عشق و معرفت میں کامیابی فقر و تواضع سے ہو سکتی ہے نہ شان و شوکت سے)

(۵) ہماری خاک میں اگر بادل بالکل نہ برسے تو ہم پھر بھی خوش و خرم ہیں۔ کیونکہ ہماری نمناک کھیتی کو شبنم ہی سے خوشہ آ جایا کرتا ہے (خورم بمعنی شاداب و مسرور۔ مطلب یہ کہ ہم زیادہ کے طالب و حریص نہیں۔ تھوڑے پر ہی قناعت کر لیا کرتے ہیں)

(۶) اللہ کا شکر ہے کہ اچھا یا برا میں اسے یاد تو آتا ہوں۔ ہمارے لئے یہی خوشی بہت ہے کہ ہمیں اس کی طرف سے غم کا حصہ ہی مل جاتا ہے (محبوب خواہ ہمیں برائی سے یاد کرے ہم خوش ہیں کہ وہ ہمیں بھولا تو نہیں اس کا غمِ عشق ہی ہمیں بہت ہے۔ غالب کہتے ہیں سہ
گرچہ ہے کس کس برائی سے ولے بایں ہمہ — ذکر میرا مجھ سے بہتر ہے کہ اس محفل میں ہے)

(۷) جہاں سے ہمارا جسم چاک ہو گیا۔ ہم نے اسے نمک سے بھر دیا۔ کیونکہ ہم بیباک جانوں کو مرہم کہاں بہم پہنچ سکتی ہے (ہم بیباک ہیں اس لئے ہمارا جسم زخم پر زخم کھائے جاتا ہے۔ مگر اتنے زخموں کے لئے مرہم میسر نہیں ہو سکتی۔ اس لئے زخموں میں نمک بھر دیتے ہیں۔ حالانکہ

نمک سے زخم بگڑ جاتا ہے۔)

(۸) ساغر پرستوں کی عشرت مردوں کو زندہ رکھتی ہے۔ اہل معرفت کے عرفان سے مردہ دل زندہ ہو جاتے ہیں، ہمارے گھر میں اگر ماتم بھی آتا ہے تو وہ بھی خوشی اور مسرت میں تبدیل ہو جاتا ہے کیونکہ ہم بھی ساغر پرست ہیں۔ اس لئے مردہ دلوں کو زندگی بخش کر ماتم کو مبدل بخوشی کر دیتے ہیں)

(۹) نظیری نے اپنی طاعت فروشیوں سے کوئی فائدہ حاصل نہ کیا۔ کیونکہ جس کا سرمایہ ہی ناقص ہو اس کو فائدہ نہیں ہو سکتا۔ طاعت فروشی، اپنی عبادت و طاعت پر فخر و ناز کرنا اس قسم کی عبادت بے فائدہ ہے)

ردیف الذال

غزل نمبر ۱

بحر مضارع مثمن اخرب مکفوف مقصور — ارکان: مفعول۔ فاع لات مفاعیل فاع لان

برخوانِ من نمک بملاحت نشد لذیذ ۱ صد بار تا نسوخت جراحت نشد لذیذ

هر کس بمے نداد روائے تکلفے ۲ در کامِ او شراب اباحت نشد لذیذ

در بحر و بر بجز الم و تلخ و شور نیست ۳ جز بر امیدِ سود سیاحت نشد لذیذ

تاجر بعشقِ خانه بدریا نشاند راست ۴ محنت جز از تصورِ راحت نشد لذیذ

رخسارِ خوب را بوفا قدر و قیمت است ۵ بے میوه بوستاں بفلاحت نشد لذیذ

تا صبحدم نزد نمکے بر جراحتم ۶ با آں کمالِ حسن و صباحت نشد لذیذ

لذت ورق ز کلکِ نظیری گرفته است
۷
ورنہ ما سخن بفصاحت نشد لذیذ

(۱) میرے دسترخوان پر نمک باوجود اپنی نمکینی کے لذیذ نہ ہو سکا۔ زخم جب تک سو دفعہ نہ جلا لذیذ نہ ہوا۔ (مجھے نمک دسترخوان پر نہیں بلکہ عشق کے جلائے ہوئے زخموں پر چھڑکنے سے لذت دیتا ہے)

(۲) جس شخص نے اپنی تکلف کی چادر کو شراب کے بدلے نہ دیا۔ تکلف چھوڑ کر شراب نہ پی لی۔ نکتے میں تب معاوضہ کے معنوں میں) اس کے حلق میں جوازِ شراب نے کوئی لذت نہ بخشی (جب تک طبیعت میں تکلف اور تصنع باقی ہے۔ شراب خواہ معرفت کی ہو یا مجازی۔ کوئی لطف نہیں دے سکتی۔)

(۳) تمام خشک و تر دنیا میں تلخ و شور غم کے سوا اور کچھ بھی نہیں ہے۔ سیر و سیاحت بھی نفع کی امید کے سوا لذت نہیں دیتی (مطلب بجز برین شور و تلخ غم ہی غم ہے تو پھر کوئی سیر و سیاحت کو کیوں نکلے۔ صرف امید نفع ہے جو سیر و سیاحت کو لذت بخش بنا دیتی ہے)

(۴) تاجر بھی گھر کی محبت میں دریا میں تیرتا پھرتا ہے ہاں رنج اور مشقت آرام و راحت کے تصور کے بغیر لذیذ نہیں ہو سکتے (گھر کے آرام کے تصور نے تاجر کو سمندر کی صعوبتوں کے برداشت کرنے کی توفیق بخشی ہے)

(۵) حسین رخسار کی قدر و قیمت وفا سے ہے۔ بغیر پھل کا باغ صرف ہل چلانے سے بالذت نہیں ہو سکتا (وفا باغ حسن کا پھل ہے اس پھل کے بغیر حسن بے قدر و قیمت ہے)

(۶) جب تک صبح کے وقت نے میرے زخموں پر نمک پاشی نہ کی اس وقت تک وہ اس حسن و خوبی کے کمال کے باوجود لذت بخش نہ ہوئی (میرے لئے صبح کی لذت بخشی صرف اس وجہ سے ہے کہ اس وقت میرے عشق کے زخم لطف نمک حاصل کرتے ہیں)

(۷) (اس) ورق نے نظیری کے قلم سے لذت پائی ہے (نظیری کے اشعار نہایت پر لطف ہیں۔) ورنہ دوسروں کی کتابوں میں کلامِ فصاحت میں ایسا لذیذ نہیں ہوا۔)

ردیف الراء

غزل نمبر ۱

بحر رمل مثمن مخبون مقصور ارکان فاعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلان

بزمِ خاص ست درو نکتہ بدستور بیار ۱ معنیِ دور طلب کن سخن دور بیار

تلخ روئی مکن و توبۂ شیریں بشکن ۲ رُخ چوں حور نداری سخنِ حور بیار

چشمِ وا یافتہ داری خبرِ وصل بگو ۳ دلِ افروختہ داری دمِ پر نور بیار

رازِ دل فاش مکن پردۂ آں غمزہ مدر ۴ محرمِ ستر شدۂ نکتۂ مستور بیار

مطربِ بزم جگر سوز سرودے دارد ۵ شکرِ ایں منتِ نمک سینۂ رنجور بیار

قصۂ وصل بگلبانگِ غزل انشا کن ۶ رازِ دیرینہ بیار و نے و طنبور بیار

بکرِ ہر نغمہ کہ در پردۂ نے مستور است ۷ مست و مجنون کن و آشفتۂ پر شور بیار

ایں غزل در صفِ دیوان سپہدار انداخت ۸ زاں محک گاہ فاضل خط منشور بیار

۹ گل و نرگس قدح و شیشہ منظوری دارند
خیز از خواب و دماغ و دلِ مخمور بیار

ن ایوان

ت دادنا

(۱) یہ خاص رنگوں کی محفل ہے۔ اس میں دستور اور قاعدے کے مطابق نکتہ بیان کر۔ دور کا مضمون تلاش کر اور دور کا (مولوی عبدالرحمن صاحب مرۃ الشعر کا بیان ہے کہ اس غزل کے قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ عرفی کی معنی آفرینی اور جان کاوی اور دور رس تخیل کو نظیری نکتہ بدستور بیاورون نہیں سمجھتا تھا۔ مسلمات شعر کے حلقہ میں رہ کر معنے دور بیان کرنا یہ نظیری اپنا کمال سمجھتا ہے۔ مقطع میں خانخاناں کی انجمن کی طرف اشارہ اس بات کو صاف کر رہا ہے کہ درحقیقت مولانا موصوف کا اندازہ صحیح ہے

عرفی اور نظیری دونوں خانخاناں کی فیاضیوں کے مورد اور اس کے ذوق شعرفہمی کے مداح تھے۔ دل افروختہ سے مراد وہ دل لیا ہے۔ جس میں ذوق شعر کی شمع جل رہی ہو۔ معرفت اور رموز حقیقت سے اس غزل کے مفہوم کو کوئی تعلق نہیں ہے

مطلب یہ ہوا کہ جب تیرا دل گرمی عشق اور ذوق شعر سے گداز ہے۔ تو پھر کیوں دم پرنور پیدا نہیں کرتا یعنی اشعار رغوب)

(۲) ترش رو ہو کے مت بیٹھ۔ اور توبہ شیریں کو توڑ ڈال دشیریں جو تمہیں بہت عزیز اور اچھی معلوم ہوتی ہے۔ صرف تلخ کے مقابلے میں صنعت پیدا کرنے کے لئے لایا ہے۔ تلخ رو لئی زہد و ریاضت کو لازم ہے۔ تو مطلب یہ ہوا کہ یہ زہد اور توبہ جو ترش روئی سکھلائے ترک کے قابل ہے) اگر تجھے حور کا سا رخسار حاصل نہیں ہے تو حور کی سی خوبصورت بات ہی کر۔

(۳) داگر تجھے بینا آنکھیں ملی ہیں۔ اس لئے وصل کی خبر بیان کر دو وہ حقیقت میں وا ہے تو تو معشوق سے واصل ہے۔ اگر تجھے روغن دل حاصل ہے۔ اس لئے پرنور سانس نکال۔

(۴) دل کے راز کو فاش مت کر اور اس معشوق کے غمزے کا بھید نہ کھول۔ اگر تو محرم راز ہو گیا ہے تو پوشیدہ نکتہ میں اسے) بیان کر (راز عشق و حقیقت کو ظاہر مت کرو۔ ہاں اشارے اور کنائے میں بیان کر دیا جائے تو مضایقہ نہیں۔ مگر نہ بالفاظ واضح دغیر مبہم)

(۵) محفل کا مطرب ایک جگر سوز نغمہ گا رہا ہے۔ اس میٹھی بھر نمک کے شکریہ کے لئے اپنا مجروح محبت سینہ پیش کر دے (نغمہ جگر سوز کو نمک قرار دیا ہے اور جراحت عشق کے لئے نمک باعث لذت ہے۔ تو اس نمک کے لئے تمہیں شکریہ ادا کرنا چاہیئے۔ اور وہ شکریہ یہ ہے کہ اس نمک کو جراحت سینہ پر لے لو۔ مطلب یہ کہ جگر سوز نغمہ سے اپنے زخمہائے عشق کو تازہ کر لو۔)

(۶) وصل کے قصہ کو غزل کے گانے کی آواز کے ساتھ لکھ۔ پرانے راز کو لے آ اور بانسری اور طنبور لے آ۔ (راز عشق و وصل کو غزل میں لکھ اور اسے بانسری اور طنبور کے ساتھ گا کر فاش کر دے)

(۷) ہر ایک اچھوتے نغمہ کو جو بانسری کے پردوں میں پنہاں ہے مست و مجنون کر کے آشفتہ اور پرشور باہر نکال (بکر۔ بکسر با۔ زن دوشیزہ و اول ہر چیز و کاریکہ مانند آں پیشتر نہ شدہ باشد۔ مست و مجنون اور آشفتہ و پرشور۔ نغمہ کے لئے ہیں۔ مراد یہ ہے کہ سامعین نغمہ اسے سن کر اس حال کو پہنچ جائیں)

(۸) اس غزل کو سپہ سالار کے دیوان کی صفوں میں جا کر پڑھ اور اس بزرگوں کی محک گاہ سے فرمان نامہ لے آ (محک گاہ۔ افاضل و جہاں بڑوں کی بڑائی امتحان کی کسوٹی پر پرکھی جاتی ہے۔ افاضل۔ جمع افضل کی۔ سپہدار۔ عبدالرحیم خانخاناں کہ نظیری کو اس سے خاص تعلق تھا۔ اور وہ خود عالم اور علم و فضل کا قدردان تھا۔ مطلب یہ کہ اس غزل کو خانخاناں کے دربار میں پڑھو گے اگر اس نے پسند کر لی تو پھر کسی کی مجال نہیں کہ اعتراض کر سکے۔ منشور:۔ نامۂ شاہی)

(۹) اے نظیری! گلاب اور نرگس بھی ساغر اور صراحی لئے ہوئے ہیں (گویا بہار کی شراب پی رہے ہیں۔ اس لئے تو بھی غفلت کی) نیند سے بیدار ہو اور دل و دماغ کو مخمور کر لے۔

غزل نمبر ۲

بحر رمل مثمن مخبون مقصور — ارکان:۔ فاعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلان

اے صبا از گلِ عطار نشانے بمن آر ۱ از گلستانِ نشاپور خزانے بمن آر

خطِ ترخانیِ جاوید بعالم ندہند ۲ بگذر از عالم و منشور امانے بمن آر

فرصتم نیست کہ از سنگِ قضا سر خارم ۳ گر امانے نبود تاب و توانے بمن آر

تیر بارانِ ستم از پے ہم چند رسد ۴ ناوکے میکشم از سینہ کمانے بمن آر

ہر نشانے کہ بسودائش دہی سود دہد ۵ اگر از مایہ نماندہ است زیانے بمن آر

کشت زارِ طربم تشنۂ آتش شدہ است ۶ مطربِ ابر دمِ برق زبانے بمن آر

چوں شرر در دلِ سنگ است ز خاماں سخنم ۷ تا بر آرم نفس سوختہ جانے بمن آر

ملک گیرانِ سخن سکہ بباطل زدہ اند ۸ زیں ہمہ سیم دغل نقد روانے بمن آر

دلم از صنعتِ الفاظِ مطلوی بگرفت
۹
از دمِ پیرِ ہری سادہ بیانے بمن آر

(۱) اے صبا عطار کے پھولوں کی خوشبو میرے پاس لا یعنی نیشاپور کے باغ کی خزاں کو میرے پاس لے آ۔ (عطار۔ عطر فروش اور دوا فروش۔ یہاں اگر عطار کو گل کی صفت مانا جائے تو معنی ہونگے نسبت ہی خوشبو دار پھول عطار سے مراد دوا کی ہوئی بھی ہو سکتے ہیں جیسے مقطع سے ظاہر ہوتا ہے۔ نظیری وطن کی خزاں کو پھولوں کی خوشبو سے کہیں بڑھ کر قرار دیتا ہے)

(۲) دنیا میں ہمیشہ کے لئے فرمان آزادی کسی کو بھی نہیں دیتے۔ اس لئے دنیا کو ترک کر دے اور اس طرح میرے لئے امن و سلامتی کا فرمان لے آ (نز خانی: منصبی بود در عہد سلاطین ترکستان کہ صاحب آں منصب از جمیع تکالیف نوکری معاف باشد وچیزا بعنی مسخرگی نیز آمدہ۔ مطلب یہ کہ اگر سلامتی اور حفاظت چاہتے ہو تو دنیا کے تعلقات کو ترک کر دو کہ دنیا میں پابندیاں بہت ہیں۔ بات بات پر گرفت ہوتی ہے۔)

(۳) مجھے اتنی فرصت نہیں ہے کہ قضا کی سنگ باری سے سر کھجلا سکوں (حوادث مجھے ایک منٹ کی مہلت نہیں دیتے متواتر اور پیہم حوادث کا شکار رہتا ہوں۔) اس لئے اگر امان اور پناہ (حوادث سے) نہیں مل سکتی تو مجھے ان کے برداشت کی تاب وطاقت دے۔ غالب کہتے ہیں ؎ ابھی چھائی مری نظروں سے جچتی خوب نہیں

میری قسمت میں غم گر اتنا تھا دل بھی یارب کئی دیے ہوتے

(۴) حوادث کے تیروں کی بارش کب تک مسلسل و متواتر ہوتی رہے گی۔ میں سینہ سے تیر نکالتا ہوں تو دوسرے تیر (کمان لے آ) پہلے مصرعہ میں تیر حوادث کے تواتر سے گھبرا کر کہہ اٹھا ہے۔ کہ آخر یہ سلسلہ کب ختم ہوگا۔ مگر پھر سنبھل کر دوسرے مصرعہ میں محبوب کو دعوت ناوک افگنی دیتا ہے کہ میں پہلے تیروں کو نکال ڈالتا ہوں۔ اب تم بھی کمان ابرو لے کر آجاؤ۔ پہلے مصرعہ میں اگرچند کو بمعنی چندیں لیا جائے تو اس کے معنی "بکثرت" کے ہونگے اور اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ اگرچہ تو برتو بکثرت تیر کھائے جاتا ہوں۔ مگر پہلے تیر نکالتا جاتا ہوں کہ اور تیروں کے لئے گنجائش نکل سکے۔ اس لئے تو بیشک کمان لے کر ابھی اور میرے سینے کو نشان بنائے جا۔ کہ ؎

کیوں نہ ٹھہریں ہدف ناوک بیداد کہ ہم خود اٹھا لاتے ہیں گر تیر خطا ہوتا ہے

(۵) اس کے سودائے عشق میں تو مجھے جو نشان بھی دے گا۔ وہ مفید ہی ہوگا۔ بالفرض اس میں نفع کا سرمایہ نہیں ہے (تو نہ سہی) تو میرے لئے نقصان ہی لے آ (سودائے عشق کے "زیاں" کو بھی "سود" ہی سمجھتا ہوں۔)

(۶) میری مسرت وطرب کی لہلہاتی کھیتی آگ کی پیاسی ہے۔ اس لئے کسی شعلہ زبان ابر دم مطرب کو میرے پاس لے آ (میں اپنی غفلت وجمود کی مسرت وانبساط کو جلا ڈالنا چاہتا ہوں۔ کوئی ایسا مطرب جس کی زبان مضامین عشق و معرفت گا کر پھر سے اس کشت زار طرب کے لئے برق خرمن کا کام دے اور پھر میرے دل میں عشق حقیقی کے نمو کے لئے اس کی آواز کو ابر کی سی خاصیت حاصل ہو میرے پاس لے آؤ)

(۷) ان خاموں (شعر وسخن کا ذوق صحیح نہ رکھنے والوں) کی وجہ سے میرا کلام ایسا ہو رہا ہے جیسے پتھر کے اندر شعلہ (میرے کلام کی خوبیاں ان پر ظاہر نہیں ہو سکتیں ریختہ کاران عشق کے دل میں میرے کلام سے زندگی کی گرمی پیدا ہو جاتی ہے۔ دوسرے

مصرعہ میں "نفس سوختہ جانے الخ" کو اگر "نفسے سوختہ جانے الخ" پڑھیں تو معنی ٹھیک ہوتے ہیں۔ (کہ کسی سوختہ جان عاشق کو میرے پاس لاؤ۔ تاکہ میں اس کے سامنے اشعار پڑھوں۔ نفس بر آوردن۔ سانس لینا۔ بات کرنا۔ اور اس لئے شعر پڑھنا بھی مطلب یہ ہوا کہ خام اگر میرے اشعار سنتے متاثر نہیں ہوتے تو کوئی پرواہ نہیں پختہ کاران عشق اگر میرے اشعار کو سنیں اور وہ تڑپ نہ اٹھیں تو پھر مانوں)

(۸) شاعری کے فاتحوں (مدعیانِ شعر و سخن) نے جھوٹ پر سکہ لگایا ہے (بے سروپا باتیں اشعار میں درج کر دی ہیں۔ گویا انہوں نے جھوٹا سکہ چلانے کی کوشش کی ہے۔ سکہ۔ ملک گیری کے ساتھ مناسبت رکھتا ہے) اس تمام کھوٹی چاندی میں سے میرے پاس وہ نقدی نکال لاؤ جو رواج پا سکے (نقد رواں۔ جو سکہ بازار میں چل سکتا ہو) اور کوئی شخص کھوٹا کہہ کر اس کے لینے سے انکار نہ کر دے۔ مطلب یہ کہ ان شاعران زمان میں سے ایک بھی ایسا نہیں جس کا کلام رواج پذیر ہو سکتا۔ یعنی پسند عام کی سند حاصل کر سکتا ہو۔ اگر کوئی ہے۔ تو لاؤ مجھے دکھاؤ)

(۹) میرا دل نظیری کی لفظی صنعتوں سے تنگ آ گیا ہے۔ اس لئے رودکی کے کلام میں سے کوئی سادہ سا بیان لا کر مجھے سنا (بیہری سے مراد رودکی ہے۔ دیکھئے مرآۃ الشعر مصنفہ مولوی عبد الرحمٰن صاحب۔)

غزل نمبر ۳

بحر مضارع مثمن اخرب مکفوف محذوف — ارکان: مفعول فاعلات مفاعیل فاعلن

۱ فارغ تر از دلِ تو ندیدم دلِ دگر — ایزد ترا سرشتہ ز آب و گلِ دگر

۲ گر مرغِ سدرہ را بکشی مائلی کہ باز — در خاک و خوں طپیدہ شود بسملِ دگر

۳ ہر مشکلے کہ عاجزیِ ما بیاں کند — آساں کنی کہ پیش نہی مشکلِ دگر

۴ از آب و گل غرض شجرِ قامت تو بود — عالم نداشت بہتر ازیں حاصلِ دگر

۵ از نورِ محفلِ تو جہاں در گرفتہ است — نفروختہ چراغِ تو از محفلِ دگر

۶ خاطر بمنتہائے جمالت نمی رسد — دارم بہر مشاہدہ ات منزلِ دگر

۷ از ماہتاب روے کہ غیر از جمالِ دوست — دریاے عشق را نبود ساحلِ دگر

۸ مستاں اساسِ میکدہ زیبا نہادہ اند — رسمے اگر ز نو ننہد عاقلِ دگر

۹ ساقی قدح بکف تو نظیری نظر بغیر
دوراں ندیدہ است چو تو غافلِ دگر

(۱) تیرے دل سے بڑھ کر میں نے کسی دوسرے دل کو غم دنیا سے فارغ نہیں دیکھا۔ گویا خدا نے تجھے کسی اور ہی آب و گل سے پیدا کیا ہے (کہ تیری فطرت اور دوسرے لوگوں کی فطرت میں کوئی مناسبت ہی نہیں)

(۲) اگر تو مرغ سدرہ (حضرت جبریلؑ) کو بھی مار لے (اپنے عشق میں مبتلا کر لے) تو پھر بھی تو اس بات کی خواہش رکھتا ہے کہ ایک نیا بسمل خاک و خون میں تڑپ رہا ہو (تمام کائنات تیری محبت میں مبتلا ہے)

(۳) ہر وہ مشکل جو ہماری عاجزی کو بزبان حال، بیان کر دیتی ہے (جس مشکل کے حل سے ہم عاجز رہ جاتے ہیں)۔ تو اس کو آسان

کردیتا ہے۔ مگر تو اس کے ساتھ ہی، ایک نئی مشکل ہمارے، سامنے رکھ دیتا ہے (ایک سے ایک بڑھ کر مشکلات کا انسان کو سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ایسی ایسی کہ ان میں سے ہر ایک انسان کو عاجز و درماندہ کردیتی ہے۔ پھر ہر ایک مشکل کو وہی ذات آسان کردیتی ہے اور اسی طرح یہ سلسلہ چلتا رہتا ہے)

(۴) مٹی اور پانی سے غرض تیرے قد کا درخت پیدا کرنا، تھا (تخلیق کائنات کی علت غائی وجودِ انسانی تھا، جہان کو اس سے بہتر اور کچھ حاصل نہیں تھا، تمام مخلوق سے اشرف و افضل انسان ہے)

(۵) تمام دنیا تیری محفل کے نور سے منور ہو رہی ہے دور کرنتن۔ بتی، شمع اور آگ کا بھڑک اٹھنا، مگر تیرا چراغ کسی دوسرے کی محفل سے روشن نہیں ہوا تو نے کسی دوسرے سے اکتساب فیض نہیں کیا)

(۶) دل تیرے حسن و جمال کی انتہا کو نہیں جان سکتا۔ کیونکہ میں تیرے ہر مشاہدہ پر نئی منزل پاتا ہوں (جب تجھے دیکھتا ہوں تو دل کو حسن کی ایک نئی منزل نظر آتی ہے پھر انتہائے حسن کیسے معلوم ہو سکے)

(۷) ہماری طرف سے چہرہ مت پھیر لے۔ کیونکہ دوست کے جمال کے سوا دریائے عشق کا اور کوئی ساحل نہیں ہے (عشق میں جمالِ یار کا دیدار ہی نجات کا ذریعہ ہے۔ گویا عشق ایک دریا ہے اور حسنِ یار اس کا ساحل ہے۔ جس کو اس کا دیدار نصیب ہے۔ وہ ساحل پر اور جس کو نہیں وہ منجدھار میں ہچکولے کھا رہا ہے)

(۸) مستوں نے تو میکدہ کی بنیاد نہایت عمدہ اور موزوں رکھی ہے۔ بشرطیکہ کوئی "عاقل" نئے سرے سے کسی نئی رسم کی بنیاد نہ رکھ دے (مستِ معرفت لوگوں نے عشق و محبت کے لئے جو رسوم راہ مقرر کردی ہیں وہی صحیح ہیں۔ نا آشنایان منزل جو عشق میں مست نہیں ہوئے۔ بلکہ ابھی عقل کے چکر میں ہیں۔ وہ اگر اپنے قاعدے الگ مقرر کریں تو ان کی مرضی)

(۹) اے نظیری! ساقی (تیرے لئے جامِ شراب ہاتھ میں لئے (موجود) ہے اور تو دوسروں کی طرف نظر جمائے ہوئے ہے۔ زمانہ نے تجھ سا غافل اور کسی کو نہیں دیکھا (تجھ سے بڑھ کر غافل کون ہوگا۔ کہ ساقی خود تیرے لئے پیالہ لئے کھڑا ہے اور تو دوسروں کی محبت یا دوسرے خیالات میں محو ہے)

غزل نمبر ۴

بحر مجتث مثمن مخبون مقصور — ارکان:- مفاعلن فعلاتن مفاعلن فعلان

طلوعِ بادہ ز شام و سحر دریغ مدار ۱ ز خاکِ جرعۂ خود چوں قمر دریغ مدار
اگر بکنجِ سرا بلبلِ باغباں آید ۲ بگو کہ آبِ رزاز جامِ زر دریغ مدار
حیاتِ تلخ بہ بادہ عیشِ خوشگوار بگیر ۳ چو عشق تیغ کشد جان و سر دریغ مدار
بشکرِ آنکہ حدیثے چو انگبیں داری ۴ ز سائلانِ ترشرو شکر دریغ مدار
ترا بہ بینشِ کوتاہِ خویش نتواں دید ۵ مگر ترا بتو بینم نظر دریغ مدار
درونِ جانی و در پردۂ ز مردمِ چشم ۶ جمال اگر ننمائی خبر دریغ مدار
ہمیشہ چشم باحسانِ آشنا دارد ۷ ز خاکِ کشتۂ غربت گذر دریغ مدار
جراحتِ دلِ شوریدہ خشک میگردد ۸ ازاں دو زلفِ سیاہ مشکِ تر دریغ مدار

بیانِ شوقِ نظیری دراز انشائیست ۹
بیاضِ چہرہ ز خونِ جگر دریغ مدار

(۱) شام بھر سے شراب کے طلوع کو دریغ نہ رکھ (صبح کو سورج اور شام کو چاند طلوع کرتا ہے۔ شاعر کہتا ہے کہ شراب بھی ایسی ہے اس لئے اسے بھی صبح و شام طلوع ہونے دے یعنی صبح شام پلائے جا) اور اپنے چاند جیسے (شراب کے) گھونٹ کو خاک سے دریغ مت رکھ (شراب پینے سے پہلے ایک گھونٹ زمین پر گرا دیا کرتے ہیں یعنی مجھے نہایت ہی صاف اور چمکتی ہوئی شراب کا ایک گھونٹ پلا دے۔ خاک سے مراد خود طالب ہے)

(۲) اگر کبھی اتفاق سے، باغبان کا کدال کسی خزانے پر پہنچ جائے (باغبان کو خزانہ مل جائے۔ گنج سرا۔ گنج خانہ خزانہ رکھنے کی جگہ) تو اس سے کہہ دو کہ انگور کے پانی (شراب) کو سونے کے جام سے دریغ نہ رکھے (یعنی جام زر میں شراب انگور بھر بھر کر پئے اور پلائے جائے یا یہ کہ جام زر و سے کر بھی شراب لینی پڑے۔ تو اس میں دریغ نہ کرے۔ اس صورت میں از تجاوز کے معنوں میں ہوگا)

(۳) یہ وہ ہے عشق کی تلخ (زندگی) دیدے اور پر لطف عیش حاصل کرے۔ یعنی جب عشق تلوار (نیام سے) کھینچ لے تو پھر جان اور سر کو دریغ مت رکھ (بلکہ پیش تیغ بے تامل کر دے۔ کہ عیش خوشگوار یہی ہے)

(۴) اس بات کے شکرانے میں تیری باتیں شہد جیسی شیریں ہیں۔ ترش رو سائلوں سے اپنی شیرینی کو دریغ مت رکھ (اپنی شیریں کلامی سے ان کو بھی محظوظ کر۔ شکر اور انگبیں میں مراعاۃ النظیر ہے)

(۵) تجھے ناہ عقل کے ذریعہ سے نہیں دیکھا جا سکتا ہاں۔ شاید میں تجھے تیرے ہی ذریعہ سے دیکھ سکوں۔ اس لئے کرم فرما کر مجھ سے، ایسی نظر کو دریغ مت رکھ (ہماری عقل اس کی ذات کے ادراک و فہم سے قاصر ہے۔ مگر اس کی توفیق شامل حال ہو تو اس کی ہستی کا ثبوت مل سکتا ہے آنکھوں سے نہاں دل میں عیاں اپنی دلیل آپ ہے)

(۶) تو جان کے اندر موجود ہے، اور اس کے باوجود آنکھ کی پتلی سے چھپا ہوا ہے۔ اس لئے اگر تو اپنا جمال نہ دکھائے تو اپنی خبر سے دریغ نہ کر (وہ ہر جگہ ہے۔ یہاں تک کہ انسان کی جان میں بھی مگر نظر نہیں آتا۔ کہتا ہے۔ اچھا اگر اپنا جمال نہیں دکھاتا تو نہ سہی خبر تو آتی رہے۔ دل میں تیری یاد تو جو دسے، ایسا نہ ہو کہ دل تجھے بھلا دے۔ اور اس طرح گویا تیری خبر آنا بھی بند ہو جائے)

شنیدہ ام کہ نہ بینی و نا امید نیم، ندیدان تو شنیدہ ام بنگر

(۷) وہ ہمیشہ دوستوں کے احسان کی توقع میں رہتا ہے (اس لئے) بے وطنی اور غربت کے کشتہ کی خاک، مزار کے پاس سے گزرنے میں دریغ نہ کر (نا وطن چھوڑ کر تیرے عشق میں غربت ہی میں آکر مر گیا ہے اگر تو اس کے مزار پر جائے تو وہ تمہارا احسان مانے گا)

(۸) میرے شوریدہ اور دیوانے دل کے زخم خشک ہوئے جا رہے ہیں (اور میں نہیں چاہتا کہ یہ زخم خشک ہوں کہ عشق کے زخموں کا لطف ان کے ہرا رہنے ہی میں ہے) اس لئے اپنی ان دو سیاہ زلفوں کے تازہ مشک کو (ان زخموں سے) دریغ نہ رکھ (زلفوں کو سیاہی اور خوشبو کو مشک سے تشبیہ دی ہے۔ اور مشک زخم کو خراب کرتا ہے۔ مطلب یہ کہ مجھے ہمیشہ اپنی زلفوں کے عشق میں پھنسائے رہ)

(۹) نظیری کے شوق کا بیان ایک لمبی داستان ہے۔ تو اپنی چہرے کی بیاض کو خون جگر سے بچا کر مت رکھ (وہ تیرے چہرے کو دیکھ کر عشق میں خون جگر بہاتا ہے۔ تو اپنے چہرے کو اس سے چھپا نہ لے۔ بیاض۔ بیان اور انشا کی رعایت سے بیاض شعر کے معنوں میں ہے مگر در اصل یہاں بیاض سفیدی اور چمک کے معنوں میں ہے)

غزل نمبر ۵

بحر مضارع مثمن اخرب مکفوف محذوف — ارکان: مفعول فاع لات مفاعیل فاع لن

دارم دلے ز طائرِ وحشی رمیدہ تر ۱ ہر چند دور تر ز کساں آرمیدہ تر

تا آں خدنگِ قامت از آغوشِ من برفت ۲ پشتم شکستہ تر شد و قدم خمیدہ تر

خونے کہ حکم بود بریزد خطا نشد ۳ چند آنکہ داشت دامنِ عصمت کشیدہ تر

آنجا کہ شحنۂ تو بدرگاہ میرود ۴ شاہد ز عاشق است گریباں دریدہ تر

خورشید از کمانِ تو یک تیر میکشد ۵ ماہ از تو کس ندیدہ تمام آفریدہ تر

دندانِ زدہ ہزار امیدم بدرگہت ۔ از سگ گزیدۂ سر کویم گزیدہ تر

خارے کہ در رہِ تو بخاطر شکستہ بود ۔ ہر چند بیش کاوشش شد خلیدہ تر

در کام ناروائیِ عشقِ پری وشے ۔ از سحر کردہ ایم بافسوں رسیدہ تر

نازاں مرو کہ بارِ علایق گذاشتی

ہستی تعلقست نظیری جریدہ تر

(۱) میں ایک وحشی (رنا مانوس) پرندے سے بھی زیادہ رمیدہ (وحشت زدہ) دل رکھتا ہوں۔ جتنا وہ لوگوں سے زیادہ دور رہتا ہے اتنا ہی زیادہ آرام پاتا ہے۔ جس طرح وحشی آبادی سے گھبراتا ہے میرا دل اسی طرح محبوب کے سوا باقی تمام لوگوں سے متنفر ہے۔

(۲) جب سے وہ تیر جیسا قامت میرے پہلو سے جدا ہوا ہے اس وقت سے میری کمر اور زیادہ شکستہ ہو گئی ہے۔ اور میرا قد اور زیادہ جھک گیا ہے (معشوق کے قد کو تیر سے راستی میں تشبیہہ دی ہے۔ مطلب یہ کہ اس کے فراق میں میرا قد غم سے جھک گیا ہے گویا پہلو سے تیر کھینچ لیا گیا اور خون بہ نکلا جس سے کمزوری ہو گئی ہے ؎

حال جیسے کڑی کمان کا تیر ۔ دل میں ایسے کہ جا کرے کوئی)

(۳) (دوسرا مصرعہ مقدم) ہر چند اس نے اپنے دامنِ عصمت کو بہت زیادہ کھینچ کر رکھا۔ مگر جس قدر خون گرنا تقدیر میں تھا اس میں کوتاہی نہ ہوئی۔ دامنِ عصمت کشیدہ تر۔ ہر چند اس نے کوشش کی کہ اس کے دامنِ عصمت پر خونِ عشاق کے چھینٹے نہ پڑیں اور اس لئے اپنے دامن کو سنبھال لیا۔ جیسا کہ پانی یا کیچڑ میں سے گزرتے وقت سنبھال لیا کرتے ہیں۔ مگر پھر بھی جن عشاق کا خون ہونے والا تھا وہ ہو کر رہا۔ (مطلب یہ کہ گو معشوق نہیں چاہتا کہ کوئی اس کے عشق میں مبتلا ہو۔ مگر جو دیکھتا ہے وہ فریفتہ ہو جاتا ہے گویا اس کی قسمت میں ہی ایسا تھا۔ شاد کا کیا اچھا شعر ہے ؎

خوں کی چھینٹیں جو اڑیں حق پرندہ مرے ۔ اس نے دامن کو عجب ناز سے گردان لیا

(۴) جہاں کہیں تیرا عاکم شحنہ۔ کوتوال۔ حاکمِ سیاست) درگاہ (معشوقوں کی) میں چلا جاتا ہے وہاں معشوق عاشق سے زیادہ گریباں دریدہ ہوتا ہے (معشوق اگر عشق میں مبتلا ہوتا ہے تو وہ عشاق سے بھی زیادہ بدحال ہو جاتا ہے۔ شحنہ سے مراد خود عشق ہے گویا وہ کوتوال ہے جو عاشقوں کو ستانے کی وجہ سے معشوق کی تادیب و سیاست کے لئے مقرر ہوا۔)

(۵) آفتاب۔ تیری کمان سے ایک تیر لیتا ہے۔ اس کی تمام شعاعیں اور روشنی تیری کمان سے ایک تیر کے برابر ہیں۔ کمان سے مراد کمانِ ابرو۔ اور تیرے تیر مژگاں آفتاب کی شعاعوں سے کہیں زیادہ تیز اور روشن ہیں۔) اور چاند کو کسی شخص نے تجھ سے زیادہ کامل نہیں پایا (تمام آفریدہ تر۔ چاند مکمل ہوتا ہے۔ تو اسے ماہ تمام کہتے ہیں۔ تمام آفریدہ: خلقت و پیدائش میں کامل۔ مطلب یہ کہ بلحاظ کمالِ آفرینش تو ماہِ کامل سے کہیں بڑھ کر ہے)

(۶) میں تیری درگاہ میں ہزاروں امیدوں کا دندان زدہ ہوں (دندان زدہ۔ اسم مفعول ترکیبی وہ شخص جس کو دانتوں سے کاٹا گیا ہو۔ گزیدہ دنداں یعنی مجھے ہزاروں امیدیں پیدا ہوئیں۔ مگر ناکامی ہوئی۔ حسرتِ ناکامی کی یاد دل میں ایسے ہے جیسے کسی کتے نے کسی شخص کے دانت مار دیئے ہوں اور زخم ہو گئے ہوں۔) میں سرِ کو کے سگ گزیدہ سے بھی بڑھ کر گزیدہ ہوں۔

(۷) وہ کانٹا جو تیرے راستے میں میرے دل میں ٹوٹ کر رہ گیا تھا۔ جس قدر میں نے اسے زیادہ نکالنے کی کوشش کی وہ اتنا ہی زیادہ اور چبھتا اور دھنستا گیا (ہر چند میں نے دردِ عشق کو دل سے نکال پھینکنے کی کوشش کی مگر مجھے اس میں کامیابی نہ ہوئی بلکہ وہ اور بڑھتا گیا۔ کاوش۔ کاوتن۔ کاوتن۔ کریدنا۔ خلیدن چبھنا اور کھٹکنا)

(۸) ایک پری وش کے عشق کی بے تاثیری کو ہم نے جادو کے زور سے اپنے مقصد کے حصول میں افسوں سے زیادہ مؤثر بنا لیا ہے (پری وش: مانند پری۔ پری سے مقصد برآری نہیں ہو سکتی۔ مگر ہم نے باوجود یکہ مشابہ بہ پری ہونے کی وجہ سے اس کا عشق غیر مؤثر تھا اپنے خلوص یا شاعری کے جادو کے زور سے اس کی بے اثری کو اپنے مقصد کے موافق بنا لیا ہے۔ یعنی اب معاملہ برعکس ہے۔ کلامِ مؤثر کو سحرِ حلال کہا کرتے ہیں۔ اور کسی کے دل کو اپنی طرف مائل کرنے کے لئے جادو ٹونے سے کام لیا کرتے ہیں۔ ناروائی۔ سکہ کا کھوٹا ہونا اور بازار میں نہ چلنا (یہاں مراد غیر مؤثر ہونا ہے)

(۹) اے نظیری! اس بات پر نازاں مت ہو۔ کہ تو نے تعلقات کے بوجھ کو اتار پھینکا ہے۔ خود ہستی بھی تو ایک تعلق ہے۔ اس لئے

اس سے بھی الگ ہو جا دہستی کا تعلق بھی قطع کر ڈال ۔جریدہ ترمیں جریدۂ تر شو بھی اور تجرد و تنہائی اختیار کر کہ صرف علایق کے قطع کرنے سے کامیابی نہیں بلکہ اپنی ہستی کو ترک کرنے سے کامیابی ہو گی،

غزل نمبر ۶

بحر رمل مثمن محذوف — ارکان:- فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلن

۱ ہر دم از زلفِ تو دارم کافرستانے دگر — دمبدم نو میکنم از رویت ایمانے دگر

۲ یا توئی یا حسنِ رخسارِ ترا دزدیده است — چوں توئی گر سر برآرد از گریبانے دگر

۳ چاشنیِ کنجِ آں لب از مذاقم کے رود — گر بگردانم زباں را در نمکدانے دگر

۴ نیست ہم دعوی حریفِ حسن تنہا ہر زماں — رخش میتازد ز میدانے بمیدانے دگر

۵ چابکے با خویش طرحِ ترکتاز افگنده است — گوئے دیگر مینزند ہر دم بچوگانے دگر

۶ تا بروں آرد سرے از لوحِ پیشانیِ او — طفل گردد عقل ہر دم در دبستانے دگر

۷ حسن ہر سو در لباسِ صورتے پنہاں شود — عشق ہر ساعت درآویزد بدامانے دگر

۸ پیش حکمش گر دم از عذرِ خطائے خود زنند — مے نہد بر روئے آدم خالِ عصیانے دگر

در دِ نایابی و نادانی نظیری مشکل است

۹ غیرِ خاموشی ندیدم ہیچ درمانے دگر

ن نا ماری

(۱) تیری زلفوں کی وجہ سے مجھے ہر گھڑی ایک نئے کافرستان کا سامنا ہوتا ہے اور تیرے چہرے کے سبب میں ہر دم نیا ایمان پاتا ہوں (معشوق کی زلفوں کو "ہندوٗ" اور "کافر" اور اس کے رخسار کو "مصحف" (قرآن) سے استعارہ کرتے ہیں۔ تیری زلفوں کو دیکھ کر ہر لحظہ کافر اور پھر تیرے رخ کو دیکھ کر نئے سرے سے مسلمان ہو جاتا ہوں،

(۲) (دوسرا مصرعہ پہلے، اگر تیرے جیسا کوئی اور کسی دوسرے گریبان سے سر نکالے (کسی دوسری جگہ جلوہ گر ہو) تو یا تو وہ خود تو ہی ہے۔ اور یا پھر اس نے تیرے رخسار کے حسن کو چرا لیا ہے (جہاں کہیں جلوۂ حسن نمودار ہوتا ہے۔ وہ تیرے ہی حسن کا پرتو ہے)

(۳) اس لب کے گوشہ کا لطف میرے مذاق سے کبھی دور نہیں ہو سکتا۔ اگرچہ میں اپنی زبان کو کسی دوسرے نمکدان میں ڈال دوں۔ دگر دانم:۔ پھراؤں جو لطف اس گوشۂ لب کے بوسے میں ہے۔ کسی دوسرے میں نہیں اور یہ بھی مراد ہو سکتی ہے کہ اس لب سے گالیاں سن کے جو لطف حاصل ہوا وہ کسی دوسری جگہ نہیں ہو سکتا۔ اور اس صورت میں دوسرے مصرعہ کا مطلب یہ ہو گا، کہ اگرچہ میں کسی دوسرے حسین کو چھیڑ کر اس کی زبان سے گالیاں نکلواؤں مگر ان میں وہ لطف کہاں،

(۴) کوئی دوسرا اس کا ہم دعویٰ مدمقابل نہیں ہے اس لئے حسن ہر زمانے میں اکیلا ہی ایک میدان سے دوسرے میدان میں گھوڑا دوڑاتا پھرتا ہے (دنیا میں کوئی دوسری چیز حسن کا مقابلہ نہیں کر سکتی کہ وہ سب سے بڑھ کر ہے۔ یہاں حُسن سے مطلق حسن مراد ہے۔ نہ بطورِ مجاز حسین،

(۵) اس چالاک اور ہوشیار (شہ سوار) نے اپنے ہی ساتھ مقابلے کی طرح ڈال رکھی ہے (کوئی دوسرا اس کے مقابلے کا نہیں ہے)

اس لئے وہ ہر آن نئی چوگان سے نئی گیند کو مارتا ہے (شعر سابق کا ہم مضمون ہے)

(۶) (دوسرا مصرعہ مقدم) عقل ہر دم ایک نئے مکتب میں "طفلِ مکتب" بنتی پھرتی ہے تاکہ اس کی لوحِ پیشانی کا کچھ اتا پتہ پا سکے۔ (سر از مضمون بر آوردن:۔ کنایہ از فہمیدنِ آں۔ سر از کار بر آوردن از عہدۂ آں بر آمدن۔ محبوب کی پیشانی کو لوح سے تشبیہ ہے کہ اس کے مضموں کو سمجھنے سے عقل باوجود صد ہزار کوشش کے قاصر ہے۔ گویا عقل ایک بچہ ہے۔ جو کبھی ایک اور کبھی دوسرے مکتب میں جاتا ہے کہ اس کی لوحِ پیشانی کو پڑھ کر اس کا کچھ مفہوم سمجھ سکے۔ مگر ہوا ناکامی کے کچھ حاصل نہیں۔ یہ بھی خیال کیا جاتا ہے کہ پیشانی انسان کا نوشتہ تقدیر ہے)

(۷) حسن ہر طرف کسی نئی صورت کے لباس میں پنہاں اور عشق ہر دم کسی نئے دامن سے وابستہ ہو جاتا ہے (حسن ایک ہی ہے جو مختلف صورتوں میں ظاہر ہوتا ہے۔ گویا صورتیں حسن کا لباس ہیں۔ جس طرح لباس بدن کو ڈھانپ لیتا ہے۔ اسی طرح مختلف صورتیں اس حسن حقیقی کے لئے پردہ ہیں کہ ہم اختلافِ لباس کی وجہ سے حسن کے تعدد کا خیال کرنے لگتے ہیں۔ حالانکہ وہ ایک ہی ہے)

(۸) اگر (آدمؑ) اس کے حسن کے سامنے اپنی غلطی کا عذر پیش کرنے کی جرأت کرے تو وہ آدمؑ کے چہرے پر ایک اور گناہ کا داغ لگا دے (اس کے حکم کے سامنے اپنے گناہ کا عذر نہیں پیش کرنا چاہیئے۔ کردہ "بدتر از گناہ" ہے۔ بلکہ بے چون و چرا تعمیل حکم کرنا چاہیئے حسن "عذر" کو سن ہی نہیں سکتا)

(۹) اے نظیری! ناکامی اور جہالت کی بیماری بہت سخت ہے۔ میں نے تو اس کا علاج خاموشی کے سوا اور کچھ نہیں دیکھا (یہ بیماریاں لاعلاج ہیں)

غزل نمبر ۷

بحر رمل مثمن محذوف — ارکان:۔ فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلن

در دِ دل را میکنم با صبر پیوندے دگر ۱ بر طبیبِ خود تغافل میزنم چندے دگر

اعتمادے نیست بر عہدے کہ نقصانے ندید ۲ ہست در پیماں گسستن مہر پیوندے دگر

گرچہ پیدا نم قسم خوردن بجانت خوب نیست ۳ ہم بجانِ تو کہ یادم نیست سوگندے دگر

پائے تا سر دیدہ ام از شوقِ رخسارت کہ ہست ۴ ہر سرِ مُشکم بے تو چشمِ آرزومندے دگر

پیرِ کنعاں با کہ گیرد اُنس در بیت الحزن ۵ بوئے یوسف را نئے یابد ز فرزندے دگر

چوں بشیرم بخششم گشتی حلالت ساختم ۶ کیں مروت نیست با طبعِ خداوندے دگر

تاب مے آری کہ از کف مے نہی آئینہ را ۷ از جمالِ تو ندیدم جز تو خرسندے دگر

شکوہ و شکرِ نظیری عکسِ کین و مہر تست
۸ آئینہ مینما کہ طوطی نشکند قندے دگر

(۱) میں اپنے دردِ دل کو صبر سے ایک نیا پیوند لگا لیتا ہوں۔ اور (اس طرح) میں اپنے طبیب کی طرف سے کچھ عرصہ اور تغافل برتتا ہوں (عشق کو ابتدا میں ضبط کرتا اور معشوق سے چھپاتا ہوں۔ گویا طبیب کو اپنے درد سے آگاہ نہیں کرنا چاہتا۔ کہ خود ہی اچھا ہو جائیگا مگر چندے دگر کے الفاظ بتلاتے ہیں کہ یہ کوشش کامیاب نہ ہوگی۔ یعنی معشوق پر عشق ظاہر ہو کر رہے گا)

(۲) اس عہد پر کوئی اعتماد نہیں کیا جا سکتا جو ایک دفعہ ٹوٹ نہ چکا ہو۔ کیونکہ شکستہ عہد میں ایک نئے تعلق کی مہر لگ جاتی ہے (پہلی دفعہ کا عہد الفت و وفا گویا ایک مہر لگا کر باندھا گیا تھا۔ جب وہ ٹوٹ کر پھر نیا عہد بندھا تو گویا ایک اور مہر لگ گئی۔ اور اب وہ مضبوط تر ہو گیا۔ اس مضمون کے مختلف اسالیب بیان کے ساتھ نظیری کے متعدد اشعار گزر چکے ہیں۔)

(۳) اگرچہ میں جانتا ہوں کہ تیری جان کی قسم کھانا اچھا نہیں۔ مگر تیری جان ہی کی قسم کہ مجھے کوئی دوسری قسم یاد نہیں رہا (باوجود یہ کہنے کے کہ تیری جان کی قسم کھانا اچھا نہیں پھر "بجان تو" کہہ کر قسم کھاتا ہے۔ شوخی کے علاوہ خوبی یہ ہے۔ کہ معشوق کے سوا اور کسی کو قابل التفات نہیں سمجھتا گویا اس کے سوا کچھ نظر میں ہے ہی نہیں خوبی اس شعر میں یہ ہے کہ ہم بجان تو کہہ کر واقعی اس بات کا ثبوت دیا ہے کہ مجھے اور کوئی قسم یاد نہیں ہے)

(۴) میں نے شوق و محبت کی وجہ سے تیرے رخسار کو سر سے پاؤں تک (خوب غور سے) دیکھا ہے کہ اب تیری جدائی میں میرا ہر ایک آنسو ایک نئی آرزو مند آنکھ بن رہا ہے (میں نے تیرے رخسار کو اس شوق سے دیکھا کہ میری آنکھوں میں تو ہی تو سما کر رہ گیا۔ اب جب تو موجود نہیں تو تیری جدائی میں آنسو بہا رہا ہوں۔ اور آنسو بھی چونکہ آنکھ سے نکل رہے ہیں جس میں تو سمایا ہوا ہے، اس لئے ہر آنسو چشم آرزو مند دیدار ہے۔ درحقیقت آنسو نکلنے کی وجہ فراق دیدار ہی ہے۔ اگر "پائے تا سر دیدہ ام" کے معنی میں ہمہ تن آنکھ بن گیا ہوں" کئے جائیں اور "شوق" کے ساتھ کسرۂ اضافت مانا جائے تو معنی یہ ہونگے کہ "میں تیرے رخسار کے شوق میں ہمہ تن دیدہ بن رہا ہوں۔ کیونکہ" الخ مگر اس صورت میں "ہر سرشک" کے "چشم آرزو مندے دگر" بننے سے پہلے مصرعہ میں "پائے تا سر دیدہ ام" مہمل ہوا جاتا ہے کہ پہلے مصرعہ میں تو شاعر اپنے آپ کو ہمہ تن دیدہ کہتا ہے مگر دوسرے مصرعہ میں "ہر سرشک" ہی "چشم آرزو مند" بن کر رہ جاتے ہیں اس لئے میرے خیال میں یہاں دیدہ ام ماضی قریب صیغہ واحد متکلم پائے تا سر متعلق بہ رخسار اور شوق بلا اضافت پڑھا جائے تو شعر میں صفائی اور خوبی زیادہ ہے۔ غور کرنے سے دونوں میں فرق واضح ہو سکتا ہے۔)

(۵)۴ (باوجودیکہ حضرت یعقوبؑ کے اور بھی بیٹے تھے مگر جو الفت انہیں یوسفؑ سے تھی کسی دوسرے سے نہ تھی۔ گویا انہیں حضرت یوسفؑ سے جو خوشبو آتی تھی وہ کسی دوسرے بیٹے میں نہ تھی۔ مطلب یہ کہ ہم جنس وہم صورت ہونیکے باوجود سب افراد برابر نہیں ہوتے ہوئے محبت و وفا ہر ایک میں نہیں ہوتی۔)

(۶) چونکہ تو نے مجھے اپنی بخششوں کی شرم سے مار ڈالا اس لئے میں نے اپنا خون، تجھ پر حلال کر دیا۔ کیونکہ کسی اور آقا کی طبیعت میں یہ مروت موجود نہیں ہے (تو نے مجھ پر اس قدر متواتر و مسلسل بخشش کی کہ میں شرم سے مر گیا۔ اس لئے تو قابل مواخذہ نہیں بلکہ قابل تعریف ہے۔ کیونکہ میں تیرا غلام اور بندہ ہوں۔ اور تیرے سوا کون آقا ایسا ہے جو اپنے غلام پر اس قدر مہربانیاں کرتا ہو)

(۷) تو ہی ہے جو اپنے ہاتھ سے آئینہ رکھ دینے کی تاب لا سکتا ہے۔ ورنہ میں نے تیرے سوا تیرے جمال سے کسی کو خورسند نہیں پایا (عشاق یہ تاب نہیں لا سکتے کہ تیرا رخ انور ایک ساعت کے لئے بھی ان کی نظر سے دور ہو معلوم نہیں تو کیسے آئینہ میں اپنا عکس رخ دیکھ کر بسر ہو جاتا اور آئینہ رکھ دیتا ہے)

(۸) نظیری کا شکر یا شکوہ تیری ہی محبت یا کینہ کا عکس ہوتا ہے۔ (تیرے اظہار محبت سے وہ شکر اور اظہار عتاب سے شکوہ کرنے لگتا ہے) اس طوطی کو آئینہ مت دکھا کہ یہ اب میٹھا بول نہیں بولے گی (طوطی کی شیریں زبانی کی وجہ سے اس کو دوسری صفات کے علاوہ شکر شکن بھی کہتے ہیں۔ آئینہ سامنے رکھ کر طوطی کو تعلیم دینا مشہور ہے۔ مطلب یہ کہ میں صرف تجھی سے وابستہ ہوں۔ اور تیرے شکر و شکوہ کے سوا کسی اور امر کی طرف مایل نہیں ہو سکتا۔ میرے اشعار کی ترنم ریزیاں صرف تیرے لئے مخصوص ہیں۔ مولانا اکبرؔ اپنے شکر و شکوہ کی تحدید یوں کرتے ہیں ؎

ہنگامۂ شکر و شکوہ دنیا میں ہے گرم — لیکن میرے دل سے یہ صدا آتی ہے
کھلتا نہیں راز دہر شکوہ ہے۔ تو یہ — اور شکر یہ ہے کہ موت آ جاتی ہے

۴ پیرِ کنعاں را بجز غم کرد سے بر بی کسی کے ساتھ الفت پیدا نہیں ہوئی کسی دوسرے بیٹے سے یوسف کی سی خوشبو نہیں آتی۔

غزل نمبر ۸

بحر ہزج مثمن سالم — ارکان: مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن

بہ بے رحمی دلے داری دلِ صیاد ازاں خوشتر — زبانے در کتابت سیلئے استاد ازاں خوشتر
بخود قیدے نداری باوجود حسن و زیبائی — زہر خوبی کہ داری خاطرِ آزاد ازاں خوشتر

فریبِ خندہ میخواند عتابِ غمزہ میراند ۳ زخوباں خوش بود مہر و وفا بیداد ازاں خوشتر
چو دریا گہ کشم دم در خود و در جوش مے آیم ۴ کہ خاموشی خوش مے آید و فریاد ازاں خوشتر
زبیدادش نمے نالم گرم زیر و زبر سازد ۵ بنائے کو کند ویراں نہد بنیاد ازاں خوشتر
نثارے بر رخِ او صد عوض در زیرِ لب دارد ۶ برو جانے گر افشانیم صد جاں داد ازاں خوشتر
نظیری جذب بے باعث بصحبت میکند خاصت
اگر فضلے نداری عشقِ مادرزاد ازاں خوشتر ۷

(۱) ہر حال میں تیرا دل ایسا ہے کہ اس تو شکاری کا دل ہی بہتر ہے (شکاری کے دل میں کبھی نہ کبھی وقتِ شکار رحم آجاتا ہوگا مگر تو اس سے بھی بڑھ کر سنگ دل ہے) اور تیری زبان ایسی ہے کہ کتابت سیکھنے میں استاد کا چپت اس سے اچھا ہے (تیری زبان استاد کے چپت سے زیادہ تکلیف دہ ہے۔ عربی کا شعر ہے ؎

جراحاتُ السنانِ لہا التیامٌ ولا یلتامُ ما جرحَ اللسانُ

یعنی نیزوں کے زخم مندمل ہو جاتے ہیں۔ مگر زبان کے زخم مندمل نہیں ہو سکتے)
(۲) باوجود حسن و خوبی کے تجھے اپنے ساتھ کوئی وابستگی نہیں ہے۔ تیرا دل آزاد تیری ہر خوبی سے بڑھ کر ہے۔ (لوگ تیرے حسن پر فریفتہ ہیں مگر تو اپنے حسن کی قید و وابستگی سے آزاد ہے تیرے دل کی آزادی تیری باقی سب خوبیوں سے بڑھ کر اور قابلِ رشک ہے)
(۳) حسینوں کا فریبِ خندہ عاشقوں کو بلاتا ہے (خندہ دیکھ کر وہ دھوکا کھا جاتے ہیں کہ محبوب خوش ہے۔ گویا ہمیں بلاتا ہے) اور ان کے غمزے کا عتاب (عشاق کو) نکال دیتا ہے۔ محبوبوں سے مہر و وفا بھی اچھے معلوم ہوتے ہیں مگر بیداد اس سے بھی اچھی ہے
(۴) کبھی تو میں دریا کی طرح اپنے دم کو دل ہی دل میں روک لیتا ہوں (خاموشی اختیار کر لیتا ہوں) اور کبھی پھر جوش میں آ جاتا ہوں (کیونکہ اس کو خاموشی پسند آتی ہے اور چیخ پکار اس سے بھی بڑھ کر اچھی لگتی ہے تو میری دم کشی اور جوش دونوں محبوب کی پسند کی وجہ سے ہیں)
(۵) میں اس کی بیداد سے فریاد نہیں کرتا۔ اگرچہ وہ مجھے تہ و بالا کر ڈالے کیونکہ جس کو وہ ویران کرتا ہے اس کی بنیاد پہلے سے بھی اچھی رکھتا ہے (وہ اگر مجھے بگاڑتا ہے تو سنوارنے کے لئے پھر شکایت کیسی۔ مولانا روم فرماتے ہیں ؎

ہر بنائے کہنہ کآباداں کنند اول آں بنیاد را ویراں کنند

(۶) اسکے رخ کا نثار جو کچھ ہم اس کے رخسار پر قربان کرتے ہیں اسکے لبوں کے نیچے سو عوض رکھتا ہے اگر ہم نے کبھی اس کے رخسار پر ایک جان قربان کی تو اس (کے لب) نے اس سے بہتر یعنی سو جان بخش دی (اس کے رخسار پر اگر عشق میں جان قربان ہو تو اس کے لب جاں بخش ہیں)
(۷) اے نظیری! جذبِ عشق بغیر کسی (دوسرے) وسیلے اور سبب کے تجھے اس کی صحبت میں خاص کر دے گا (جذبِ عشق کی وجہ سے تجھے وہ اپنی صحبت و ہمنشینی کے لئے خاص کر لے گا) اس لئے اگر تو اور کوئی فضیلت نہیں رکھتا تو مادرزاد عشق اس سے بھی بڑھ کر ہے (یہی خوبی کافی ہے)

غزل نمبر ۹

بحر ہزج مثمن اخرب مکفوف مقصور الآخر ارکان (مفعول مفاعیل مفاعیل مفاعیل)

اے مطربِ جاں سوخت دلم پردہ دگر گیر ۱ یا پردہ ازیں راز بیک مرتبہ برگیر

راہے بنوازن کہ غمِ عشق در آید ۲ گو شورش و مستی و جوانی رہ درگیر

راہے کہ بمطلوب قریب است عزیز است ۳ تا سر ز دو پائے ازیں مرحلہ برگیر

اسرارِ خرابات مغاں سادہ تواں یافت ۴ ہاں اے بطِ مے قلقلہ پرداختہ ترگیر

زیں ہمنفساں آتشِ سردت نفروزد ۵ یارِ دمِ گرمے شو و چوں سوختہ درگیر

تو طفلی و ایں راحت و غم میدہدت دست ۶ تا خونِ جگر شیر شود خونِ جگر گیر

جامِ فلک آمیختہ شہد و شکر نگست ۷ کارے کہ از و ساختہ تر گشت بتر گیر

تا در طلبِ کام خودی کام نیابی ۸ بگذر ز مرادِ خود و مقصود بہ بر گیر

دل زاولِ شب طالبِ فیض ست نظیری

۹ لب باز کن و ساغرِ لبریزِ سحر گیر

(۱) اے جان کے عشق میرا دل جل گیا۔ کوئی دوسرا گانا شروع کرا دیا پھر یکبارگی اس راز پر سے پردہ اٹھا دے نغمۂ محبت میرے دل کو جلائے ڈالتا ہے۔ یا تو اس کو بدل دے یا پھر اپنا راز ہی مجھ پر کھول دے۔ کہ ایک ہی مرتبہ شعلۂ نور سے جل جاؤں)

(۲) ایسے طریق سے نغمہ گا کہ غمِ عشق (دل میں) آجائے۔ شورش و مستی اور جوانی سے کہہ دو کہ وہ اپنا راستہ لیں (رہ زدن۔ کنایہ از سرودگفتن۔ عشق کے آتے ہی جوانی و شورش و مستی جاتے رہیں گے۔

(۳) جو راستہ مطلوب کی طرف قریب ہو وہی عزیز ہوتا ہے۔ جبتک سر نہ کٹ جائے اس منزل سے قدم ہٹائے رکھو منزل عشق میں محبوب تک پہنچنے کے لئے سب سے قریب راستہ سر بازی و جاں نثاری کا ہے۔ جب تک تمہیں یہ مقام حاصل نہ ہو منزلِ عشق میں قدم مت رکھو)

(۴) خرابات مغاں کے رازِ تو بالکل سادہ طریق سے معلوم کئے جاسکتے ہیں ہاں! اے شراب کی صراحی! ذرا اور صاف آواز نکال (بطِ مے صراحی شراب، قلقلہ۔ آواز جو صراحی سے شراب انڈیلتے وقت پیدا ہوتی ہے قلقل مینا۔ اور صراحی کو بھی کہتے ہیں۔ مطلب یہ کہ شراب پی کر راز مغاں معلوم ہو سکتے ہیں۔ عشق و محبت کے رازِ عشق و محبت کی شراب پی کر معلوم کئے جاسکتے ہیں)

(۵) ان ہمنشینوں سے تیری بجھی ہوئی آگ نہ جل سکے گی۔ اس لئے کسی گرم دم کا دوست بن جا اور جلے ہوئے کی طرح بھڑک اٹھ (گرم دم: جو عشق و معرفت کی گرمی سے گرمایا ہو۔ بجھی ہوئی آگ پھونکیں مار مار کر جلایا کرتے ہیں۔ اس لئے ہمنفساں کا لفظ بھی خوب ہے)

(۶) تو بچہ ہے۔ اور اس لئے تجھے یہ راحت و غم حاصل ہو رہے ہیں۔ اس وقت تک کہ خونِ جگر دودھ بنے تو خون جگر ہی پئے جا۔ بچہ کو ماں کے پیٹ میں خون کی غذا ملتی ہے۔ ولادت کے بعد وہی خون دودھ بن جاتا ہے۔ دنیا میں انسان کو رنج بھی پہنچتا ہے اور راحت بھی۔ رنج میں گویا اسے خون جگر پینا پڑتا ہے اور راحت کا لطف شیر کا سا ہے شاعر کہتا ہے کہ اگر تمہیں رنج و غم میں خونِ جگر پینا پڑتا ہے۔ تو گھبراؤ نہیں کہ اس کے بعد راحت کا دودھ بھی نصیب ہوگا۔ جس طرح بچہ پہلے خون پیتا ہے اور پھر دودھ)

(۷) آسمان کا جام شہد اور زہر کا مرکب ہے جو کام اس سے زیادہ اچھے طریق پر انجام پا گیا۔ اس کو اور بھی بدتر سمجھ (جتنا کسی کو زیادہ آرام ملتا ہے اس کے بعد اس سے بڑھ کر رنج و الم نصیب ہوتا ہے)

(۸) جب تک تو اپنے مقصد کی طلب میں لگا رہیگا۔ کامیاب نہ ہوگا۔ ذرا ایک دفعہ اپنی مراد کو ترک کر دے اور پھر مقصود کو اپنے پہلو میں پالے (ترکِ مقصد ہی کامیابی مقصد ہے یعنی اگر تم مطالب دنیوی سے بے نیاز ہو جاؤ تو اصل مقصد حاصل ہو گیا)

(۹) اے نظیری اول رات کے پہلے حصہ سے فیض کا طالب ہے۔ ابتدائے شب سے طلب فیض میں بیدار ہے۔ منہ کھول اور صبح کا بھرا ہوا پیالہ لے (انوار صبح سے مستفیض ہو جا)

غزل نمبر ۱

بحر رجز مثمن سالم — ارکان: مستفعلن مستفعلن مستفعلن مستفعلن

چشمش براہے میرود مژگان نمناکش نگر ۱ در سینہ دارد آتشے پیراہن چاکش نگر
دامے کہ زلف انداختہ در گردنِ سیمینش بیں ۲ خونے کہ مژگاں ریختہ بر دامن پاکش نگر
شرم از میاں برخاستہ مُہر از دہاں برداشتہ ۳ گفتار بے ترسش ببیں رفتار بیباکش نگر
قصد فریبے میکند سوئے غزالے میچمد ۴ آں چشمِ آہوگیر را با زلفِ پیچاکش نگر
از کوئے معشوق آمدہ شوریدگاں در حلقہ اش ۵ از صیدِ آہو میرسد شیراں بفتراکش نگر
دل بُردہ در دل باختن معشوقِ عاشق پیشہ بیں ۶ بگرفتہ در انداختن بازوئے چالاکش نگر

وحشی غزالے کز حیا رم در بیاباں میخورد
۷ رامِ نظیری میشود در ہوش و ادراکش نگر

معشوق خود کسی کے عشق میں مبتلا ہو گیا ہے اس مسلسل غزل میں اس کی حالت کا بیان ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ غزل نظیری کی بہترین غزلوں میں سے ہے۔

(۱) اس کی آنکھ بھی کسی راستے پر لگ رہی ہے (انتظار میں ہے) ذرا اس کی نمناک پلکوں کو دیکھو (عشق میں بے اختیار آنسو نکل آئے ہیں) اس کے سینے میں ایک آگ لگ رہی ہے۔ اس کا پھٹا ہوا کرتا دیکھو (جو جنونِ عشق میں اس نے چاک کر ڈالا ہے)

(۲) جو جال اس کی زلفوں نے لگایا تھا وہ اب اس کی اپنی ہی نازک اور خوبصورت گردن میں دیکھو (وہ خود کسی کی زلفوں کے دام کا اسیر ہو چکا ہے) اور جو خون (عاشقوں کا) اس کی پلکوں نے گرایا تھا۔ اسے اب خود اس کے پاک دامن پر دیکھ لو (خون کے آنسو اپنے دامن سے پونچھتا ہے)

(۳) اس کی شرم اٹھ گئی ہے۔ اور اس کے منہ پر کی مُہر ٹوٹ چکی ہے (معشوق کی حیثیت میں وہ نہایت شرمگیں اور مہر بہ لب تھا) اب اس کی بے خوف گفتگو اور بے باک رفتار دیکھو۔

(۴) وہ کسی فریب کا ارادہ کر رہا ہے اور اسی لئے کسی غزال کی طرف جا رہا ہے۔ اس کی ان آہوگیر آنکھوں کو اس کی پُرپیچ و خم زلفوں کے ساتھ ذرا ملاحظہ کرو (در عاشقی ہیں بھی معشوقیت قایم ہے کہ عاشق کو پھانسنے کے لئے "چشم و زلف" دام و دانہ بنا رہا ہے)

(۵) وہ معشوق کے کوچے سے آیا ہے مگر اس حالت میں کہ عاشق اس کے گرد حلقہ باندھے ہوئے ہیں۔ گویا وہ ہرن کو شکار کر کے آیا ہے مگر دیکھو کہ خود اس کے شکار بند میں شیر بندھ رہے ہیں۔

(۶) اس معشوق عاشق پیشہ کو دیکھو کہ دل کے ہار دینے میں بھی وہ دل لے گیا۔ اس کے چالاک بازوؤں کو دیکھو کہ اس نے گرنے میں بھی پکڑ لیا (دل ہارنے میں دل لے لیا۔ مطلب یہ کہ عشق میں معشوق کو دل دے رہا تھا مگر خود معشوق کو اپنا عاشق بنا کر اس کا دل لے لیا۔ بگرفتہ در انداختن اس کا معشوق اسے زیر کرنا چاہتا تھا۔ مگر اس نے نہایت ہوشیاری سے اسے زیر کر لیا اور عاشق بنا لیا۔)

(۷) وہ وحشی غزال جو شرم کے باعث بیابان میں رم کرتا پھرتا ہے وہ نظیری سے رام ہوا جا رہا ہے۔ اس کی عقل و ہوش کو دیکھو (کہ اس قدر وحشت کے باوجود نظیری اسے رام کرنے میں کامیاب ہو گیا ہے)

غزل نمبر ۱۱

بحر مضارع مثمن اخرب مکفوف محذوف — ارکان: مفعول فاعلات مفاعیل فاعلات

منشیں بشاہد آبِ رخِ پارسا مبر ۱ آئینۂ صفا بدمِ بے صفا مبر

دور از طریقِ تہمت اگر جیبِ مریم است ۲ ولہائے پاکِ معتقداں راز جا مبر

از کوے چوں بجانبِ خلوت رواں شوی ۳ بیگانہ را درون مگذار آشنا مبر

تا زخمِ طعن زن نخوری در سرائے خویش ۴ گر سایہ ہمرہِ تو شود از قفا مبر

آئینہ ات ز ہمنفساں تیرہ مے شود ۵ سیمائے حسن مشکن و رنگِ حیا مبر

تلخت شکر شود بلبِ انگبیں مدہ ۶ خارت سمن شود بگذارِ صبا مبر

نالاں مگرد و قیمتِ ما را سبک مساز ۷ گریاں مباش و آبِ رخِ کارِ ما مبر

بودن بطبعِ خوش منشاں کار مشکل است ۸ نازک دلے بسر نرسانی عنا مبر

حرزِ جمالِ خود ز نظیری طلب نمائے ۹
جز سوئے حفظِ خاطرِ او التجا مبر

(۱) معشوق کے پاس مت بیٹھ اور اپنے پارسا چہرے کی آبرو ضایع نہ کر۔ اس کے پاس بیٹھنے سے پارسائی کی عزت جاتی رہیگی۔ اپنے پاک صاف آئینہ (دل) کو اس کے ناصاف سانس کے سامنے مت لے جا۔ سانس سے آئینہ پر کدورت آجایا کرتی ہے۔ معشوق مجازی کا عشق تمہارے دل کو مکدر کر دے گا)

(۲) جب یہ مسلّم ہے کہ عصمت مریم کسی تہمت سے داغدار نہیں تو پھر اس کہانی کی تفصیلات میں الجھ کر عقیدتمندوں کے دل مضطرب کرنے کی کوشش نہ کر۔

(۳) جب تو کوچے سے خلوت کی جانب روانہ ہو تو پھر نہ کسی بیگانے کو اندر آنے کی اجازت دے اور نہ کسی آشنا ہی کو (خلوت میں) یعنی (آشنا ہو یا بیگانہ خلوت میں مخل انداز ہو گا)

(۴) اگر تو چاہتا ہے کہ طعنہ زن کے طعن کا زخم نہ کھائے تو پھر اپنے مکان میں اگر سایہ بھی تیرے ہمراہ ہو جائے اسے اپنے پیچھے (اندر) مت لیجا کوئی بھی شخص تیرے مکان میں تیرے ہمراہ جائے گا۔ تو لوگ تیری طرف انگشت نمائی کریں گے اور تو بدنام ہو جائیگا)

(۵) تیرا آئینہ (دل) ان ہمنشینوں کی وجہ سے مکدر ہو جاتا ہے (اس لئے ان سے علیحدگی اور تنہائی اختیار کر) تو اپنے حسن کی پیشانی کو خراب نہ کر اور حیا کا رنگ دور نہ کر (ان آوارہ مزاج ہمنشینوں کی صحبت میں بیٹھ کر اپنے حسن ظاہری و باطنی کو بٹہ نہ لگا لے اور بے حیا نہ بن جا)

(۶) تیری تلخیاں ہی شیر بنیاں بن جائینگی۔ تو لبوں کو شہد مت پلا۔ اور تیرا کانٹا چنبیلی کا پھول بن جائیگا۔ تو اسے صبا کے راستے میں مت لے جا (تکلیفوں اور مصیبتوں سے گھبرا کر دوسروں کے وسیلے سے ان سے نجات پانے کی کوشش نہ کرو۔ خود

قدرت سے ہی آسانی کے سامان ہو جائیں گے (مصیبت کے بعد راحت ہوتی ہے۔)

(۷) نالہ کرکے ہمیں کم قیمت مت کرو۔ ورنہ لوگ عشاق کو کم حوصلہ سمجھنے لگیں گے اور ان کی کوئی قدر و قیمت ہی نہ رہے گی، گریہ کرکے ہمارے کام (عشق) کی عزت نہ گنواؤ۔

(۸) خوش طبیعت لوگوں کے مزاج کے موافق ہونا بہت مشکل کام ہے۔ چونکہ تم اس نازک دل (معشوق) کے ساتھ نباہ نہ کر سکو گے۔ اس لئے (عشق کی) تکلیف نہ ہی اٹھاؤ تو اچھا ہے دوسرے مصرعہ میں اگر نازک دلی بجائے معروف پڑھا جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ اے محبوب تجھ سے نازک دلی نہیں نبھ سکے گی کیونکہ تجھے بڑے بڑے ستم کش عشاق سے واسطہ پڑے گا۔ اور خود تو بڑی بڑی جفائیں کریگا اس لئے نازک دلی کے خیال کو ابھی سے ترک کر دے اور تکلیف نہ اٹھا۔ یہ دوسری صورت مجھے بہتر معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ پہلی صورت میں یا محذوف ماننا پڑتا ہے)

(۹) تو نظیری سے اپنے حسن کی حفاظت، کا تعویذ طلب کر اور اس کے دل کے پاس سوا حفظِ حسن، کے اور کوئی التجا نہ لیجا

غزل نمبر ۱۲

بحر مضارع مثمن اخرب مکفوف مقصور — ارکان مفعول۔ فاع لات مفاعیل فاعلان

افلاک فتنہ زادہ بداماںِ روزگار ۱ برکردہ سر بلا ز گریبانِ روزگار

سیبِ ذقن مگوے بگو گوے آفتاب ۲ زلفش ربود از خمِ چوگانِ روزگار

گاہے کہ عقل بر سرِ جمعیت آمدہ ۳ عشقش بہم زدہ سر و سامانِ روزگار

دل چوں شناورے کہ عزیزش ز کف رود ۴ خود را فگندہ بر سرِ طوفانِ روزگار

از سرنوشتِ ساقیِ دورانِ ما قضا ۵ بشکستہ خامہ در کفِ دیوانِ روزگار

ایزد چو کرد عاملِ چشمانش فتنہ را ۶ صد بار گفت جانِ تو و جانِ روزگار

نابود تا نگشتہ بسودائے زلفِ او ۷ خود را نکردہ جمع پریشانِ روزگار

شوریدہ حسرتش شدہ داروے زخمہا ۸ در رو محنتش شدہ درمانِ روزگار

افغاں کہ جائے بودنِ چندیدنم نماند ۹ زخمم نشستہ بر سرِ پیکانِ روزگار

از قہرِ جیب و سینہ خود پارہ میکنم ۱۰ دستم نمی رسد بگریبانِ روزگار

صبحِ اجل رسید و پر و بال میزنم ۱۱ در حسرتِ فروغِ شبستانِ روزگار

راہے بسوئے قبلۂ حاجت نمے برم ۱۲ سرگشتہ ام میانِ بیابانِ روزگار

جولانِ افتخار ازاں سو نگر کنم ۱۳ زخشم گذشتہ از سرِ جولانِ روزگار

گوئی کہ کامِ کودک و پستانِ مادرست
زخمِ نظیری و سرِ پیکانِ روزگار

(۱) آسمانوں نے زمانے کے دامن میں فتنے پیدا کر رکھے ہیں۔ اور زمانے کے گریبان سے بلائیں ظاہر ہو رہی ہیں۔ (از گریباں سر بر کردن سر اٹھانا، ظاہر ہونا یعنی ہر طرف فتنے اور مصیبتیں برپا ہیں)

(۲) اس کو سیب ذقن نہ کہو بلکہ یہ کہو کہ اس کی زلف زمانے کے چوگان کے خم سے آفتاب کی گیند لے آئی ہے۔ (ایک طرف زمانہ تھا اور دوسری طرف معشوق کی زلف۔ دونوں چوگان بازی میں مصروف تھے۔ زلف کی شکل چوگان سے ملتی ہے آفتاب کی گیند سے کھیل کھیلا جا رہا تھا۔ اس کی زلف زمانے کو شکست دیتی ہوئی اس گیند کو لے آئی۔ اور وہ اس کا ذقن بن گیا۔ مطلب یہ کہ معشوق کی ٹھوڑی آفتاب سے بڑھ کر نورانی ہے)

(۳) جب بھی عقل بر سر اطمینان ہوئی (جو نہی عقل کو اطمینان حاصل ہونے کے آثار نظر آئے) عشق نے اس کے روزگار کا تمام سر و سامان ہی درہم برہم کر دیا (عشق نے عقل کو ذہنی حاصل نہ ہونے دی (عشقش میں ضمیر شین راجع بہ معشوق محذوف بھی ہو سکتی ہے)

(۴) دل نے اس تیراک کی طرح جس کا کوئی عضو ہاتھ سے نکل جائے اپنے آپ کو زمانے کے طوفان کے حوالے کر دیا ہے۔ (خود را بر سر طوفان افگندہ یعنی بچاؤ کے لئے ہاتھ پاؤں نہیں مارتا بلکہ تن بتقدیر اپنے کو طوفان کے حوالے کر دیا ہے کہ جو ہو سو ہو)

(۵) ہمارے زمانے کے ساقی کی سرنوشت کی وجہ سے قضا نے زمانے کے منشی کے ہاتھ میں قلم توڑ ڈالا ہے۔ (دوران کو ساقی قرار دیا ہے۔ یعنی ہمارا زمانہ ایک ایسا ساقی ہے جس کی تقدیر بالکل پھوٹ گئی ہے۔ اور اس کی تقدیر کو دیکھ کر قضا نے حسرت و افسوس سے اپنا قلم توڑ ڈالا ہے۔ مطلب یہ کہ ہماری قسمت میں کچھ بھی نہیں)

(۶) خدا نے جب فتنہ کو اس کی آنکھوں کا عامل مقرر کیا تو اس نے سو بار کہا کہ تیری جان اور زمانے کی جان لازم و ملزوم ہیں (معشوق کی آنکھیں فتنہ باز ہیں۔ اور جب تک دنیا موجود ہے یہ فتنہ بازی قایم رہے گی۔ تو لزوم کے لئے ہے)

(۷) جب تک اس کی زلفوں کے سودا (عشق) میں وہ مٹ نہ گیا۔ اس وقت تک زمانے کا پریشان شخص اپنے آپ کو اطمینان میں نہ پا سکا۔ (عشق میں مٹ جانا ہی تمام پریشانیوں کا خاتمہ ہے)

(۸) اس کے حسن کی نمکینی ہی زخموں کی دوا بن گئی (رحالانکہ زخم کیلئے نمک مضر ہے۔ مگر اس کے حسن کی نمکینی سے زخم دل مندمل ہوتے ہیں) اور اس کی محبت کا درد زمانے کا علاج بن گیا ہے (اس کے درد محبت میں مبتلا ہو کر زمانہ تمام دوسرے رنجوں اور غموں کی طرف سے بے نیاز ہو گیا ہے)

(۹) فریاد ہے کہ نہ میرے ٹھہرنے اور نہ تڑپنے اور حرکت کرنے کے لئے ہی جگہ رہ گئی ہے۔ گویا میرا زخم زمانے کے تیر کی نوک کے اوپر ہے

(۱۰) میں قہر سے اپنے ہی گریبان اور سینہ کے ٹکڑے کئے دیتا ہوں۔ کیونکہ میرا ہاتھ زمانے کے گریبان تک نہیں پہنچ سکتا (حوادث و آفات کے لئے زمانہ ذمہ دار ہے۔ مگر اس کو میں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ مجبوراً "قہر درویش بجان درویش" اپنے ہی جیب و سینہ کے ٹکڑے اڑا ڈالتا ہوں)

(۱۱) موت کی صبح آ پہنچی اور میں ابھی تک زمانے کے شبستان کی روشنی کی حسرت میں پر و بال پھڑپھڑا رہا ہوں (زمانہ کو شبستان قرار دیا ہے۔ گویا یہاں ہمیشہ تاریکی ہی چھائی رہتی ہے۔ کیونکہ امید و آرزو بر آنے کی روشنی کبھی نمودار نہیں ہوتی۔ اسی حسرت میں کہ کوئی امید بر آئے۔ عمر گزر جاتی ہے۔ صبح اجل:۔ اجل کو صبح قرار دے کر یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ زمانے کی ناامیدیوں اور دل شکستگیوں کی مسلسل زندگی سے تو موت اچھی کہ وہ گویا ان تاریکیوں کے بعد روشنی کی صبح ہے)

(۱۲) مجھے قبلۂ حاجت کی طرف کا کوئی راستہ نہیں ملتا۔ میں زمانے کے بیابان میں سرگشتہ و حیران پھر رہا ہوں (کوئی مقصد بر نہیں آتا۔ اس لئے سرگردان رہتا ہوں۔ گویا حاجت قبلہ ہے جس کی تلاش میں سرگرداں ہوں۔ بیابان میں سمت قبلہ معلوم کرنے میں دقت پیش آیا کرتی ہے)

(۱۳) (بتقدیم مصرعہ ثانی) میرا گھوڑا زمانے کی جولانیوں سے گزر چکا ہے۔ اب شاید میں اس طرف سے فخر کے ساتھ جولان کر سکوں۔ (زمانے کی گھڑ دوڑ میں میں آگے نکل گیا ہوں۔ اس لئے اگر فخر کروں تو بجا ہے۔ مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ میں شاعری میں تخیل کی بلند پروازی کے سبب سب شعراء سے بازی لے گیا ہوں اور اس پر مجھے فخر ہے۔ بازی جیتنے کے بعد گھوڑے کو فخر سے دوڑاتے ہوئے واپس آیا کرتے ہیں)

(۱۴) (دوسرا مصرعہ پہلے) نظیری کا زخم اور زمانے کے تیر کی نوک ایسے ہیں۔ گویا چھوٹے بچے کا منہ ہو اور اس میں ماں کا پستان ہو (نظیری زمانے کے تیروں کو اس طرح ذوق و شوق سے اپنے سینے پر کھاتا ہے۔ جس طرح چھوٹا بچہ پستان مادر کو چوستا ہے)

غزل نمبر ۱۳

بحر مجتث مثمن مخبون محذوف — ارکان:- مفاعلن فعلاتن مفاعلن فعلن

۱ مے است چارۂ غم ہوشمند را چہ خبر — رموز ہائے تلخ مست قند را چہ خبر
۲ سماعِ دُرد کشاں صوفیاں چہ میدانند — ز شیوہ ہائے سمندر سپند را چہ خبر
۳ بزیر شاخِ گل افعی گزیدہ بلبل را — نواگرانِ نخوردہ گزند را چہ خبر
۴ ز دامنے کہ کشائیم ماتہی دستاں — تو میوۂ سرِ شاخِ بلند را چہ خبر
۵ ہزار دامِ تصور نہیم و بر داریم — تو مرغِ وحشیِ فارغ ز بند را چہ خبر
۶ بخاص و عام نہد داغِ بندگی عشقت — قبول و ردِ تو مشکل پسند را چہ خبر
۷ ہزار شیخ و برہمن زکیش و دیں برگشت — تصرفِ نظرِ ارجمند را چہ خبر
۸ نمے علاج نماید پسند ناشنواں — طبیب داروئے ناسودمند را چہ خبر

بہ بندِ عشق نظیری خجستگاں افتند
۹ ستارۂ بد و بختِ نژند را چہ خبر

(۱) غم کا علاج شراب ہے۔ ہوشمند کو جس نے کبھی پی ہی نہیں، کو اس کی کیا خبر جو اسرار و رموز تلخ شراب میں ہیں۔ ان کی قند کو کیا خبر (شراب کی مستی میں سب غم بھول جاتے ہیں۔ اور جو اسرار محبت یا معرفت شراب کے نشے میں معلوم ہوتے ہیں۔ ان کے لطف کو قند کی شیرینی بھی نہیں پہنچتی)

(۲) تلچھٹ پینے والوں کے وجد کو بیچارے صوفی کیا سمجھیں۔ سمندر کی اداؤں کی ہرمل کو کیا خبر (دوسرا مصرعہ تمثیل کے طور پر ہے سمندر آگ میں ہی پیدا ہوتا اور وہیں زندہ رہتا ہے۔ اور سپند کو آگ میں ڈالا جاتا ہے تو وہ فوراً تڑپ کر ختم ہو جاتی ہے۔ گویا دُرد کش تو ہمیشہ وجد میں رہتے ہیں۔ اور صوفی پر یہ حالت کبھی طاری ہوتی ہے۔ اور اس میں بھی لطف یہ ہے کہ اول الذکر اپنی اس مسلسل حالت کی کسی کو خبر تک نہیں ہونے دیتے۔ مگر مؤخر الذکر اس وقتی کیفیت کو بھی چھپا نہیں سکتے)

(۳) بلبل کو شاخ گل کے نیچے سے گویا اژدہا نے ڈس لیا ہے ان نغمہ گانے والوں کو جنہیں کسی نے کاٹا نہیں اس کے لطف کی کیا خبر (خار گل گویا اژدہا ہے اور یہ گزند گویا بلبل کو ایسا مرغوب ہے۔ کہ وہ اس کے شوق میں چہچہاتی ہے۔ گویا اس کا چہچہانا نتیجہ ہے گزیدگی کا اور اس لئے نہایت مؤثر ہے۔ مطلب یہ کہ عشق کی چوٹ کھائے ہوئے دل کا نغمہ نہایت پُرسوز و گداز ہوتا ہے)

(۴) جس دامن کو ہم تہیدست کھولتے ہیں۔ اس کی تجھ اونچی شاخ پر کے پھل کو کیا خبر (ہم مفلس ہیں مگر ہمارا دامن قناعت کی دولت سے مالا مال ہے اور جو شخص دولت و مال کی خواہش و حرص میں بلندیوں پر اڑتا پھرتا ہے وہ ہماری قناعت کے لطف سے واقف و آگاہ نہیں ہو سکتا۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ عشق کی پامالیوں میں جو لطف ہم حاصل کر رہے ہیں۔ اسے دنیا دار لوگ اپنے شکوہ و شان کے باوجود نہیں سمجھ سکتے)

(۵) ہم تصور کے ہزاروں جال لگاتے اور اٹھا لیتے ہیں۔ مگر تجھ جال کی قید سے آزاد وحشی پرندے کو اس کی کیا خبر (تصور کو دام قرار دیا ہے۔ گویا ہم تصور ہی تصور میں تجھے اپنے قبضے میں لاتے ہیں۔ مگر یہ صرف تصور ہی ہوتا ہے۔ ہر دفعہ تصور ٹوٹنے پر معلوم ہوتا ہے کہ تو ہمارے قبضے

میں نہیں ہے۔ ادھر ہماری یہ حالت ہوتی ہے اور ادھر تیری یہ کیفیت ہے کہ تو ایک مرغ وحشی ہے۔ جو جال میں پھنستا ہی نہیں۔ مطلب یہ کہ ہم تیرے عشق میں مبتلا ہیں۔ مگر تجھے خبر تک نہیں)

(۶) تیرا عشق تو اپنی غلامی کا داغ خاص و عام سب پر لگا لے جاتا ہے بمشکل پسند کو تیرے ردّ و قبول کا کیا علم۔

(۷) ہزاروں شیخ و برہمن اپنے طریقے اور مذہب سے پھر گئے (برہمن نے اپنا طریق اور شیخ نے اپنا دین چھوڑ دیا)۔ اس مبارک نظر سے تصرف کو جس نے شیخ و برہمن کو کیش و دین سے پھرا کر اپنا گرویدہ کر لیا ہے (کیا خبر نگاہ یار کے تصرف سے ہزاروں عشاق ترک مذاہب کر چکے ہیں۔ مگر اسے خبر بھی نہیں)

(۸) نصیحت نہ سننے والے (اپنی بیماری) دل کا علاج شراب سے علاج کر لیا کرتے ہیں۔ مگر اس کی غیر فائدہ بخش دوا لے معالج کو کیا خبر (ناصح نصیحت کرتے ہیں عشق ایک بیماری ہے اور نصیحت اس کا علاج۔ عشاق اس نصیحت کو نہیں سنتے۔ گویا ناصح کی دوا نے ان پر کوئی اثر نہیں کیا۔ عشاق اپنی بیماری کا علاج مے سے کرتے ہیں اور یہ ایسا مؤثر علاج ہے کہ ناصح جس کی نصیحت "دارو ئے ناسود مند" ثابت ہو چکی ہے اس سے نا آشنائے محض ہے)

(۹) اے نظیری! عشق کی قید میں خوش قسمت لوگ پھنسا کرتے ہیں۔ بدقسمت اور منحوس کو اس کی کیا خبر (عشق بڑے خوش قسمت لوگوں کے حصہ میں آتا ہے۔ وہ حرمان نصیب ہیں جو اس سے محروم رہتے ہیں)

غزل نمبر ۱۴

بحر رمل مثمن مقصور — ارکان:۔ فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلان

چشم زخم خلق را با حسنِ روز افزوں چکار	۱	ہر کرا زلف و رخ اعجاز است با افسوں چکار
از عتاب و لطف میبالند مشتاقانِ عشق (نے نالند)	۲	بلبلاں را با نوا کار است با مضموں چکار
در عجائبہائے طورِ عشق حکمتہا گم است	۳	عقل را با مصلحت اندیشیِ مجنوں چکار
کارِ ما با گردشِ طاس است نقشِ کعبتین	۴	با حسابِ انجم و کجبازیِ گردوں چکار
دولتِ وارستگی ہر گہ نماید رُخ خوش است	۵	عشق را با وقتِ خوب و ساعتِ میموں چکار
در بیابانے کہ خوبانند رہزن رہبر است	۶	رہروانِ عشق را با دجلہ ہائے خوں چکار

سادگیہائے نظیری دستِ صد تدبیر بست
عشق چوں دکاں فروچیند با فلاطوں چکار

(۱) دلوں کی نظر بد کو اس روز افزوں حسن سے کیا تعلق۔ جس کسی کی زلف اور رخسار ہی معجزہ ہو اس کو افسون و سحر سے کیا کام (معجزہ کے سامنے جادو نہیں ٹھیر سکتا۔ اسی طرح اس کے روز افزوں حسن کو نظر بد کا خوف نہیں۔ چشم زخم = نظر بد)

(۲) عشق کے مشتاق لوگ (معشوق کے) لطف و عتاب (دونوں) سے فخر و ناز کے سبب پھولے نہیں سماتے۔ کہ بلبل کو نغمے سے کام ہے مضمون سے کیا کام (اسی طرح عاشق کو معشوق سے ایک گونہ تعلق چاہیئے۔ خواہ وہ تعلق اس کے لطف کا ہو یا عتاب کا۔ بلبل اپنے نغمہ میں مست ہے۔ عاشق معشوق کے لطف و عتاب میں مست ہے)

(۳) عشق کے طور و طریق کے عجائبات میں حکمتیں پوشیدہ ہیں۔ عقل کو مجنون کی مصلحت اندیشیوں سے کیا واقفیت (عشق کے اطوار میں ایسے ایسے عجائبات اور حکمتیں پوشیدہ ہیں کہ عقل ان کو نہیں سمجھ سکتی۔ مجنون کے عشق و جنون میں بھی مصلحتیں اور حکمتیں پوشیدہ تھیں

مگر عقل کی وہاں تک رسائی نہیں)

(۴) ہمارا واسطہ آج کل گردش جام اور نقش کعبتین (شترانجوری) اور قماربازی، سے ہے۔ اس لئے ہمیں تاروں کے حساب اور آسمان کی کج بازی سے کیا کام؟ (طاس، طشتِ کلاں۔ نیز ظرفے ست کہ در وآب و شراب خورند۔ گردش طاس؛ شترانجوری کعبتین دو پانسہ باشند کہ چہار از استخوان مربع شش پہلو کہ بر پہلوئے ہر یک پانسہ از یک تا شش عدد نقش کنند و بداں نرد بازند غیاث)

(۵) وارستگی و آزادی کی دولت جب بھی ملے خوب ہے۔ اس لئے عشق کو مبارک گھڑی اور نیک وقت سے کیا کام ہو وارستگی۔ گویا عشق کی پابندی عاشق کے لئے آزادی ہے کہ معشوق کے سوا باقی سب چیزوں سے آزاد کر دیتی ہے۔ یا وارستگی چاہیئے۔ ہر ایک کام کے لئے وقت اور ساعت نیک کا لحاظ کیا کرتے ہیں۔ مگر کہتا ہے کہ عشق کے لئے کسی ایسی ساعت کی ضرورت نہیں کہ وہ بہرحال مبارک ہے)

(۶) جس بیابان میں عشوق ہوتے ہیں۔ وہاں کے رہزن بھی رہبر بن جاتے ہیں (کہ عشق میں دوسروں کی رہنمائی کرنے لگتے ہیں) اس لئے عشق کے میدان کے راہگذروں کو خون کے دریاؤں سے کام کیا (جب رہزن رہبری کا طریق اختیار کر چکے ہیں۔ تو پھر خطرات دھاڑ کہاں)

(۷) نظیری کی سادگیوں نے سینکڑوں تدبیروں کے ہاتھ باندھ دیئے۔ جب عشق دکان آراستہ کرتا ہے۔ تو پھر افلاطون کی کیا ضرورت (عشق جب ایک دفعہ کسی کے دل میں گھر کر لیتا ہے تو پھر سو تدبیریں کرو علاج پذیر نہیں ہوتا۔ یہ ایسی بیماری ہے۔ کہ اس کا علاج افلاطون بھی نہیں کر سکتا)

غزل نمبر ۱۵

بحر مضارع مثمن اخرب مکفوف محذوف — ارکان: مفعول فاع لات مفاعیل فاع لُن

ہر روز ہست نالۂ مُرغاں دراز تر ۱ گلزار بیوفاتر و گل بے نیاز تر

پیداست عشق مجلسیاں را مدار چیست ۲ مے جانگداز و مطرب ازاں جانگداز تر

وا رندز بیکساں ہمہ زاری کہ در چمن ۳ شُد بے بقاتر آنکہ برآمد بناز تر

چندانکہ روز نرگسِ جادو بخواب رفت ۴ شب شد سپہر شوخ تر و دیدہ باز تر

قانون شکست مطرب ما را و ہمچناں ۵ ضربت ز ضربت دگرش دلنواز تر

کے دستِ ما بدامنِ آزادہ میرسد ۶ ہر روز ہست سرو رواں سرفراز تر

برصوتِ خود مناز نظیری کہ ہر کہ رفت
دستاں بذوق تر شد و بُستاں بساز تر ۷

(۱) پرندوں کا نالہ و فریاد روز بروز بڑھتا جاتا ہے کیونکہ گلزار زیادہ بے وفا اور پھول زیادہ بے نیاز ہوتا جا رہا ہے (دو مطلب ہو سکتے ہیں۔ یا تو یہ کہ نالہ و فریاد کا سبب گلزار کی بیوفائی اور گل کی بے نیازی ہے چونکہ گلزار کی بے وفائی اور گل کی بے نیازی بڑھتی جا رہی ہے۔ اس لئے بلبلوں اور پرندوں نے بھی اپنے نالہ کو دراز تر کر دیا ہے۔ کہ عرفی نے سہ

نوا را تلخ تر میزن چو ذوقِ نغمہ کم یابی
حُدی را تیز تر میخواں چو محمل را گراں بینی

دوسرا یہ کہ جتنا پرندے نالہ کو دراز تر کرتے چلے جاتے ہیں اُسی قدر گلزار بیوفاتر اور گل بے نیاز تر ہوتے چلے جاتے ہیں یعنی عاشق

جس قدر زیادہ نیازمندی سے کام لیتا ہے معشوق اسی قدر زیادہ ناز کرتا ہے)

(۲) ظاہر ہے کہ اس کے ہم مجلسوں کے عشق کا درجہ کیا ہے کہ شراب جانگداز ہے اور مطرب اس سے بھی زیادہ جانگداز (جب وہ ان جاں گدازیوں کا بہ کشادہ پیشانی سامنا کرتے ہیں تو پھر عشق کی جانگدازیوں سے گھبرا کر منہ نہیں موڑلیں گے) ۔

(۳) زیرک لوگ اس لئے ہر وقت زاری و عاجزی میں رہتے ہیں کہ (وہ دیکھتے ہیں کہ) باغ میں جتنا کوئی پھول زیادہ ناز و نزاکت والا ہوتا ہے اسی قدر زیادہ کم عمر ہوتا ہے (فخر و ناز بے بقائی کی علامت ہے)

(۴) اس کی بادہ بھری آنکھ جس قدر دن کو سوتی رہی اسی قدر وہ رات کے وقت آسمان کو زیادہ شوخ بنانے والی اور زیادہ عربدہ باز ہو گئی ۔

(۵) ہمارے مطرب کا ساز ٹوٹ گیا اور اس کے باوجود اسی طرح اس کی ایک ضرب دوسری ضرب سے زیادہ دلنواز ہے (قانون ساز)

(۶) ہمارا ہاتھ اس آزاد کے دامن تک کہاں پہنچ سکتا ہے کیونکہ وہ سرو رواں (قامتِ محبوب) ہر روز زیادہ سربلند ہوتا جا رہا ہے (محبوب کو سروِ رواں کہتے ہیں۔ روز بروز اس کے چاہنے والوں میں اضافہ ہو رہا ہے۔ یہ اس کی سربلندی ہے۔ گویا سرو ہر روز نشو و نما پا کر اونچا ہوتا جا رہا ہے۔ اور ہمارا ہاتھ اس تک نہیں پہنچ سکتا)

(۷) اے نظیری۔ اپنی آواز پر نازاں نہ ہو۔ کہ جو شخص بھی دنیا سے چلا گیا (اس کے چلے جانے کے بعد، نغمہ زیادہ دلپذیر اور باغ زیادہ آراستہ ہو گیا (کسی شخص کی موت سے دنیا میں کوئی کمی اور خلا واقع نہیں ہوتا بلکہ جو جگہ خالی ہوتی ہے۔ قدرت کا ہاتھ اس کو پہلے سے زیادہ بہتر طریق سے پُر کر دیتا ہے)

غزل نمبر ۱۶

بحر ہزج مسدس اخرب مقبوض محذوف الآخر
ارکان : مفعول مفاعلن فعولن

یکبارہ درِ وفا بر آور ۱ این مہرِ قدیم را سر آور
یا محرمِ کعبہ صفا کن ۲ یا بر سرِ کوئے بتگر آور
گر نقشِ یدیم خامہ سر کن ۳ در سطرِ تجسیم مسطر آور
پیراہنِ گل ہزار رنگ است ۴ رنگیش ہم از وفا در آور
طوفانِ چہار موجہ داری ۵ کشتیِ ہزار لنگر آور
گر بدمستیم بادہ کم دہ ۶ ور مخموریم ساغر آور
ور از شر و شورِ ما بہ تنگی ۷ مجلس برچین و بستر آور
اے ہادیِ کعبہ نظیری ۸ مومن بُردیش کافر آور
۹ امروز برنگِ دیگرش بر
فرداش برنگِ دیگر آور

(۱) اس وفا کے دروازے کو ایک ہی دفعہ بند کر ڈال اور اس پرانی محبت کو ختم کر دے (یہ کبھی محبت سے بلانا اور کبھی عتاب سے

نکال دینا جو محبت و وفا کا تمہارا پرانا طریق ہے اسے ختم ہی کر دو۔ تو اچھا، سر برآوردن چیز سے وکار سے ختم کر دینا۔ انجام کو پہنچا دینا۔ بر آوردن ور درخنہ بند نمودن آں۔ صائب کہتے ہیں سے

میر سا ند بوئے مے غرور انجموران حریش کو برآرد محتسب با گل ور مے خانہ لمہ بارہم

(۲) یا تو مجھے پاکیزگی و صفائی (قلب) کے کعبہ کا محرم راز بنا دے اور یا پھر بت گر کے کوچے میں لے چل دو رنگی سے نجات پا کر یک رنگی چاہتا ہے۔ یا پورا مومن یا پورا کافر سے

و ورنگی چھوڑ کر یک رنگ ہو جا سراسر موم ہو یا سنگ ہو جا)

(۳) اگر ہم برا نقش ہیں تو تیرے ہی بنائے ہوئے ہیں، تو قلم کو پھر درست کر کے بنا لے (یعنی ہمیں درست کر دے) اور اگر ہم ٹیڑھی سطریں ہیں تو سطر برابر لے آ (سر کردن قلم۔ کنایہ از تراشیدن آں۔ مطلب یہ کہ ہم جو کچھ اور جیسے کچھ بھی ہیں تیرے بنائے ہوئے ہیں۔ اگر ہم میں کوئی خامی۔ کمی یا نقص ہے تو اسے بھی تو ہی دور کر سکتا ہے)

(۴) پھول کا لباس ہزار رنگ کا ہے اس کو ایک رنگ وفا کا بھی عنایت کر دے (حسن میں اتنی خوبیوں کے ساتھ اگر ایک وفا کا رنگ بھی ہوتا تو کیا خوب ہوتا)

(۵) تو ایسے طوفان میں مبتلا ہے جس میں گرداب پڑ رہے ہیں۔ اس لئے ہزار لنگر والی کشتی مہیا کر (دنیا کے مصائب اور حوادث طوفان ہیں۔ ان طوفانوں سے بچاؤ کیلئے اپنے سینے کو اور دل کو ایسا مضبوط بنا لو کہ گویا وہ کشتی ہزار لنگر ہے۔ چہار موجہ: طوفان چہار موجہ: ایسا طوفان جس میں گرداب پڑتے ہوں۔ اس قسم کا طوفان نہایت خطرناک ہوتا ہے)

(۶) اگر ہم بدمست ہیں۔ تو پھر ہمیں شراب نہ پلا۔ اور اگر ہم مخمور ہیں تو پھر ساغر نکال لا اور شراب پلا (اگر ہم عشق و محبت یا دیدار جمال کی شراب پی کر بدمست ہو چکے ہوں تو بیشک ہمیں شراب نہ پلا۔ مگر درحقیقت حالت یہ نہیں ہے۔ بلکہ یہ کہ ہم مخمور ہیں اس لئے اور شراب ملنی چاہیئے)

(۷) اور اگر تو ہمارے شور و شر سے تنگ آ گیا ہے تو پھر مجلس کو برخاست کر دے اور بستر لے آ کہ ہم سو جائیں۔ (بستر آور کے یہ معنی کہ تو سو جا۔ درست نہیں کیونکہ شور و شر ہمارا ہے۔ ہمارے سلانے کی ضرورت ہے)

(۸) اے نظیری کعبہ کے رہنما، تو اسے برہمن ہونے کی حالت میں لے گیا ہے۔ اب کافر کر کے لا تیوم۔

(۹) آج اسے اور حالت میں لے جا کل اور رنگ میں لے آ (یہ شعر سابق کے ساتھ قطعہ بند ہے۔ مطلب یہ کہ اسے ظاہری اندیا کارانہ ایمان و اسلام سے نکال کر حقیقت و معرفت کے ان مقامات بلند پر پہنچا دے کہ ظاہر پرستوں کے نزدیک وہ کفر ہے۔)

غزل نمبر ۷۱

بحر ہزج مثمن اخرب مکفوف مقصور الآخر — ارکان: مفعول مفاعیل مفاعیل مفاعیل

تعظیم پیام دلِ آگاہ نگہدار ۱ پیغام دلِ خویش ز افواہ نگہدار
تا دامنِ گل پردۂ گلزار دریدہ است ۲ اے شاخ گیا رشتۂ کوتاہ نگہدار
بر من کہ حریفانِ صبوحی بحجر و شند ۳ تو قہقہۂ گل بسحرگاہ نگہدار
شد عشق کہ از منزلِ جاناں خبر آرد ۴ اے عقل تو بنشیں و سرِ راہ نگہدار
مجلس ہمہ راد است و محبت بتقاضا ۵ از صدرِ گدائے برو درگاہ نگہدار
عاشق ز کجا و سخنِ صبر و جدائی ۶ یا رب تو ازیں تہمتِ ناگاہ نگہدار
با خجلتِ جرم از درِ عجز درِ زاری ۷ چوں آمدہ ام خواہ بکش خواہ نگہدار

زندان وطن بہ کہ گلستان غریبی　　　　از مصر بکنعاں برو و در چاہ نگہدار

خواہی کہ بتو بیش شود شوق نظیری
از پیش خود ش گاہ براں گاہ نگہدار

(۱) راز معرفت سے آگاہ دل کے پیام کی تعظیم کا خیال رکھ اور اپنے دل کے پیغام کو شہرت سے محفوظ رکھ راز عشق کو کہ آگاہ دل کا پیغام یہی ہے۔ محفوظ رکھو اور اس کو افشا نہ ہونے دے)

(۲) خبردار! دامن گل نے گلزار کا پردہ ہی پھاڑ رہا ہے رپھولوں کے کھلنے کو گلزار کی پردہ داری قرار دیا ہے۔ کہ حقیقت میں گلزار کے تمام راز کھلے ہی پوشیدہ تھے۔ اس لئے اسے گھاس کی شاخ ہے تو اپنے چھوٹے سے دھاگے کا خیال کرے کہ باغ کا پردہ قائم نہیں رہا تو تو بہ ہزار دس شمار و قطار میں ہے۔ گھاس کے تنکے کی شکل دھاگے سے ملتی ہے۔ یہ مفہوم بھی نکل سکتا ہے۔ کہ بڑوں کے عیوب چھپانے کے لئے چھوٹوں کی ہستی کو قربان کر دیا کرتے ہیں)۔

(۳) صبوحی پینے والے حریف میرے پاس چپکا رہے بیٹھا۔ رمیں صحبت نا جنس میں پھنسا ہوا ہوں تو صبح کے وقت پھول کی ہنسی کا خیال رکھنا کیفیت صبح سے لطف اٹھانا اور میری طرح سے غفلت میں نہ گزار دینا)۔

(۴) عشق گیا۔ تاکہ معشوق کے ٹھکانے کا پتہ لائے۔ اس لئے اے عقل تو یہیں بیٹھ جا اور راستہ دیکھتی رہ دعقل عشق کا ساتھ نہیں کر سکتی کہ بقول علامہ اقبال سے

بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق　　　　عقل ہے محو تماشائے لب بام ابھی

(۵) اگر محبوب کی مجلس تیری مراد کے موافق ہو تو پھر بھی محبت کا تقاضا یہ ہے کہ مسند پر سے کنارہ کشی اختیار کرکے دروازے کے پہلو یا سبان جا بیٹھ دمحبت میں ظاہری مراتب کی بلندی پستی کوئی چیز نہیں کہ ع

دبہ ہیں راہ فلاں ابن فلاں چیزے نیست)

(۶) عاشق کہاں اور جدائی اور صبر کی باتیں کہاں رعاشق سے ہجر میں صبر ہو ہی نہیں سکتا، خدایا تو مجھے اس ناگہانی تہمت سے بچا کیونکہ عاشق پر تہہ صبر کرنے کی باتیں محض تہمت ہیں)

(۷) میں گناہ کی شرمندگی لے کر عجز کے دروازے اور زاری کی راہ سے چونکہ رتیری درگاہ میں آ گیا ہوں۔ اب خواہ تو مار ڈال اور خواہ زندہ رکھ رگناہگار ہوں اور گناہ کا معترف۔ اب تیری مرضی پر منحصر ہے کہ جو سلوک چاہے مجھ سے روا رکھ۔ طلب بخشش کا نہایت اچھا طریق ہے)

(۸) وطن کا قید خانہ اچھا نہ کہ غربت یعنی غریب الوطنی کا گلستاں! اس لئے مجھے مصر سے کنعان میں لیجا اور بیشک کنوئیں میں ڈال دو رحضرت یوسف اپنے وطن کنعان سے مصر کی غربت پر مجبور ہوئے۔ مصر میں انہیں حکومت ملی۔ نظیری کہتا ہے کہ مجھے غربت کی راحت دکھو نہیں چاہیئے ماں سے بہتر وطن کا قید خانہ ہے)

(۹) اگر تو چاہتا ہے کہ نظیری کی محبت والفت تیرے ساتھ اور زیادہ ہو جائے۔ تو اسے کبھی اپنے پاس رکھ اور کبھی اپنے پاس سے ہٹا دے رنہ اس کو ہر وقت اپنے پاس بٹھائے رکھ کہ اس سے سیری پیدا ہوتی ہے۔ اور نہ ہر وقت اسے جدائی پر مجبور کر دے کہ اس سے مایوسی ہو گی۔ دونوں صورتیں محبت کے لئے نقصان رساں ہیں)

غزل نمبر ۱۸

بحر مضارع مثمن اخرب مکفوف مقصور　　　　ارکان: مفعول فاع لات مفاعیل فاع لان

امروز کاروبار جہاں را خراب گیر　　　　فردا کہ شنبہ است شگون از شراب گیر
دریاب سر خوشان چمن را بہر صبوح　　　　شبنم بروئے بستر و نرگس بخواب گیر

از سروِ سر فراختہ صوتِ حزیں شنو ۔ وز شاخِ برفروختہ مرغ کباب گیر

جز مہرِ دلبرے کہ قوامِ حیات ازوست ۔ تن را نمود داں و رُواں را سراب گیر

ہر وقتِ بدکہ روئے دہد آبِ سیل داں ۔ ہر نقشِ خوش کہ جلوہ کند موجِ آب گیر

اشعارِ خوش بگوئے و جلی بر ورق نگار ۔ الفاظِ تر بیار و شکر در گلاب گیر

خواہی ز کشفِ خلوتیاں باخبر شوی ۔ جامِ شراب درکش و طرفِ نقاب گیر

خواہ از طریقِ میکدہ خواہ از رہِ حرم ۔ از ہر جہت کہ شاد شوی فتحِ باب گیر

ہر ذرہ را بقدرِ طلب نور دادہ اند ۔ در کارِ خویش شپرہ را آفتاب گیر

فرداگر بدوست نظیری حساب نیست

امروز ہر سوال کہ داری جواب گیر

(۱) آج دنیا کے کاروبار کو تباہ سمجھ لے (کہ آج جمعہ ہے اور شراب نہ ملے گی) کل کو ہفتہ کا دن ہے شراب سے شگون لے لینا۔

(۲) ہر صبح کے وقت باغ کے مستوں کو اس حالت میں جا پایا کرو کہ شبنم ابھی بستر پر ہو اور نرگس سو رہی ہو۔ (یعنی صبح منہ اندھیرے اٹھنے کا عادی ہو جا۔ صبوح :۔ یہاں شرابِ صبح کے معنی میں نہیں بلکہ وقتِ صبح کے معنی میں ہے)

(۳) سرافراز سرو پر سے نالۂ غمگین سنو۔ اور پھولوں کے رنگ سے بھڑکتی ہوئی شاخ سے بھنا ہوا پرندہ پکڑ لو (سرو کو آزاد کہتے ہیں قمری اس پر عاشق ہوتی ہے۔ پھول کی شاخ پر طرح طرح کے پھول کھل رہے ہیں۔ مگر اس پر بلبل آتشِ محبت سے کباب ہو رہی ہے مختصر یہ کہ "ہر گل کے ساتھ خار ہے")

(۴) دلبر کی محبت کے بغیر کہ زندگی کی بقا اسی سے ہے جسم کو محض ایک نمود کہ درحقیقت کچھ نہیں سمجھ اور جان کو ایک فریب خیال کر (عشق کے بغیر جسم و جان ہیچ ہیں۔ کہ اصل زندگی عشق ہی سے ہے)

(۵) ہر بری ساعت جو تمہیں پیش آئے۔ اسے پانی کی ایک خیال کرو (وقت تکلیف گزر جائیگا) اور ہر خوبصورت نقش جو تمہیں جلوہ دکھائے! سے پانی کی ایک موج فرض کر لو (رنج اور راحت دونوں گذران اور ناپائدار ہیں کسی کو ثبات و دوام نہیں)

(۶) اچھے اچھے اشعار کہہ اور جلی قلم سے کاغذ پر لکھ۔ تازہ و عمدہ الفاظ لا اور اس طرح شکر اور گلاب کو ملا دے۔

(۷) اگر تو چاہتا ہے کہ خلوت نشینوں کے کشف سے واقف ہو جائے۔ تو شراب کا جام پی لے اور محبوب کا گوشۂ نقاب الٹ لے۔ (یعنی شراب پینے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تجھے محبوب کا رخ نظر آ جائیگا۔ شرابِ معرفت میں سرشار ہو کر اسکا جمال خود بخود نظر آ جاتا ہے)

(۸) خواہ میکدہ کے راستے سے اور خواہ حرم کی راہ سے۔ غرض جس طرف بھی تو پسند کرے اپنی مراد حاصل کرے۔ (عشق میں حرم و میکدہ کی تمیز الحاد ہے کہ سب راستے اسی ایک راہ میں جا ملتے ہیں۔ فتحِ باب کشاد کی کار، او آغاز موسم بر سانت یہاں بمعنی اول)

(۹) ہر ایک ذرہ کو اس کی خواہش کے مطابق نور دیا گیا ہے (جس قدر نور معرفت کی جس کو ضرورت تھی قدرت نے اسی قدر اس کو دے رکھا ہے) اپنے کام میں چمگادڑ کو آفتاب سمجھ لو (چمگادڑ روشنی آفتاب کی تاب نہیں لا سکتی۔ تو گویا اس کے پاس نور بہت ہی تھوڑی مقدار میں ہے درحقیقت چمگادڑ کو تنے ہی نور کی ضرورت تھی وہ اپنے اندھیرے طرح شاد کام ہے جس طرح آفتاب اپنے نور سے۔

(۱۰) اے نظیری! کل پھر دوست سے حساب کا موقع نہیں ملیگا۔ اس لئے آج جو سوال کرنا چاہتا ہے کرے اور جواب لے لے۔ (آمیر جمع ہیں احباب دردِ دل کہہ لے ۔ پھر التفاتِ دلِ دوستاں رہے نہ رہے)

غزل نمبر ۱۹

بحر ہزج مسدس اخرب مقبوض مقصور الآخر — ارکان: مفعول مفاعلن فعولن

غم گردِ فراق دید از دُور ۱ آویخت دگر بجانِ رنجور
از عشرتِ ناقصِ زمانه ۲ کوتاه امل ترم ز مخمور
رخسارۂ خوشدلی نه بینم ۳ دِل شد ز فراق چشم بے نور
تقصیر نشد بگریه پنہاں ۴ در آب نشد دفینه مستور
زخمِ جگرم که میزنم جوش ۵ کانِ نمکی که میکند شور
کوته نشود بخامشی حرف ۶ مرہم چکند بزخمِ ناسور
آنجا که شرابِ شوق دادند ۷ ته جرعه زمن گرفت منصور
بوئے ز نشاط ماندارد ۸ آب و گلِ صد ہزار فغفور
مشکل حالے و طرفه کارے ۹ خود شاہد و خود نشسته مہجور
کارِ تو ہمه بدل موافق ۱۰ از نیکوئی تو چشم بد دُور

زود از تو شود غنی نظیری
درویش یکے و شہر معمور

(۱) غم نے دُور سے فراق کی گرد اڑتی ہوئی دیکھی اور وہ پھر (ہجر) رنجور کی جان سے لپٹ گیا۔ ایک بچہ جو کبھی آندھیوں کے جھکڑ چلتے دیکھ کر دہشت زدہ ہو چکا ہو۔ ذرا سی گرد دور سے اڑتی ہوئی دیکھتا ہے۔ تو جھٹ خوف کے مارے کسی عزیز سے لپٹ جاتا ہے۔ غم عشق فراق کی سختیاں سہہ چکا ہے۔ اس لیئے اب اگر فراق کی آمد کے آثار کو دور سے بھی دیکھ پاتا ہے تو جھٹ عاشق کی جان سے آکر لپٹ جاتا ہے۔ مطلب یہ کہ ہجر کے تصور ہی سے عاشق کی جان پر بن جاتی ہے۔

(۲) میں زمانے کی ناقص عشرت کی وجہ سے مخمور شخص سے بھی زیادہ کوتاہ امید والا ہوں (زمانے میں عشرت کامل کسی کو بھی حاصل نہیں۔ خمار زدہ شخص کی عشرت نشۂ مے کے ساتھ ختم ہو جاتی ہے)

(۳) مجھے اب خوشدلی کا چہرہ نظر نہیں آتا۔ کیونکہ میرا دل فراق کی وجہ سے بے نور آنکھ کی طرح (ہو چکا ہے) ہجر نے دل کی امید و آرزو کی چمک کو بالکل فنا کر دیا ہے۔ اس لئے کسی خوشی کا چہرہ نہیں دیکھ سکتا۔ فراق کے غم کے ہجوم کے سبب خوشی خوشی نہیں معلوم ہوتی)

(۴) میری تقصیر رونے سے چھپ نہ سکی گویا دفینہ پانی میں چھپا نہ رہ سکا (گویا تقصیر ایک دفینہ تھا اور گریہ پانی۔ خود گریہ کی وجہ سے گناہ ظاہر ہو گیا)

(۵) میں گویا ہمہ تن از زخمِ جگر ہوں کہ اس طرح جوش مار رہا ہوں اور تو گویا نمک کی ایسی کان ہے۔ جو نمک پاشی کرتی ہے (تیرا کام میرے زخمہائے جگر پر نمک پاشی کرنا اور میرا اہلِ بن تیز یدکے نعرے لگاتا ہے۔ شور: نمکینی نمکی نمک وغیرہ)

(۶) یہ بات (عشق کی) خاموشی سے بھی ختم نہیں ہوتی۔ زخم جب ناسور ہو جائے تو پھر اس پر مرہم کیا کام دے سکتی ہے (گویا عشق نے ناسور ڈال دیئے ہیں اور خاموشی مرہم ہے۔ مگر مرہم معمولی زخموں پر اثر کر سکتی ہے۔ ناسور پر پھاہا رکھنے سے کیا فائدہ کسی نے کہا ہے کہ "حکایت بود بے پایاں بخاموشی اداکردم"۔ مگر نظیری کہتا ہے کہ یہ حکایت کسی طرح ختم ہونے میں ہی نہیں آتی مطلب یہ کہ عموماً خاموشی سے صبر آ جایا کرتا ہے۔ مگر میری بیقراری اور تڑپ خاموشی سے اور زیادہ ہو جاتی ہے)

(۷) جہاں (عشق کی) شراب دے رہے تھے۔ وہاں منصور نے مجھ سے صرف تلچھٹ لیا (تہ جرعہ بقلب اضافت۔ جرعہ تہ جب تلچھٹ کی کیفیت یہ ہے کہ منصور ضبط نہ کر سکا تو شراب کے جوش کی کیا کچھ حالت نہ ہو گی۔ میں منصور سے کہیں زیادہ اسرارِ معرفت سے آگاہ ہوں)

(۸) ہزاروں سلاطین کی سرشت میں اس نشاط کی خوشبو بھی نہیں جو ہمیں حاصل ہے (ہمارے جیسا نشاط و مسرت سلاطین کو بھی حاصل نہیں)

(۹) وہ خود ہی (عاشق اور خود ہی اس کے فراق میں مغموم بیٹھا ہے۔ یہ عجیب کام اور مشکل حال ہے۔

(۱۰) تیری خوش قسمتی سے تیرے تمام کام حسبِ مراد ہیں، خدا نظرِ بد سے بچائے رکھے۔

(۱۱) نظیری جلد ہی تیرے سبب سے دولتمند ہو جائیگا۔ کیونکہ وہ درویش ایک ہی ہے اور تیرا حسن کا تمام شہر آباد ہے (کیا شہرِ حسن ایک درویش کو بھی غنی نہ کر سکے گا)

غزل نمبر ۲۰

بحر مجتث مثمن مخبون مقصور — ارکان:۔ مفاعلن۔ فعلاتن مفاعلن فعلان

دو چار ہر کہ شوی جز سراغِ یار مگیر ۱ سپند بر سرِ آتش شو و قرار مگیر

چو وعدہ در رسد او خود بیاد خواہد داد ۲ بذوقِ خویش سرِ راہ انتظار مگیر

ز آب و دانہ ہمہ وحشیاں بر آمدہ اند ۳ سرِ شکار نداری پئے شکار مگیر

تو آں درخت نہ کز بر تواں خوردن ۴ پئے نظارہ خوشی گل فشان و بار مگیر

حقوقِ صحبتِ او نکتۂ الیست کم مشمار ۵ وفائے دوست متاعِ خوشی ست خوار مگیر

چو لالہ سوختہ دل یا چو سرو فارغ باش ۶ ہزار رنگ مشو طورِ نو بہار مگیر

شراب غیر نظیری خمار مے آرد
قدح ز ساقیِ بیگانہ زینہار مگیر

(۱) تو جس سے بھی ملے اپنے یار کے سراغ کے سوا کچھ مت طلب کر۔ ہر ایک آگ پر سپند بن جا۔ مگر قرار نہ لے۔ (سپند آگ پر ڈالنے سے تڑپ کر اوپر کو اٹھتا ہے۔ مطلب یہ کہ ہر جلوۂ حسن سے لطف اندوز ہو لے۔ مگر تیرا مطلوب ہمیشہ معشوقِ حقیقی ہی رہے۔ عشقِ مجازی میں پھنس کر نہ رہ جا)

(۲) جب وعدہ کا وقت آ جائیگا تو وہ خود ہی تمہیں یاد دلا دے گا۔ اس لئے اپنے شوق سے سرِ راہ انتظار نہ کر (جب اسے تمہیں اپنے لطف سے نوازنا ہو گا۔ تو وہ بے طلب تمہیں اپنی عنایتوں سے شادکام فرما دے گا۔ وعدہ:۔ مقررہ وقت)

(۳) تمام وحشی آب ودانہ کو ترک کر چکے ہیں۔ اس لئے شکار کا خیال ہرگز نہ کر اور نہ شکار کا پیچھا کر دتیرے دام حسن میں کوئی نہیں پھنسنے کا کیونکہ سب پر کھے ہوئے ہیں)

(۴) تو ایسا درخت نہیں ہے کہ تیرا پھل کھا سکتے ہوں ۔اس لئے صرف نظارہ کیلئے اچھے اچھے پھول ہی برسا دے ۔ اور بیشک پھل نہ لا دبار گرفتن : ۔ درخت کا پھل دار ہونا تیرے وصل سے محظوظ نہیں ہو سکتے ۔اس لئے جلوۂ دیدار سے ہی ہماری آنکھوں کو منور کردے ۔)

(۵) اس کی صحبت کے حقوق ایک نکتہ ہے ۔اسے حقیر مت خیال کر اور اس کی وفا مسرت و شادمانی کا سرمایہ ہے ۔اسے ذلیل نہ جان ۔ (اگر اس نے تمہیں اپنا ہم صحبت بنا لے رکھا ہے تو اسے معمولی بات نہ سمجھو بلکہ اس وجہ سے اس کے تم پہ کئی حقوق قایم ہو چکے ہیں اور یہ سمجھنے والوں کے لئے ایک نکتہ ہے نہایت باریک ۔ اسی طرح اگر وہ تم سے وفا کرتا ہے تو یہ محبت وانبساط کی ایک دولت ہے گراں قدر)

(۶) یا تو گل لالہ کی طرح سوختہ دل ہو جا اور یا پھر سرو کی طرح آزاد ہو جا ۔ ہزار رنگ نہ ہو اور نو بہار کا طریقہ اختیار کر دیا تو مہر تن عشق میں جل بھن جا اور یا پھر مطلق عشق کے قریب مت جا ۔ لالہ کے پھول کو سرخی میں آگ سے تشبیہہ دیا کرتے ہیں ۔ اور سرو آزاد مشہور ہے ۔ غرض یہ کہ ؏

دو رنگی چھوڑ دے یک رنگ ہو جا

بہار کو طرح طرح کے پھولوں اور سبزیوں کی وجہ سے ہزار رنگ کہتے ہیں)

(۷) اے نظیری ! غیر کی شراب خمار پیدا کرتی ہے ۔اس لئے بیگانہ ساقی سے کبھی جام شراب نہ لینا (محبوب کے سوا دوسرے کے ہاتھ سے شراب نہ پینا کہ خمار پیدا کرے گی ۔ عشق و دیدار کی شراب ایسی ہے جو خمار نہیں لاتی یا یہ شراب معرفت عارفان کامل سے حاصل کرو)۔

تمت بفضلہ وکرمہ والحمد للہ علی منہ و احسانہ

کتب خانہ

جامعۂ عثمانیہ

۱- اراکین مجلس اعلیٰ، مجلس رفقاء، مجلس انتظامی، اراکین مجالس تعلیمات و نصاب پانچ کتابیں ایک ایک ماہ تک اپنے پاس رکھ سکینگے۔ اور عہدہ داران جامعہ

۲- اساتذہ جامعۂ عثمانیہ و کلیات تین کتابیں ایک ایک ماہ تک اپنے پاس رکھ سکینگے۔ اور اراکین دارالترجمہ ترجمہ شدہ دو کتابیں

۳- طلباء ایم۔ اے۔ ال ال۔ بی۔ و تحقیقاتی جماعتوں کے طلبہ تین کتابیں اپنے پاس رکھ سکینگے۔ بی۔ اے۔ اور انٹرمیڈیٹ کے طلبہ دو کتابیں ایک ہفتہ تک اپنے پاس رکھ سکینگے۔

۴- مدت مقررہ پر کتابیں واپس نہ ہوں تو طلبہ سے بحساب ایک آنہ یومیہ فی کتاب جرمانہ لیا جائیگا۔

۵- بشرط موقع کتابیں کرا جاری کی جاسکینگی مگر اس غرض کے لئے کتب خانہ میں کتاب کا لانا لازم ہے۔

۶- کتابیں گم یا خراب ہو جائیں تو تشخیص پر تاوان داری عائد ہوگی۔

۷- کتابوں پر کسی قسم کا نشان یا حاشیہ نہ لگایا جائے۔

۸- قلمی نسخے اور حوالے کی کتابیں جاری نہ کی جاسکینگی۔ فقط